فکشن کی دنیا میں ایک نئے اسلوب اور ایک نئی صنف 'حالیہ' کے تحت
حالیوں کا تازہ ترین مجموعہ

''حالیہ'' ایک طرز بھی، ایک صنف بھی

موجد و مصنف
مُبین صدیقی

PDF BOOK COMPANY

Muhammad Husnain Siyalvi
0305-6406067
Sidrah Tahir
0334-0120123
Muhammad Saqib Riyaz
0344-7227224

بسم اللہ الرحمن الرحیم

''روئے زمین کے تمام درخت قلم بن جائیں اور سمندر سیاہی بن جائے اور ان کے بعد (ان کی مدد میں) سات سمندر اور آجائیں تو بھی اللہ تعالیٰ کے کلمات ختم نہیں ہوں گے۔''

(سورۂ لقمان، القرآن)

فکشن کی دنیا میں ایک نئے اسلوب اور ایک نئی صنف 'حالیہ' کے تحت

حالیوں کا تازہ ترین مجموعہ

ایجادات

''حالیہ'' ایک طرز بھی، ایک صنف بھی

موجد و مصنف

مُبین صدیقی

ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی

"Ijadaat" (Collection of Haliyas)

A New Genre In Urdu Fiction

by

Mobin Siddiqui
Moh: Quilaghat Colony Darbhanga, Bihar, Pin:846004
Mob: 9973030424, 7361919747
dr.mobinsiddiqui@gmail.com

Year Of Edition 2018
ISBN 978-93-88356-21-3

Rs. 500/-

نام کتاب	:	''ایجادات'' (مجموعۂ حالیہ)
موجد ومصنف	:	مبین صدیقی
سن اشاعت	:	۲۰۱۸ء
تعداد اشاعت	:	۴۰۰
صفحات	:	۲۷۶
قیمت	:	۵۰۰ روپے
مطبع	:	روشان پرنٹرس، دہلی۔۶

Published by

EDUCATIONAL PUBLISHING HOUSE

3191, Vakil Street, Kucha Pandit, Lal Kuan, Delhi-6(INDIA)
Ph : 23216162, 23214465, Fax : 0091-11-23211540
E-mail: info@ephbooks.com, ephindia@gmail.com
website: www.ephbooks.com

انتساب

عجائباتِ کائنات

کے

موجدِ اعلیٰ وبالاکے نام

الفہرس

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کلمۂ تشکر

مخلوق کو اپنے خالق کا بہر طور شکر گزار ہونا چاہئے۔ چنانچہ 'ایجادات' میں اپنے حالیوں کو نئے طور پر پیش کرتے ہوئے پہلی بار عالم سرور سے گزر رہا ہوں۔ ان حالیوں پر گزشتہ تیس برسوں کے دوران اہل الرائے حضرات کے جو ہمہ رنگ تاثرات موصول ہوتے رہے ہیں وہ اس ہیچ مداں کے لئے بیش قیمت اعزازات سے کم نہیں ہیں۔ البتہ ابتدا سے تا حال، بعض ادبی رویوں کا اگر یہ عاجز شاکی رہا ہے تو اسے ذاتی شکایات یا ناراضگی پر نہیں بلکہ کائنات میں اعلیٰ تعمیری قدروں کے فروغ اور استحکام کی خاطر تمام تر کم فہمیوں، کج فہمیوں اور غلط فہمیوں سے خاکسار کے اختلافات پر محمول کیا جائے کہ۔

ہم تو جیتے ہیں کہ دنیا میں ترا نام رہے
کہیں ممکن ہے کہ ساقی نہ رہے جام رہے

''ایجادات'' میں نئے حالیوں کے علاوہ ''سحر مبین'' کے تمام حالیوں اور مقدمہ ''حالیہ کی شعریات'' کو ترمیمات سے گزار کر نئے طور پر پیش کیا جا رہا ہے۔ حالیہ کی ایجاد و اختراع کے بیان میں ایک نیا مقدمہ ''حالیہ کی ایجاد'' بھی شاملِ ''ایجادات'' ہے۔ اب، خاکسار کی دُعا ہے کہ اس نئی صنف 'حالیہ' کے ذریعہ نہ صرف ہم فخر و انبساط حاصل کر سکیں بلکہ کافی وشافی طور پر بصیرت و رہنمائی اور حکمت و دانائی بھی ہمارے شاملِ حال ہو جائے۔

''ایجادات'' کی اشاعت تک حالیوں کے متعلق خاصی تعداد میں تاثرات جمع ہو چکے ہیں جنہیں ''ایجادات'' کے بعد موصول ہونے والے تاثرات و مضامین کے ساتھ ترتیب دیکر ایک نئی کتاب ''تفہیمِ حالیہ'' کا عزم ہے۔ اس کے علاوہ تمام حالیوں اور متعلقہ تاثرات و مضامین کو یکجا کر کے دوسری زبانوں مثلاً ہندی، انگریزی اور عربی میں بھی منتقل کیا جانا ہے۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کاموں کو جلد از جلد پایہ تکمیل تک پہنچادے (آمین)

اس کتاب کی تکمیل میں بیگم محترمہ، چاروں رحمت بیٹیوں اور فرزند سعید کے تعاون کے لئے بھی تہہ دل سے دعائیں ہیں۔

..................مبین صدیقی

حصہ اول

مختصر مختصر ترین

التجا (بچوں کیلئے)

: تصوراول :

لہلہاتی ہریالی پر برستے شعلے

-وقفہ-

-وقفہ طویل-

: تصوردوم :

یک گوشۂ اندرون،

چہار سمت، درمیان شعلگی،

ہریالی کا ایک احساس نما ایک چھوٹا سا پتہ،

اور پتے سے ابھرتی ایک التجا:

''اے ہمارے خالق، ہم تجھ سے عرض گزار ہیں......ملتجی ہیں کہ،

ہمیں اٹھالے اور قائم رہنے دے شعلوں کو............

''اور قائم رہنے دے شعلوں کو..............

صرف شعلوں کو!''

: تصور سوم :

شعلہ فشاں اک عالمِ تصورات،

شعلے، صرف شعلے،

۔وقفہ۔

مگر رفتہ رفتہ شعلے جیسے تھکے تھکے سے،

ایک دوسرے پر گرتے،

جلتے بجھتے،

حتیٰ کہ،

روشن میناروں کی مانند

خاک کے پردوں میں تبدیل ہوتے چلے جاتے ہیں،

ہلکی ہلکی متصادم موسیقی،

اور ہر چہار سمت ایک عجیب سی نیم تاریکی،

--وقفہ--

--طویل وقفہ--

....

طویل وقفہ کے بعد،

درمیان یک گوشۂ اندرون،

ہریالی کے احساس نما پتہ کے اوپر نمودار،

پھول کی ایک کلی،

ایک پیاری سی کلی...... سے ابھرتی،
پھر وہی التجاء،

''اے ہمارے خالق و مالک، ہم تجھ سے عرض گذار ہیں...... ہم تجھ سے عرض گذار ہیں......اور یہ چاہتے ہیں کہ...... ہمیں اٹھالے اور رہنے دے شعلوں کو......

صرف شعلوں کو......صرف......

اے ہمارے خالق و مالک......اے......اے......''

اور رفتہ رفتہ گرتا اک پردۂ سکوت!

اور اک پردۂ تاریک!!

☆☆☆

علم کی گارنٹی

(بچوں کے لئے)

روشن تصور کے ایک گوشے میں،

ایک جانب ایک سجے ہوئے ٹیبل پر چند فائلیں، ایک گلدستہ، ایک قلم دان اور چند موٹی کتابیں رکھی ہیں جن کے سامنے ایک اونچی کرسی پر جج نما ایک شخص تشریف فرما ہے۔ دوسری طرف ناظرین کی مجلس ہے۔ درمیان میں شنوائی کے لئے تھوڑی سی جگہ ہے۔ تھوڑے وقفے کے بعد ٹائی کوٹ میں ملبوس چند نوجوان ایک بدحواس شخص کو پکڑ کر لاتے ہیں اور مقام شنوائی میں لاکر کھڑا کر دیتے ہیں۔ نوجوانان بھی بدحواس شخص کے اردگرد جگہ بنا کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ چند لمحوں بعد ایک نوجوان، جج صاحب سے مخاطب ہوتا ہے۔

نوجوان: ''عزت مآب، عالی جناب، حضور والا! یہ اکیلا شخص ہے جو اس بستی کی ترقی میں حصہ نہیں لینا چاہتا۔ یہ خود بھی نئے علوم سے دور رہتا ہے اور اپنے بال بچوں کو بھی دور رکھتا ہے''۔

دوسرا نوجوان آگے بڑھ کر جج سے عرض کرتا ہے،

''جناب عالی! علم والوں کے درمیان اس کا رہنا اب ٹھیک نہیں ہے۔ کیوں کہ ایک گندی مچھلی پورے تالاب کو گندہ کر دیتی ہے۔ اس لئے ہم لوگوں نے اسے اس بستی سے نکال باہر کرنے کا مشورہ کرلیا ہے۔ پھر بھی، آخری فیصلہ تو حضور ہی فرمائیں گے''۔

تھوڑے توقف کے بعد جج صاحب ناظرین سے مخاطب ہوتے ہیں،

جج۔ ''کسی اور کو کچھ کہنا ہے؟''،

ناظرین کی مجلس سے اجتماعی گونج ابھرتی ہے،

''حضور ہی کافی ہیں۔ حضور ہی کافی ہیں''۔

تھوڑے اور توقف اور اطمینان کے ساتھ ملزم شخص کی جانب جج صاحب متوجہ ہوتے ہیں،

''ہاں تو عبداللہ، اگر یہ لوگ تمہیں بستی سے نکال دیں تو تم کہاں جاؤ گے''

بدحواس عبداللہ پہلے مجمع پر ایک گہری نظر ڈالتا ہے پھر اپنی کیفیت کو بحال کرتے ہوئے پوری خوداعتمادی سے جواب دیتا ہے،

''حضور والا! میں ایسی جگہ جانا چاہوں گا جہاں عالموں کا جنگل نہ ہو۔ جہاں وحشی جانوروں کو عالم نہ سمجھا جائے''۔

عبداللہ کے اس گستاخ جواب پر جج صاحب کو غصہ آتا ہے۔ جج صاحب عبداللہ سے:

''تمہاری اس گستاخی پر تمہیں ابھی اسی وقت قید کی سزا دی جاسکتی ہے۔ مگر ہم (ذرا نرم ہوکر) تمہاری حالت پر ترس کھاتے ہوئے تمہیں شنوائی کا ایک اور موقع دیتے ہیں۔ اب جو کچھ کہنا ہو ادب سے اور نرمی سے کہنا۔ تو بتاؤ، آخر تم نیا علم حاصل کیوں نہیں کرنا چاہتے؟ جب کہ علم تو بہت بڑی نعمت ہے۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ علم ہر قسم کی ترقی کی کنجی ہے۔ آج کے زمانے میں انسان نئے علوم کے بغیر ترقی نہیں کرسکتا۔ اونچا مقام نہیں پاسکتا۔ وہ ڈاکٹری ہو، انجینئرنگ ہو، سائنس ہو، ٹکنالوجی ہو، شعبۂ تعلیم ہو، عدالت ہو یا سیاست وحکومت ہو، ہر ایک جگہ نئے علوم کا بول بالا ہے۔ آج کا

انسان خوب ترقی کر رہا ہے۔تو پھر تم نئے علوم سے اتنا بھاگتے کیوں ہو؟''

عبداللہ ذرا نرم لہجے میں: جناب عالی! گستاخی کے لئے معافی چاہتا ہوں۔حضور کی باتیں سر آنکھوں پر۔مگر مجھے لگتا ہے کہ علم حاصل کرنے کے باوجود آج کا انسان بد سے بدتر ہوتا جا رہا ہے''۔

سبھی نوجوان ایک ساتھ جج سے: ''سنا آپ نے حضور۔حضور آپ نے سنا''

جج ہاتھ اوپر اٹھا کر نوجوانوں سے: ''خاموش! خاموش! خاموش رہیں آپ لوگ!''

عبداللہ کی طرف دیکھ کر جج صاحب مخاطب ہوتے ہیں: ''ہاں تو عبداللہ! تم اپنی بات کہو۔مگر ادب کے ساتھ کہنا''

عبداللہ: ''جناب عالی، یہ لوگ جس علم کی بات کر رہے ہیں اسے حاصل کرنے کے بعد لوگ زیادہ ظالم، زیادہ بے درد اور زیادہ بڑے لٹیرے بن رہے ہیں۔اس نئے علم کی وجہ سے لوگ گندے دل اور گندے دماغ کے ہوتے جا رہے ہیں۔آج زیادہ تر لوگ لالچی اور بھرشٹ ہوتے جا رہے ہیں''

اچانک ایک مولوی نما شخص تیزی سے عبداللہ کے پاس پہنچ کر جج سے مخاطب ہوتا ہے:

مولوی صاحب ''عبداللہ کی نظر میں صرف دین کا علم ہی فائدہ مند ہے۔(عبداللہ کی طرف دیکھتا ہے) ٹھیک ہے نا عبداللہ؟''

عبداللہ ''دین کا علم سچا علم تو ہے مگر......''

مولوی صاحب ''مگر کیا؟ صاف صاف کہو''

عبداللہ ''سچا علم دینے والے اور علم کی سچائی پر چلنے والے یہاں کتنے لوگ ہیں؟''

مولوی صاحب ''یعنی تم کہنا کیا چاہتے ہو''

عبداللہ ''دین کا علم سیکھنے کے بعد بھی لوگ اسی طرح برے ہو جاتے ہیں جس طرح دنیا کا علم سیکھنے کے بعد''

مولوی صاحب ''تو برائی کس میں ہے، علم میں یا عالم میں؟''

عبداللہ ''عالم میں''

جج ''تو تمہیں علم سے ڈر کیوں لگتا ہے، تم علم سے کیوں بھاگتے ہو؟''

عبداللہ ''علم سے اس لئے ڈرنا چاہئے کہ علم تلوار کی طرح ہے، جب تلوار کا غلط استعمال کیا جاتا ہے تو دنیا میں ظلم ہی ظلم اور فساد ہی فساد ہوتا ہے''

جج ''تو اس ڈر سے تم علم ہی حاصل نہ کرو گے؟''

عبداللہ ''ہم چاہتے ہیں کہ ہم بھی علم حاصل کریں۔ مگر ہمیں یہ گارنٹی کون دے گا کہ علم حاصل کر کے ہم صرف بھلا ہی کریں گے، عوام کی خدمت ہی کریں گے۔ ظلم اور برائیوں کو ایجاد نہ کریں گے۔ ہماری ہر ترقی پوری دنیا کے لئے امن وشانتی اور نیکی وخوشحالی کا ذریعہ بنے گی۔ علم کی ایسی گارنٹی ہمیں کون دے گا جج صاحب؟''

جج صاحب مجمع سے مخاطب ہو کر: ''کوئی ہے جو اس شخص کو گارنٹی دے؟ کوئی ہے جو اس ضدی کو گارنٹی دے؟ کوئی ہے جو علم کی گارنٹی دے؟''

جج صاحب بڑے جوش کے ساتھ اپنے سوال کو بار بار دہراتے ہیں۔ ایک ایک کر کے تمام ناظرین کی طرف تجسس واشتیاق سے دیکھتے ہیں۔ ناظرین بھی بے چینی سے ایک دوسرے کی جانب دیکھنے لگتے ہیں۔

منظر ساکت!!

☆☆☆

دربیانِ جاہلاں

تصوراول :

تصورتاریک میں ایک دوسرے سے دور پانچ عدد روشن خانے ابھر کر پانچ مختلف قلم کاروں کے نظارے پیش کرتے کہ جو لکھنے میں تو غرق مگر گھنٹیوں کی ٹنٹناہٹ کے ساتھ ہی روشن خانوں میں مزید پانچ اشخاص نمودار ہو کر لکھنے والوں سے قلم کا پیاں چھینتے اور ہوا میں اچھالتے ہوئے قلم کاروں کو گولیوں سے بھون ڈالنے کے ساتھ ساتھ یکے بعد دیگرے تاریکیوں میں ہاتھ ڈالتے اور مردہ قلم کاروں میں سے ایک کے سینے پر میزائل دوسرے کی پشت پر توپ، تیسرے کے کاندھے پر بندوق، چوتھے کی مردہ مٹھیوں میں ریموٹ پکڑاتے پانچویں کے مردہ جسم کو لات کی ٹھوکر سے اندھیروں کی نذر کرتے اس کی جگہ پر ایک قدآور روبوٹ رکھ کر خود بھی ہولناک تاریکیوں کے اجزاء میں تحلیل ہو جاتے ہیں۔

ساز باز ناز راز

تصوراول :

ی'Z اور☺ جیسے حروف جھرنوں کی مانند اپنے نیم تاریک سرچشموں سے جھر جھر بہتے ....خون کے مختلف رنگ' مختلف نوع کے آلات اور اسلحات جھرنوں کی نئی نئی قسموں میں اور دودھ کی نہر کے علاوہ ہمہ شکل وہمہ رنگ پھلوں اور پھولوں کی نہریں' نہریں سونے اور چاندی کی' ہیرے اور جواہرات کی' سیپوں جیسے نوخیز نوجوانوں اورموتیوں جیسی حسین بالاؤں اور پیارے پیارے خوبصورت جانداروں کی نہریں بہتی جارہی ہیں.......... بہتی جارہی ہیں' بہتی جارہی ہیں..........ایسی وادیوں کی سمت جن کی لامختتم گہرائیوں میں غلاظتوں کے تہہ بہ تہہ جال ہیں مگر جن سے بھینی بھینی خوشبو پھوٹ رہی ہے۔

☆☆☆

ہری کونپلیں

: تصور اول :

تصور میں ایک جانب لہلہاتے کھیت، پھل دار باغات اور خوشنما پھولوں کا چمن ہے۔ دوسری جانب بارود اگلنے والی توپوں کی قطار۔ ایک منظر جتنا حسین اور دلکش ہے' دوسرا اتنا ہی بھدا اور خوفناک!

دفعتاً ایک گونج سی ہوتی ہے۔ جیسے کوئی سائرن بجا ہو۔ سائرن کی اس گونج کے ساتھ ہی توپیں شعلہ فشاں ہو اٹھتی ہیں۔ لپکتے ہوئے بارودی شعلے کھیت اور باغات پر برسنے لگتے ہیں۔ پھولوں اور پھلوں کے چٹخنے کی ہلکی ہلکی آوازیں۔ ان کے جلنے بھنے کی بُو...... پودوں اور پتوں کی چڑ چڑاہٹ اور تڑتڑاہٹ ......اور توپوں کی گرج باہم مخالف ومتصادم۔ موسیقی ایک عجیب طرح کی کھلبلی اور الم ناکی سے بھرپور'

دیکھتے ہی دیکھتے لہلہاتے کھیت، پھل دار باغات اور رنگ برنگے پھولوں کا خوشنما چمن خاکستر ہو جاتا ہے۔ اگرچہ توپوں کا گرجنا اور شعلوں کا برسنا اس وقت تک جاری رہتا ہے جب تک کہ ہریالی کا ایک ہلکا سا شائبہ بھی فنا نہیں ہو جاتا۔!

—: تصور دوم :—

تصور میں چہار جانب گہری دھند میں ڈوبے ہوئے ملبوں کا احساس'
منظر دھواں دھواں

....

مگر ایک لمحہ توقف کے بعد دھیرے دھیرے دھند چھٹنے لگتی ہے یہاں تک کہ---
نیچے صرف بکھرے ہوئے ملبے'
اوپر صرف کالی گھٹا'
دفعتاً، ایک گونج سی اُٹھتی ہے جیسے آسمان غرا رہا ہو۔ کڑکتی ہوئی بجلیوں کی خوفناک چمک اور آندھیوں کی سرسراہٹ کے ساتھ ہی غبار آلود ملبے ادھر اُدھر بکھرنے لگتے ہیں تھوڑی ہی دیر میں برف کے چھوٹے چھوٹے ٹکرے ملبوں پر موتیوں کی مانند ٹپکنے اور چمکنے لگتے ہیں،
رفتہ رفتہ جھما جھم بارش شروع ہو جاتی ہے،
بارش تیز تر ہوتی چلی جاتی ہے،
اور موسیقی،
جیسے لگا تار بارش کی دھن برسائے جا رہی ہو!

: تصور سوم :

مدھم مدھم روشنی! نیم تاریکی!
گیلے ملبوں کے ڈھیر کہیں اٹھے ہوئے کہیں دھنسے ہوئے'
موسیقی--- جیسے دعائیں الاپ رہی ہو'

منظر---جیسے نہایت فرحت بخش اور نہایت پرسکون،

دفعتاً، موسیقی کی زوردار گونج کے ساتھ ہی روشنی جیسے ایکدم سے تیز ہو جاتی ہے۔ پورا تصور جیسے ایکدم سے روشن ہو اٹھتا ہے۔اور نگاہیں جیسے ایکدم سے دیکھتی ہیں کہ بکھرے ہوئے ملبوں کے ڈھیر سے-------یہاں تک کہ آہنی توپوں کے اوپر جمی ہوئی گیلی مٹی کی تہہ سے سبز سبز کونپلیں جھانک رہی ہیں......

ہریالی کا ایک غیر متوقع احساس سر ابھارتا ہے اور اس انکشاف پر موسیقی ہولے ہولے جھومتی ہوئی نشاطیہ آہنگ میں تبدیل ہوتی چلی جاتی ہے۔!

☆☆☆

اَے مصور!

: تصورِاول :

تصورِاول پر تیز روشنی پھیلی ہے۔

تصور کے بیچوں بیچ ایک خوش پوش نوجوان آسمان کی جانب نگاہیں اٹھائے دیکھ رہا ہے۔اوپر چمکتا سورج نیچے نوجوان' جیسے سورج سے آنکھ مچولی کر رہا ہو۔اس کی تیز تیز نگاہیں اور سورج کی تیز تیز روشنی مگر اس کے چہرے پر ایک پراسرار مسکراہٹ بھی دیکھی جا سکتی ہے۔

موسیقی سن سن کر رہی ہے۔جیسے اس کی کوندتی ابھرتی گھن گرج دونو جوانوں کے مقابلہ کا منظر پیش کر رہی ہو۔

سورج اپنی جگہ اٹل ہے اور نوجوان اپنی جگہ

دونوں کی آنکھ مچولی جاری ہے حتیٰ کہ---

منظر ساکت!

: تصورِدوم :

سورج کا جاہ وجلال کم ہوتا جا رہا ہے......

دھوپ کی تمازت ہلکی ہوتی جا رہی ہے......

-وقفہ-

جیسے جیسے سورج کا رنگ بدل رہا ہے، نوجوان کی آنکھوں کی چمک بھی معدوم ہوتی جا رہی ہے۔ رفتہ رفتہ اس کے چہرے پر مسکان کی جگہ اندیشہ اور اندیشہ کے سبب سختی آتی جا رہی ہے اور جوں ہی اندیشہ خیز نگاہوں سے سورج کی اس تبدیلی کو وہ ٹٹولنے کی کوشش کرتا ہے کہ دفعتاً -----

اس کے چہرے پر بے پناہ حیرت کے آثار نمودار ہوتے ہیں اور موسیقی یک لخت گونج اٹھتی ہے۔

منظر ساکت!

: تصور سوم :

تصور کی سطح پر پانی کی طرح بہتا، ابلتا، کوندتا گھٹا ٹوپ اندھیرا اور سیاہ مٹیالے اندھیروں کے اوپر تصور کے ایک گوشے میں تیرتا، ہچکولے کھاتا ---

معتوب ہوتا سورج،

غروب ہوتا سورج،

مجذوب ہوتا سورج،

مجذوب ہوتے سورج کی باریک کرنیں گھٹا ٹوپ اندھیروں کے سمندر میں اندر تک لہراتی، کوندتی کانپتی، تھرتھراتی ہوئی جذب ہوتی جا رہی ہیں،

بپھرتے سمندر سے جنگ آزما سورج،

تنہا -----

بے بس -----

لہولہان -----

موسیقی روتی ہے اور گرجتی ہے۔ گرجتی ہے اور چیخ مارتی ہے۔ اندھیرے کا سمندر سورج کو جیسے نگل جانا چاہتا ہے۔ دھیرے دھیرے وہ سورج کو نگلتا جا رہا ہے:

''سوں سوں''

''ہر---ہر''

آدمی، جو آدھا اندھیرے اور آدھا اجالے میں کھڑا متحیر، متجسس، اس دلخراش منظر کو دیکھ رہا ہے دفعتاً جنون میں آتا ہے۔

بے چینی احتجاج میں بدلتی ہے۔ پسینے میں شرابور سورج کی طرف اس کے بے خود قدم بڑھتے ہی چلے جاتے ہیں۔ اور وہ ہر قدم پر جیسے پکار اٹھتا ہو

''اے مصور!--اے مصور!--اے مصور!''

تصور کے تمام مناظر جیسے کسی دیو قامت بھنور کے اندر جکڑ بند ہو گئے ہوں۔ خصوصاً سورج، اندھیروں کا سمندر، اور موسیقی کے ساتھ ساتھ کبھی اجالے اور کبھی اندھیروں کے تھپیڑے کھاتا آدمی!

سورج اندھیروں کے بھنور میں جیسے ڈوبتا جا رہا ہو ڈوبتا جا رہا ہو ڈوبتا---اور آدمی اسی کی طرح متصادم مگر اسی کی جانب لپکتا ہوا، اندھیروں کے سمندر کی لہروں کو پست کرنے کی کوشش میں ہر قدم پر بے خود ہوتا ہوا،

''اے مصور!---

''اے مصور!---

اے---''

دفعتاً ایک جھناکے کے ساتھ سارا تصور اندھیروں کے بھنور میں غرقاب ہو جاتا ہے۔ اب نہ آدمی ہے، نہ موسیقی، نہ سورج، کچھ نہیں، غائب، سب غائب، مگر اندھیرا، گھور اندھیرا، صرف اندھیرا..........!

منظر ساکت!

: تصور چہارم :

تصور میں کوندتی بپھرتی ہوئی موسیقی جیسے سمندر کی لہریں ٹھاٹھیں مار رہی ہوں اور اندھیروں کا ہنگامہ خیز بھیانک طوفان-----'

-کافی طویل وقفے کے بعد-

موسیقی رفتہ رفتہ ہلکی ہوتی جا رہی ہے۔ محسوس ہوتا ہے کہ طوفان رفتہ رفتہ تھمتا جا رہا ہے اور اندھیرا جمتا جا رہا ہے۔

یہاں تک کہ موسیقی ساکت ہو جاتی ہے۔

سَن سَن کرتا سماں

دھند بنتا اندھیرا'

چھوٹے چھوٹے گولے میں............

ہلکی ہلکی لالی میں'............

تبدیل ہوتی ہوئی دھند......

اور پھر لالی کا بڑھتے جانا............

دھند کا گھٹتے جانا............

اندھیروں کا چھٹتے جانا............

منظر ساکت!

: تصور پنجم :

موسیقی اب بھی ساکت ہے،

لالی کوندتی، پھیلتی، بڑھتی جا رہی ہے

،
....

دفعتاً چپکے سے ایک گونج لہراتی ہے،
جھناک، جھناک، جھناک،
ایک دو---
دس بیس-------
سو------------
جھناک------جھناک------
رات کے سینے میں صبح کی سفیدی کی جھلملاتی کرنیں اترتی جارہی ہیں۔
موسیقی بہت سریلی، بہت مدھم، بہت پیاری پیاری سی---
صبح کی حسین آسمانی کرنوں کی آمد میں موسیقی بخوشی جیسے ہَولے ہَولے جھوم رہی ہو۔
چڑیوں کی چہچہاہٹ اور جھومتے گلاب پر شبنم کی ٹپ ٹپ-----ٹپ!
تصور پر مخملی سبزے شبنم میں نہار ہے ہیں۔
بھیگی بھیگی سحر آفریں صبح کی تازہ تازہ سج دھج جیسے کسی کے استقبال کی منتظر ہو۔
موسیقی مدہوش کیئے جاتی ہے۔
دفعتاً تصور کے ایک گوشے سے وہی شخص نمودار ہوتا ہے۔ پہلے تو وہ حیرت سے اس بدلی ہوئی دنیا کو دیکھتا ہے۔ پھر چونکتا ہے۔ پھر نہایت بے تابی سے ادھر ادھر کسی کو ڈھونڈھنے لگتا ہے۔ رات کا خمار اس کی لال لال آنکھوں میں موجود ہے جیسے مسلسل جاگتا رہا ہو---
وہ تصور پر ادھر ادھر دوڑنے لگتا ہے۔ اس کی متحرک آنکھیں بڑی بے چینی سے کسی کو ڈھونڈنے لگتی ہیں۔ موسیقی بھی جیسے اسی کی طرح بے چین ہو اٹھتی ہو۔
متجسس و متحرک تصور..........،
منظر ساکت!

: تصور ششم :

تصور میں چٹانوں کے درمیان ایک اونچی چٹان پر گم سم بیٹھا وہی شخص نظر آتا ہے۔
افسردہ اور گہری سوچ میں مستغرق!

دوسری طرف پہاڑیوں اور جھرنوں کا سلسلہ ہے۔ندی میں ناویں لگی ہیں۔ چونکہ یہ مناظر پہاڑیوں کے بہت نیچے واقع ہیں اس لئے ہلکے ہلکے اندھیروں میں ڈوبے ہوئے بھی ہیں۔شام کے شفق آلود تاریک ہوتے منظر کی مانند!

دفعتاً پہاڑیوں کی اوٹ سے جیسے ''چھلانگ'' لگاتی کرنیں اس شخص کی پیٹھ پر آ کر گرنے اور گرِ گر کرا چھلنے لگتی ہیں'

ایک' دو' تین------'

دس' بیس' سو------'

جھناک' جھناک' جھناک'------'

وہ چونک کر سر اٹھاتا ہے۔اور جب پیچھے مڑ کو دیکھتا ہے تو---حیرت سے اس کا منہ کھلا کا کھلا رہ جاتا ہے۔وہ کئی لمحے انتہائی حیرت اور خوشی کے اسی عالم میں گذارتا ہے..........

حتیٰ کہ وہ از خود آگے بڑھتا اور پھسلتا چلا جاتا ہے۔

ناچتے' تمتماتے' سنسناتے' پہاڑیوں کی اوٹ سے تاریکیوں کا سینہ چیر کر باہر نکلتے ہوئے سورج کی سمت اس کے قدم بڑھتے ہی چلے جاتے ہیں اور ہر وہ قدم پر جیسے لپکتا ہوا' بخوشی بخوشی کہہ اٹھتا ہو'

''اے مصور!------''

''اے مصور!------''

"اے-------"

یکا یک سارے مناظر ایک دم سے جیسے ساکت ہو جاتے ہیں،
پہاڑیوں کی اوٹ سے ابھرتا سورج'
ندی پر اس کی آڑی ترچھی رنگ برنگی کرنیں'
دیوانے کا بڑھتا ہوا ہاتھ،
اور گن گن کرتی ہوئی موسیقی!
سب ساکت!

☆☆☆

سائنٹسٹ

: تصور اول :

جھرنوں کی مانند،
میزائلوں پر برستی'
رنگ برنگی جھلمل روشنی'

میزائل----جن کے قدم سطح پر اور رخ منور جھرنے کی سمت!
مدھم مدھم متصادم شور کے ساتھ
ایک میزائل کے سوا بقیہ چھ میزائل اپنے بے ہنگم سروں میں اسٹارٹ ہوتے'
سطح چھوڑتے'
پرواز کرتے ہوئے'

اور میزائلوں کے شور کے بین بین ایک الگ ہنگامہ خیز شور
جیسے کسی عظیم عمارت کو ڈھایا جا رہا ہو'
------'

------'

-------،

-------،

ساتھ ہی

دعائیہ کلمات،

جوشیلے نعرے،

-------،

تلواروں کی شپ شپ کرتی ہوئی کاٹ دار گونج،

دلخراش انسانی چیخیں،

بموں کی بلاسٹنگ،

بلند ہوتے قہقہے،

کھنکتے پیمانے،

رقصیلے آہنگ،

گونجتے نقارے،

اور منور جھرنے کی سمت اڑتے میزائل!

ایسے میں تصور کے نیم تاریک گوشے سے ایک گیسو دراز شخص نمودار ہوتا ہے۔

لمبی زلفیں، سفید چشمہ اور سفید کرتہ پاجامہ میں ملبوس، دھیرے دھیرے میزائل کے قریب پہنچتا ہے۔ اس کے ایک ہاتھ میں کتاب نما کوئی شئے اور جدید قسم کا کوئی آلہ نظر آتا ہے۔ وہ ایک نظر پرواز کرتے ہوئے میزائلوں پر ڈالتا ہے۔ سرشاری اس کے چہرے سے پھوٹنے لگتی ہے۔ وہ دوسری نظر ساکت و جامد پڑے ایک میزائل پر ڈالتا ہے۔ آگے بڑھ کر ساکت میزائل کو بغور ادھر ادھر چیک کرتا ہے۔ کبھی کسی بٹن کو مس کرتا ہے۔ کبھی کسی پرزے پر جیسے دست شفقت پھیرنے لگتا ہے۔ یہاں تک کہ اس

کے دونوں ہاتھ جانب فلک بلند ہوتے چلے جاتے ہیں۔اور وہ خود جیسے عالم وجد میں مستغرق ہوتا چلا جاتا ہے۔

معاً منہدم ہوتی عمارات کی علامتیں آہٹوں میں تبدیل ہونے لگتی ہیں۔

-----------'

-----------'

-----------'

-----------'

پھر وہی دعائیہ کلمات'

جوشیلے نعرے'

تلواروں کی شپ شپ'

ڈھہتی عمارات کی صدائے بازگشت'

اور دلخراش انسانی چیخوں کے درمیان............

ساکت میزائل کا دھیرے دھیرے اپنے بے ہنگم سُروں میں اسٹارٹ ہونا'

اپنے خارج ہوتے ہوئے دھوئیں کو'

دور دور تک پھیلا کر'

اپنے ہی دھوئیں میں گم ہوتے جانا!

☆☆☆

سادھنا میں......

: تصور اول :

گوشۂ تصور اول میں ایک دیو قامت مولوی ہیئت وجود......

دھیان میں غرق......

وجراسن میں بیٹھا' آنکھیں بند......

گوشۂ ثانی میں پیاری پیاری مگر چھوٹی موٹی گائیں، بھینسیں،......

اچھلتی، کودتی، مچلتی......

اور بکریاں،......

تیسرے گوشے میں دوڑتے، اچھلتے......کبھی کبھی غرّا اٹھتے کتے،

گوشۂ چہارم......

خواب میں سوئی بیویاں اور نوخیز بالائیں۔

: تصور دوم :

بیویاں جاگتی ہیں اور بالاؤں کی آنکھیں کھلنا شروع ہوتی ہیں......

بالائیں اٹھ کر دیو قامت وجود کی سمت بڑھنے لگتی ہیں......

پس منظر میں بھونکتے کتوں کی ہلکی ہلکی آوازیں......

گایوں، بھینسوں کے گلے میں ڈولتی گھنٹیوں کے ابھرتے شور‘......

یہاں تک کہ بالائیں ایک خاص ادا کے ساتھ دیو قامت وجود تک پہنچ کر بڑے پیار سے اس کے آس پاس بیٹھ جاتی ہیں۔

وجود آنکھیں کھولتا ہے۔ بالاؤں کو ایک نظر دیکھتا ہے۔ اضطراب کی ایک لہر اس کے چہرے کے آس پاس لہراتی ہے اور وہ سختی سے آنکھیں بند کرتا ہوا دھیان میں گم ہو جاتا ہے۔

: تصور سوم :

بیویاں اٹھ کر کھڑی ہوتی ہیں‘...........

فربہ کتوں کی چوکری‘ ان کا بھونکنا اور گایوں، بھینسوں کا مچلنا بند ہو جاتا ہے‘

بیویاں دیو قامت وجود کی جانب اپنے قدم بڑھاتی ہیں اور...........

دراز قامت گائیں، بھینسیں اور کتے سر جھکائے جیسے تھکے تھکے سے ایک سمت خاص کو بڑھنا شروع ہو جاتے ہیں۔

بیویاں وجود تک پہنچتی ہیں اور گائیں، کتے اور بھینسیں اپنے نیم تاریک ڈھیر تک۔

وجود کے گلے میں گھڑگھڑاہٹ شروع ہو چکی ہوتی ہے جو ایک خاص قسم کی چھٹپٹاہٹ میں تبدیل ہونے لگتی ہے۔

نیم تاریک ڈھیر رفتہ رفتہ روشن ہو رہا ہے‘...........

غلاظتوں میں کیچڑے اور کیچڑوں میں غلاظتوں پر بڑے چاؤ سے زبان پھیرتی بھینسیں...........آرام سے غلاظتوں میں لیٹ جاتی ہیں، جن کے ارد گرد خنزیروں کا لوٹنا پوٹنا بھی جاری ہے...... یہاں تک کہ خنزیر اچھلنے، کودنے اور پھدکنے لگتے ہیں۔

☆☆☆

چشم نوخیز

: تصور سوم :

گہری گہری، پھیلی پھیلی، حسین آنکھوں سے سجا تصور،
اور شاہراہ چشم بے تاب سے گذرتا نوجوان شہ سوار،
شہ سوار کی جانب اٹھتی گہری گہری آنکھوں میں سرخ سرخ اشتعال جاگنا شروع
ہوتا ہے۔

-وقفہ-

تیز رفتار شہ سوار کے رکنے، سنبھلنے، گرنے،
اور پھر کراہنے کی آوازیں،
بلند ہوتی ہیں،

-وقفہ-

ایک شہ سوار کے وجود سے نکلتے کئی شہ سوار سائے،
گہری گہری، پھیلی پھیلی، مشتعل حسین آنکھوں کی جانب سر جھکائے،
بڑھتے ہی جارہے ہیں،
جبکہ شہ سوارِ اصل کی آہیں،............ گونج در گونج خاموش ہوتی جارہی ہیں۔

تصوراول :

تصور کے تمام گوشوں میں تیرتی مختلف النوع ......مخمور و مدہوش آنکھیں......

اور شاہراہِ چشمِ مسرور سے گذرتا شہ سوارِ نوجوان............

شہ سوار کی جانب لپکتی......اپنے آغوش میں محصور کرتی ......مدہوش نگاہی......

اور حصارِ نگاہِ مدہوش کو توڑتا ......نبرد آزما......آگے آگے......آگے بڑھتا شہ سوار......

تصور دوم :

تصور کے تمام گوشوں میں تیرتی مختلف النوع نقاب پوش غزال آنکھیں......

شاہراہِ چشم نوخیز سے گذرتا نوجوان شہ سوار......

شہ سوار کی جانب بڑھتی حسین حجاب آگیں آنکھیں......

متعاقب حسرتی آنکھوں سے آنکھیں پھیرتا......تیز رفتار شہ سوار......

-وقفہ-

خواب ناک آنکھوں سے بہتے جھر جھر......جھرنے......

اور چشم نوخیز سے رفتہ رفتہ اوجھل ہوتا شہ سوار۔

☆☆☆
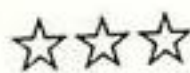
اگر فردوس برروئے زمیں است

تصوراول :

تصوراول صبح کی حسین جھلملاتی کرنوں میں نہایا ہوا'
ہلکے ہلکے کہرے میں چھپی برفیلی پہاڑیاں'
زندہ پہاڑیوں کے ماتھے پر رقصاں جھر جھر.............جھرنے'
رنگ برنگے خوبصورت درختوں پر من موہک پھلوں کے حسین جھرمٹوں کی اٹھکھیلیاں'
پھولوں' پھلوں اور باغوں پر ٹپکتی' چمکتی برفیلی موتیوں سی بوندیں'
معطر' مدہوش' رومانی فضا'
------------'

چڑیوں کی چہچہاہٹ اوران کے پروں کی پھڑ پھڑاہٹ'
''چوں' چوں''
''پھڑ- پھڑ''
یک لخت'
چڑیوں کے پروں کی پھڑ پھڑاہٹ' چوں چوں کرتی کھلی چونچیں اور بہاروں کا حسن سب ایک دم سے ساکت! اوران ساکت نظاروں کے درون سے رفتہ رفتہ جیسے

نمودار ہوتا اور ٹھہر ٹھہر کر ابھرتا، گونجتا ہوا یہ شعر

اگر فردوس بروروئے زمیں است
ہمیں است وہمیں است وہمیں است

: تصور دوم :

طویل تصور کے ایک چھوٹے سے گوشے میں بہت چھوٹا سا جھرنا اور چمنستان کا ایک ذرا بھر نظارہ! بقیہ حصوں میں کھلے میدان کی ہریالی ---تصور کے دوسرے گوشے میں پھلوں سے لدا، ہواؤں میں جھومتا، پھلوں کی مدہوش کن خوشبو بکھیرتا ایک بہت بڑا اتناور درخت، جس کے چاروں طرف سخت دھوپ ہے۔

تصور کے تیسرے گوشے سے ایک جنگلی نمودار ہوتا ہے۔

کافی ہراساں اور پسینے میں شرابور ہے، قوی ہیکل نیم برہنہ جنگلی۔ وہ عجیب سی چال چلتا ہوا درخت کے سائے میں آکر لمبی لمبی سانسیں کھینچنے لگتا ہے۔ لیکن درخت کے سائے میں آنے کے بعد اس کی وحشت کچھ کم ہوتی ہے۔ چہرے کا خوفناک اتار چڑھاؤ بھی رفتہ رفتہ طمانیت میں تبدیل ہونے لگتا ہے۔ جھومتے پھلدار درخت کی خوشبو ہولے ہولے اسے مدہوش کیے دیتی ہے۔ کچھ ہی لمحوں میں اس پر غنودگی سی طاری ہونے لگتی ہے کہ معاً --- ایک بڑا سا پھل پیڑ سے ٹپک کر اس کے سر پہ گرتا ہے۔ وہ ہڑبڑا کر آنکھیں کھولتا ہے اور اس کی تیز تیز نگاہیں سر سے پھسل کر زمین پر بکھرے ہوئے پھل کی جانب جم جاتی ہیں۔

منظر ساکت

-وقفہ-

کچھ لمحوں بعد'

اسکی نگاہیں جوں کی توں پھل پر'

بار بار ہونٹوں پر زبان پھیرتا ہے'

جھک کر پھل کو زمین سے اٹھاتا ہے'

ٹٹولتا ہے'

اور کسی بھوکے بھیڑے کی مانند اس پر ٹوٹ پڑتا ہے'

''چپ' چپ' چپ'............''

منظر ساکت

-وقفہ-

کچھ لمحوں بعد............'

اس کی کھچڑی داڑھی اور ہونٹوں پر پھل کا رس لگا ہے

مگر وہ نگاہیں اٹھائے ہونٹوں پر زبان پھیرتا' بڑی حسرت سے درخت کے دوسرے پھلوں کو دیکھے جا رہا ہے......ایک ٹک' ایک ٹک............

اور منظر ساکت!

-وقفہ-

یکا یک وہ ایک جھٹکے کے ساتھ درخت کی جڑ کی طرف مڑتا ہے۔ درخت کو نیچے سے اوپر تک بہت تیز نگاہوں سے گھورتا ہے۔ پھر جیسے غیر شعوری طور پر اپنے پاؤں پٹکتا ہوا درخت کے گرد چکّر کاٹنے لگتا ہے۔ درخت کی جڑ میں منظّم طریقے سے نوکیلے تار لگائے گئے ہیں جن کا سلسلہ درخت کے ساتھ بہت بلندی تک جاتا ہے...... درخت کے گرد چکر کاٹتا ہوا وہ ایک لمحہ کو رک کر نوکیلے تار پر نگاہ ڈالتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کی نگاہ درخت کی انتہائی بلندیوں تک جا کر اٹک جاتی ہے۔

منظر ساکت!

-وقفہ-

وقت غروب آفتاب'

دھند کی آمد آمد!'

پھیلتے' کانپتے اندھیرے'

اور ڈوبتا تصور!

: تصور سوم :

تصور پر صبح کی سفیدی چھائی ہوئی ہے اور ایک گوشے سے سفیدی کو چیرتی ہوئی سورج کی آری ترچھی کرنیں جھلملا رہی ہیں..........

درخت کی جڑ میں جنگلی بے سدھ لڑھکا ہوا ہے اور سورج کی تیز تیز کرنیں اس کے جسم پر جیسے دستک دے رہی ہیں'

چھن..........'

چھن..........'

چھن..........'

معاً پھر ایک بڑا سا پھل اس کے اوپر گرتا ہے۔ وہ چونک کر اٹھتا ہے۔ پہلے آنکھیں ملتا ہے' پھر اپنی لال سرخ آنکھوں سے گردوپیش کا جائزہ لیتا ہے اور پھر چونک اٹھتا ہے'

"پھل ہی پھل.............."

اس کے چاروں طرف درخت سے جھڑے ہوئے پھل بکھرے پڑے ہیں۔ ایک لمحہ کو خوشی اس کے چہرے پر کوندتی ہے۔

ہونٹوں پر زبان پھیرتا ہوا وہ انہیں ٹٹولتا ہے اور پھر وہی

''چپ' چپ' چپ''

منظر ساکت!

-وقفہ-

اس کی کھچڑی داڑھی اور ہونٹ پھل کے رس سے بھیگے ہوئے ہیں' مگر اس کی ہوسنا کی میں کوئی کمی نہیں آئی۔ وہ اسی درندگی کے ساتھ تن کر کھڑا ہوتا ہے۔ عجیب سی وحشت کے ساتھ درخت کے چکر کاٹتا ہے اور دو تین چکروں کے بعد تقریباً چونک کر اپنی کمر ٹٹولتا ہے۔ پھر جیسے مطمئن ہو لینے کے بعد کمر سے بندھی اپنی کلہاڑی نکال کر 'ہاتھوں میں تولتا ہے۔ ایک نظر اپنی تیز چمکیلی کلہاڑی پر ڈالتا ہے' ایک درخت کی جڑ سے لپٹے نوکیلے تار پر اور ایک جھٹکے کے ساتھ درخت پر وار کرتا ہے---'

''کھچ!-----''

''آ آ آ-----''(انسانی چیخیں)

وہ ایک دم سے گھبرا کر ادھر ادھر نظریں دوڑاتا ہے۔ کلہاڑی اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر گر جاتی ہے۔ خوف اور دہشت سے کانپتا ہوا کبھی وہ درخت کی جڑ کو دیکھتا ہے اور کبھی دور دور تک ویران گرد و پیش کو---'

منظر ساکت!

: تصور چہارم :

تصور پر روشنی کبھی پھیلتی ہے، کبھی ایک دم سے سکڑ جاتی ہے۔ موسیقی لرزہ بر اندام.........نیم تاریکی اور نیم اجالے کے درمیان تصور پر جنگلیوں کا ایک ہنگامہ خیز ہجوم۔ بھالا' برچھی' تلوار اور کلہاڑیوں کے ساتھ درخت پر حملہ آور...... بیک وقت

سیکڑوں وار اور ہزاروں چیخیں......'

"کھچ، کھچ، کھچ، کھچ، کھچ، کھچ"

"آ، آ، آ، آ، آ، آ"

کسی نے پھل پر بان چلایا اور کسی معصوم بچے کی چیخ فضا میں گونج گونج گئی--
درخت کی شاخوں کو ایک دوسرح سے ملا کر اس طرح رسیوں سے جکڑ دیا گیا ہے
جیسے بہت سے انسانوں کے ہاتھ پاؤں اور بال ایک دوسرے سے ملا کر باندھ دیئے
گئے ہوں۔ درخت کی تڑتڑاہٹ اور چڑچڑاہٹ جس میں بوڑھوں' نوجوانوں' عورتوں'
دوشیزاؤں اور کم سن بچوں تک کی مختلف ہم آہنگ چیخیں شامل ہیں اور ان کے ساتھ
ساتھ درخت کی ایک خاص گھٹی گھٹی فریاد'

"آ----آ----آ"

"کھچ، کھچ، کھچ، کھچ"

پتوں کی تڑتڑاہٹ'

آندھیوں کا شور'

اتھل، پتھل'

درخت کے کٹے ہوئے ڈھیر کے ڈھیر لوتھڑے

اور کٹ کٹ کے گرتی' چڑمڑاتی درخت کی جڑیں'

چڑ----'

چڑ----'

چڑ----'

پھیلتے' کانپتے' تھرتھراتے اندھیرے

رفتہ رفتہ ساکت ہوتے مناظر'

اور ساکت منظروں کے بطون سے'

رفتہ رفتہ نمودار ہوتے،

گھٹ گھٹ کر ابھرتے،

اور ٹھہر ٹھہر کر گونجتے یہ الفاظ----

"اگر فردوس برروئے زمیں است
ہمیں است وہمیں است وہمیں است"

☆☆☆

کھنڈر کھنڈر روشنی

تصور اول :

قلعہ نما ایک کھنڈر نیم تاریکیوں میں ڈوبا نظر آتا ہے۔

کھنڈر کو بغور دیکھنے پر محسوس ہوتا ہے جیسے اس کے بڑے بڑے چٹان جو ادھر ادھر بکھرے ہوئے ہیں انسانی لاشوں کا ڈھیر ہوں۔ دیواریں دیو قامت صورتوں میں تبدیل نظر آتی ہیں۔ کہیں عجیب انداز میں کٹی پھٹی ہوئی۔ کہیں جھر جھر کر گرتی ہوئی۔ کسی کی آنکھ جیسی تو کسی کے ہونٹ جیسے' کسی کی کمر' کسی کے ہاتھ' تو کسی کی پستان، عورتیں' مرد' بچے' بوڑھے' سب ایک دوسرے میں عجیب طرح سے گڈمڈ، قلعہ نما کھنڈر میں متشکل اور نیم تاریکی کی بوالعجب لہریں۔!

دھیرے دھیرے ان پر رنگا رنگ روشنی کی بوچھار شروع ہوتی ہے۔ سرخ سبز زرد نیلی روشنی کی بوچھار۔ ایسا لگتا ہے جیسے کسی کے پاؤں سے روشنی کے چشمے پھوٹے اور کسی کے چہرے کو نہا گئے۔ کسی کے ہاتھ سے روشنی پھوٹی اور کسی کی کمر کو ننگا گئی۔ کسی کی زلفوں کی روشن چھاؤں میں کسی کے سر کا تاج اور قدموں کا تخت جگمگا اٹھا۔ کسی کے پھٹے پھٹے زخم آلود پاؤں پر بھدّی بھدّی مکھیاں بھنبھنا رہی ہیں۔ کسی پر تلوار' کسی پر گھوڑے اور کسی پر پاگل ہاتھی کا گمان بھی گذرتا ہے۔

رنگ برنگی جھلمل روشنی میں کچھ لوگ کھنڈر کے ارد گرد تفریح کرتے نظر آرہے

ہیں۔کوئی کسی کے بازوؤں میں جا بیٹھتا ہے۔کوئی کسی کی کمر پر لیٹ جاتا ہے۔کوئی اپنی انگلیوں سے بادام پھوڑ کر کھاتا اور بادام کے چھلکے کسی کے منہ پر مارتا جاتا ہے۔

موسیقی کبھی چیختی، کبھی سسکتی، کبھی سہم سہم جاتی، کبھی احتجاج کرتی ہے اور کبھی وحشتناک ہوتی چلی جاتی ہے۔

دفعتاً ایک دیوانہ داخل تصور ہوتا ہے۔

کچھ دیر تک عجیب سی نگاہوں سے ماحول کو چوطرفہ ٹٹولتا ہے۔پھر کھنڈر کے قریب ایک جگہ جھک کر پتھروں کے کچھ ٹکڑوں کو اپنے دامن میں سمیٹتا ہوا سرخ کرنوں کو نشانہ بناتا ہے کہ دفعتاً پرسکوت و پراسرار کھنڈر ایک جھناکے سے لرزہ براندام ہو اٹھتا ہے--

اور سرخ روشنی گل ہو جاتی ہے--

بادام پھوڑنے والا شخص ہڑبڑا کر سوال اچھالتا ہے'

''کون ہے؟ کون؟''

دیوانہ سوال کو نظر انداز کرتا ہوا سبز روشنی کو نشانہ بناتا ہے اور جھناکے کی دوسری گونج کے ساتھ ہی دوسری روشنی بھی گل ہو جاتی ہے۔ہڑبڑاہٹ میں پھر ایک سوال اسی طرح گونجتا ہے'

''کیا ہو رہا ہے؟ یہ کیا ہو رہا ہے؟''

وہ اسی طرح سوال کو نظر انداز کرتا ہوا تیسری روشنی کو کچھ اس سرمستی کے ساتھ نشانہ بناتا ہے کہ جھناکے دار گونج میں دیوانے کا قہقہہ بھی بلند ہوتا چلا جاتا ہے......

پورا کھنڈر دہشت سے بھر جاتا ہے۔لوگ اِدھر اُدھر بھاگنے لگتے ہیں۔دیوانے کی دیوانگی اور سنگباری میں شدت آتی چلی جاتی ہے اور اس کے قہقہے میں ایسا لگتا ہے دیو قامت کھنڈر کے دیو قامت قہقہے بھی شامل ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ پورا تصور دیو قامت کھنڈر کے دیو قامت قہقہوں سے دہلنے لگتا ہے۔

وقفۂ عظیم

: تصور دوم :

نیم تاریکیوں اور کوندتے ہوئے سناٹوں کے درمیان،

وہی رنگا رنگ، ہمہ شکل اور دیو قامت کھنڈر!

وقفہ......

دفعتاً نیم تاریکیوں اور کوندتے ہوئے سناٹوں کے درمیان سے دیوانے کا لہراتا ہوا

سایہ نمودار ہوتا ہے مگر یہ کہتا ہوا کہ'

''آدم کے بچے---اتنا بھی نہیں سمجھتے......''

دوبارہ گہری تاریکیوں میں............

زینہ بہ زینہ............

اترتا چلا جاتا ہے۔

☆☆☆

پارس

: تصور اول :

ہلکی سبز روشنی...... تصور کے بیچوں بیچ ایک کنواں، جس کے گرد پست قد دو بوڑھے ہمراہ دو پست قد نوجوانان کے، جدید ترین اسلحوں سے لیس، چند لمحوں تک کنویں میں جھانکتے رہنے کے بعد سیدھے کھڑے ہو کر متفقہ نگاہوں سے ایک دوسرے کو دیکھتے کہ بوڑھوں میں سے ایک اپنی جیب سے ایک پارس نما نکال کر ہوا میں اچھالتا...... خلا میں جو کہ ناچتا ہوا کنویں میں گرتا اور چند لمحوں بعد کنویں سے سر ابھارتا رفتہ رفتہ اوپر اٹھتا مگر چسپاں ایک لحیم شحیم نوجوان کے سر سے جس کے کاندھے پر بندوق اور جس کی پشت پر لدے ہوئے اسی جیسے یکے بعد دیگرے کل سولہ بوڑھے مع نوجوانان کنویں سے اوپر اٹھتے، باہر نکلتے، پست قد بوڑھوں و نوجوانان کے قریب خون میں لت پت لاشوں کی مانند جمع ہوتے ہر چند کہ پارس نما لاشوں سے الگ ہو کر اپنی دیرینہ جائے گاہ یعنی پست قد بوڑھے کی جیب کی جانب سرکتا...... جیب تک پہنچتا...... مگر اس سے قبل کہ وہ داخلِ جیب ہو کنویں کے گرد کھڑے چاروں بوڑھے مع نوجوانان کے از سرتاپا ایسے خنزیروں میں تبدیل

ہو جاتے ہیں جن کے جسموں پر کندہ منقش تحریریں بظاہر مقدس معلوم ہوتی ہیں اور جن کے قریب لاشوں کی جگہ چمکتے دمکتے ہیرے جواہرات کے ڈھیر ناظرین کی آنکھوں کو خیرہ کرتے ہیں حتیٰ کہ...... سب کے سب تصور میں کوندتی گہری تاریکیوں کے اجزا میں تحلیل ہو جاتے ہیں۔

☆☆☆

اوقات نمبرایک

ایک بہت بڑا تصور فرض کیا جائے۔پھر اس پر حسب ذیل مناظر فرض کئے جائیں۔

ایک گوشے پر دبیز پردہ اس انداز سے لٹکا ہوا ہے کہ پورے تصور کو دو برابر حصوں میں تقسیم کرر ہا ہے۔تاریک پردے کے ایک جانب مدھم مدھم اجالے میں قطار در قطار ناظرین کی محفل جمی ہے۔تاریک پردے کی دوسری طرف پردے سے چپکی ہوئی ایک چمکیلی لکیر نظر آتی ہے جو سطح سے شروع ہو کر لامختتم بلندی میں گم ہو جاتی ہے۔چمکیلی لکیر کے بعد ہلکا گیپ نظر آتا ہے جس کے بعد گہری لال تاریکیوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ناظرین پردہ اٹھنے کے انتظار میں ہیں۔ایک شخص پان کی گلوری چباتے ہوئے انتظار کا لطف اٹھا رہا ہے۔پھر وہ اپنی کرسی کی بغل میں پان کی پیک کو انڈیلنے کی کوشش کرتا ہے۔جبکہ اس کی بغل والا شخص جو انتہائی سنجیدہ نظر آتا ہے، آنکھوں پر چشمہ چڑھائے بڑی ناگواری سے اس حرکت کو دیکھنے لگتا ہے۔چار پانچ نوجوان گروپ بنا کر ایک ساتھ بیٹھے سگریٹ اور گپ شپ کا لطف اٹھا رہے ہیں۔کوئی کھانس رہا ہے ۔کوئی کھنکار رہا ہے۔دو عجیب و حسین جوڑے دوسروں کی حرکتوں سے بے نیاز ایک دوسرے کے اندر حلول ہونے کی کوشش میں کچھ کھٹی کچھ میٹھی باتوں میں محو ہیں اور بات بات پر مسکراہٹوں کے گھونٹ پیتے جا رہے ہیں۔تین چار سنجیدگی اور قابلیت کے مجسمے

بھی ٹائی کوٹ میں تشرف فرما ہیں۔

دفعتاً سائرن کی آواز فضا میں گونجتی ہے۔ناظرین جانب تصور دیکھنے لگتے ہیں۔ رفتہ رفتہ سائرن کی بدلتی ہوئی آواز کے ساتھ ہی تاریکیوں کا پردہ سرکنے لگتا ہے' اور دھیرے دھیرے پردے کے پیچھے سرخ تاریکی ناظرین کے سامنے جلوہ افروز ہونے لگتی ہے۔ یہاں تک کہ تاریک پردہ بلندی میں پہنچ کر غائب ہوجاتا ہے اور تصور پر مکمل گہری لال تاریکی موجیں مارنے لگتی ہے۔

دوسری طرف ناظرین ہلکی سبز روشنی میں اپنی محفل کے ساتھ چمکتے نظر آتے ہیں۔ خاصا وقت گزر جانے کے بعد بھی جب موجیں مارتی گہری لال تاریکی سے کوئی دوسرا منظر نہیں پھوٹتا اور ناظرین کے صبر کا پیمانہ لبریز ہونے لگتا ہے تو ناظرین میں سے ایک شخص بوکھلا کر تصور کی جانب ہاتھ چمکاتا ہوا گویا ہوتا ہے۔

''کیا ہوا بھیا۔ارے کیا ہوا۔کیا ناٹک ہے یہ''

شرکا کی جانب دیکھتا ہے جیسے انہیں بھی دعوت سخن دے رہا ہو۔

''کہئے تو یہ کوئی بات ہے۔کیا ہم بے وقوف ہیں۔یا ہم یہاں دھیان گیان کے لئے آئے ہیں؟''

کچھ مٹیالے رنگ کے چمکیلے بھی اٹھ کر اس کے ساتھ ہولیتے ہیں'

''ہاں ہاں۔بالکل ٹھیک کہتے ہو میاں۔ہم کیا بے وقوف ہیں؟''

''ارے یہ تصور والا مر گیا کیا؟------''

سگریٹ پینے والوں میں سے ایک جو اپنے آگے کی خالی کرسی پر ٹانگ چڑھائے آنکھیں بند کئے اپنی ناک کھجلا رہا ہے' ہڑبڑا کر آنکھیں کھولتا ہے اور محفل کو نیم نگاہی سے ٹٹولتا ہوا بار بار اپنی ناک کو رگڑنے لگتا ہے۔پھر ایک بار زور سے اپنی سانس کھینچتا ہے اور دوسرے ہی لمحہ ''لاحول ولا قوۃ'' کی آواز محفل میں گونج جاتی ہے۔لوگ چونک

کراس کی جانب دیکھتے ہیں۔

''میری طرف کیا دیکھ رہے ہو؟ ادھر دیکھو۔۔مٹیالے اندھیرے کی طرف۔''

سبھی تصور کے اس حصے کی جانب مڑ جاتے ہیں جہاں سے سرسراتی ہواؤں کے جھونکے آرہے ہیں۔ پھر ہوا کے جھونکوں میں پانی کی بوندیں بھی شامل ہوجاتی ہیں۔ بوندیں ناظرین کے چہروں پر چمکنے لگتی ہیں۔جھونکے تیز تر ہوتے چلے جاتے ہیں۔اچانک ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے مٹیالے اندھیروں کے اندرون سے دنیا بھر کی سڑانڈ ناظرین پر برسائی جارہی ہو۔

''لاحول'' کی ہم آہنگ تکرار کے ساتھ ہی ایک ہنگامہ بپا ہوجاتا ہے اور طرح طرح کے مغلظات کے علاوہ جوتے چپلوں کا آپسی تصادم بھی شروع ہوجاتا ہے۔ لوہالکڑ، ٹوٹن پھوٹن' شیشے' بوتل جس کے ہاتھ جو لگتا ہے دوسروں پر اچھال دیتا ہے۔ یہاں تک کہ تاریک پردہ کو مٹیالے تصور پر محیط ہونا پڑتا ہے۔ مگر ناظرین اتنے برہم ہوچکے ہیں کہ گرتے ہوئے پردۂ تاریک کو بھی نہیں بخشتے۔

بدبوؤں کی سرانڈ اور ناظرین کی متصادم صدائیں جاری رہتی ہیں۔

☆☆☆

اوقات نمبر دو

تصور اول :

ایک بہت بڑا تصور فرض کیا جائے پھر اس پر حسب ذیل مناظر فرض کیے جائیں۔
تصور میں نیم تاریکی بکھری ہوئی، سائرن کی عجیب عجیب آوازیں،
ہر طرف اسٹریچر اور بیڈ لگے ہیں، کسی کے ہاتھ کٹے ہیں۔ کسی کی جانگھ، کسی کا سر بینڈیز میں ڈھکا ہے اور داغ داغ بینڈیز کسی کی اونچی پگڑی سے بھی زیادہ اونچی نظر آتی ہے۔ عورتیں، بچے، مرد سبھی آہ و کراہ میں مبتلا ہیں۔ کیمپ کا ہر فرد تشویشناک حد تک زخمی ہے۔ چند زندگی کی آخری سانسیں گن رہے ہیں۔
تصور کے ایک تاریک گوشے سے ڈاکٹروں کی ایک ٹیم دھیرے دھیرے نمودار ہوتی ہے۔ بیچ کیمپ میں پہنچ کر سینئر ڈاکٹر پہلے ایک سرسری نگاہ چاروں طرف ڈالتا ہے۔ پھر گلا صاف کر کے مریضوں سے مخاطب ہوتا ہے۔
''دوستو! آپ لوگ جس طرح حادثے کا شکار ہوئے، حادثے نے جس طرح آپ لوگوں کو لوٹا...... ہمیں اس کے لئے بے حد افسوس ہے۔ یہ ہم سب جانتے ہیں کہ جو کچھ ہوتا ہے اللہ کی مرضی سے ہوتا ہے اور یہ بھی کہ اللہ آدمی کو طرح طرح سے آزماتا ہے۔ اسی لئے ہماری بھرپور کوشش ہے کہ ہم آپ کی خدمت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھیں اور آپ کو ان آزمائشوں سے کامیابی و کامرانی کے ساتھ گزرنے میں آپ کا بھرپور تعاون کریں۔ اگر آپ کی بہتر زندگی کے لئے ہمیں اپنی روٹین بھی قربان کرنی پڑے

تو ہم آپ سے وعدہ کرتے ہیں کہ اس میں بھی پیچھے نہیں ہٹیں گے۔......آپ کی صحت تندرستی کے لئے ہمارے ڈاکٹر تو کامیاب کوششیں کر ہی رہے ہیں، فی الحال ہم آپ کی دلچسپی کے لئے ایک پروگرام لے کر حاضر ہوئے ہیں۔امید ہے کہ یہ پروگرام آپ کی دل بستگی کا بہترین ذریعہ ثابت ہوگا۔''

مریضوں کی مسلسل آہ وکراہ میں کچھ کمی آتی ہے اور وہ بڑی پر امید نگاہوں سے ڈاکٹروں کی طرف دیکھنے لگتے ہیں۔ڈاکٹر بھی کیمپ کے ایک گوشے میں کرسیوں پر بیٹھ جاتے ہیں۔

: تصور دوئم :

ایسا لگتا ہے کہ ایک ہال میں سارے مریض ایک جانب صف بستہ اور چند ادھر ادھر لیٹے ہوئے ہیں۔ڈاکٹروں کی ٹیم دوسری جانب بیٹھی ہے۔

تصور نیم تاریکیوں میں ڈوبا ہوا ہے۔پروگرام دینے والے فنکاروں کی جھلکیاں نیم تاریکی میں ڈوبتی ابھرتی نظر آتی ہیں۔

دفعتاً سائرن کی ایک گونج کے ساتھ ہی تاریک تصور کی بالائی سطح سے سبز رنگوں والی چمکیلی کرنیں پھوٹنا شروع ہوتی ہیں......

دھیرے دھیرے پورا تصور سبز روشنی سے منور ہوتا چلا جاتا ہے، یہاں تک کہ موسیقی کے ہلکے ہلکے سرور بخش، سحر آفریں آہنگ کے ساتھ ساتھ ہوا کا ایک جھونکا فضا میں لہراتا ہے اور ایک مریض اپنی ناک پر انگلی رکھ کر زور زور سے سونگھنے کی کوشش کرنے لگتا ہے۔

ایک مریض ''آہ، واہ......واہ''

دوسرا جواس کے قریب ہے، اسے غور سے دیکھتا ہے'

دوسرا مریض ''یہ کیا خواہ مخواہ آہ واہ لگا رکھی ہے۔''

پہلا مریض دوسرے کو اس طرح دیکھتا ہے جیسے وہ پرلے درجے کا بے وقوف ہو۔

پہلا مریض ''سونگھو! تم بھی سونگھو!''

پھر دوسروں کی طرف بھی اشارہ کرتا ہوا'

''سب سونگھو، سونگھو بھائی۔ واہ، آہ...... کیا خوشبو ہے، کتنے زمانے کے بعد، آہ''

ایسا لگتا ہے کہ خوشبوؤں کی کستوری اس کے سر میں سمائی ہو اور وہ خوشبوؤں سے مدہوش ہوا جاتا ہو۔ سبھی چونک کر پہلے اس کی طرف دیکھتے ہیں، پھر سونگھنے والے کے اصرار پر خوشبو کو اپنے اپنے طور پر محسوس کرنے کی ایسی کوشش کرتے ہیں جیسے سبز رنگے سے واقعی خوشبوؤں کے جھونکے آرہے ہوں۔

-وقفہ-

ان کے چہروں پر جیسے گلال چھا گیا ہو' روحیں معطر ہو گئی ہوں اور رفتہ رفتہ وہ سب کچھ بھول کر خوشبوؤں کی مدہوش ندی میں جیسے تیرنے لگے ہوں۔'

سبز رنگے سے برستی خوشبوؤں کی بارش'

مسرور قہقہے'

مریضوں کے باغ باغ چہرے'

اور خواب شیریں میں ڈوبی ہوئی موسیقی!!

☆☆☆

آپریشن کوڈ نمبر ایک

: تصوراول :

تصور کے دو چھوٹے چھوٹے گوشے

دُھند دُھند اجالا

دھواں دھواں موسیقی

دفعتاً ایک گوشے میں شور جیسا برسنے لگتا ہے جیسے......سمندر کا طوفانی سیلاب

دھرتی کو روندتا..............

دھمک آمیز ٹاپوں کے ساتھ ہنہناتا..........

سرسراتی بجلیوں کی مانند کوندتا..........

تپتے سورج کی طرح سنسناتا............

ٹرین کی دہلا دینے والی اسپیڈ پر گونجتا..........

خوفناک سیلابی دریاؤں کی مثل ہَر ہَراتا...............

گذرتا چلا جا رہا ہو،

-وقفہ-

اب دوسرے گوشے میں دھرتی کے پھٹنے اور دراڑ کے گہرے ہوتے چلے جانے کی بوالعجب ہولناک چڑ چڑاہٹ گونجنے لگتی ہے۔

وقفہ،

پہلے گوشے کا ہر ہراتا سیلابی دریاؤں کا وجود رفتہ رفتہ دوسرے گوشے کی گہراتی تہہ بہ

تہہ گونج کی لامختتم وادیوں میں'......

ڈھہتا.................'

ڈھہتا.................'

ڈھہتا.................'

حتیٰ کہ بوند بوند......ٹپکتا......

محسوس ہوتا چلا جاتا ہے۔

☆☆☆

آپریشن کوڈ نمبر دو

: تصور اول :

گلوب نما گول تصور کے کنارے جھولتے ہوئے رنگ برنگے روشن قمقمے اور جھولتے ہوئے گلدانوں میں رنگ برنگے تازہ پھول سجے ہوئے ہیں۔ ہر ایک گلدان میں پھولوں سے لپٹا ہوا ایک سانپ پھن کاڑھے نظر آتا ہے جو دوسرے گلدانوں کے سانپوں سے بہ اعتبار رنگ و نسل قطعی مختلف معلوم ہوتا ہے۔

نیچے فرش پر ایک لمبی چوڑی خوبصورت قالین بچھی ہوئی ہے اور ایک خاص ترتیب کے ساتھ چھ کرسیاں رکھی ہوئی ہیں۔

کچھ وقفے کے بعد...... تصور کے چاروں گوشے سے چار جوڑے داخل ہوتے ہیں۔ ہر جوڑا اپنی جوڑی کے ساتھ اشارے کنائے میں کلام کرتا ہوا کرسیوں پر آکر دراز ہو جاتا ہے۔ سوائے ایک مرد اور ایک عورت کے جو حلیے سے مزدور معلوم ہوتے ہیں۔ مزدور مرد اپنی کسان مالکن کے سامنے اور مزدور عورت اپنے کسان مالک کے سامنے فرش پر دوزانوں ہو کر بیٹھ جاتے ہیں۔ باقی دو جوڑے کا حال یہ ہے کہ صاحبہ کی سامنے والی کرسی پر ان کا مرد سکریٹری ہاتھوں میں کاغذ قلم دبائے اور اسی طرح لیڈی سکریٹری اپنے صاحب کے سامنے والی کرسی پر دلکش اداؤں کے ساتھ تشریف فرما

ہو جاتی ہیں۔

صاحبہ کرسی پر دراز ہوتی ہیں اور اشارے سے اپنے سکریٹری کو قریب کر کے اس کے کانوں میں کچھ پھونکتی ہیں۔ سکریٹری چونک کر صاحبہ کو دیکھنے لگتا ہے۔ صاحبہ کی سرگوشی جوں جوں طویل ہوتی ہے سکریٹری حیرت و استعجاب کے تہہ در تہہ بھنور میں ڈوب جاتا ہے یہاں تک کہ اس کی متحیر نگاہیں صاحبہ کے تمتماتے چہرے پر مرکوز ہو کر رہ جاتی ہیں۔ دوسری جانب مزدور اپنی مالکن کے کانوں میں مسلسل کچھ پھونک رہا ہے اور مالکن جو پہلے تو ایک تیز نگاہ مزدور پر ڈالتی ہے مگر دھیرے دھیرے گلنار ہوتی ہوئی ایسی بے خود ہو جاتی ہے کہ مزدور کو بہ انداز نگاہ چومنے لگتی ہے۔ مزدور اس خلاف توقع عنایت پر ایسا حیرت زدہ ہوتا ہے کہ حیرت اور اندیشوں کے تہہ در تہہ بھنور میں ڈوبتا ہی چلا جاتا ہے۔

لیڈی سکریٹری جو اپنے صاحب سے علامتی گفتگو کرتی ہوئی دزدیدہ نگاہوں سے صاحبہ اور ان کے سکریٹری کی کیفیات کو نوٹ کرتی جا رہی تھی دفعتاً اپنے صاحب کے کانوں کے قریب اپنے ہونٹ پہنچاتی ہے اور میڈم ہی والے انداز میں سرگوشی شروع کر دیتی ہے۔ صاحب پہلے تو حیرت سے لطف اندوز ہوتے رہتے ہیں پھر یک لخت ان کے قہقہے بھی پھوٹ پڑتے ہیں۔

صاحبہ اور ان کا سکریٹری اپنی کیفیات میں بے خود ہیں کسان جو اپنی مزدورنی اور مالکن جو اپنے مزدور کے ساتھ علامتی گفتگو میں محو ہیں، صاحب کے اس بلند بانگ قہقہے پر اچانک چونک پڑتے ہیں۔ تھوڑی دیر تک بغور ان کا معائنہ کرتے ہیں۔ پھر کسان اپنی مزدورنی کو جو اس کے قدموں میں فرش راہ بنی ہے اشارے سے قریب کرتا ہے اور اس کے کانوں میں بھی سرگوشی شروع کر دیتا ہے۔ مزدورنی متذلذل کیفیات میں پلکیں جھپکا جھپکا کر اپنے مالک کو دیکھتی ہے یہاں تک کہ خوف کے سائے اس کے

چہرے پر لہراتے ہیں اور متذبذب کیفیات سے گذرتے ہوئے بالآخر اپنے مالک کو
ایک ٹک دیکھتی رہ جاتی ہے'
سبھی اپنے اپنے حیرت کدوں میں غلطاں وپیچاں۔
رنگ برنگے پھولوں کے جھولتے قطار بند گلدان'
رنگ برنگے گلدانوں پر پھن کاڑھے'
سرمستی میں جھومتے
رنگ برنگے سانپ
اور دھیرے دھیرے معدوم ہوتے
جھولتے قمقموں کے ساتھ
رنگ برنگے روشن گلدان!

☆☆☆
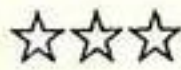
آپریشن کوڈ نمبر تین

: تصور اول :

گہری تاریکی اور سناٹے میں تصور کے ڈوبے ہونے کا احساس،
کچھ دیر تک گہری تاریکی رقصاں محسوس ہوتی ہے،
رفتہ رفتہ طوفان کی تیز ہوتی گونج،
بانسوں کے کڑکڑانے اور چٹانوں کے لڑھکنے کی تیز آوازیں،
رقصاں تاریکیوں سے سلگتی چنگاریاں......
جلتی بجھتی چنگاریوں کی آڑی ترچھی لکیریں......

بانسوں کی بتدریج تیز ہوتی کڑکڑاہٹوں سے پھوٹتی چنگاریاں بجائے بجھنے کے لپکتے ہوئے شعلوں میں تبدیل ہوتی چلی جاتی ہیں۔

خس وخاشاک کے جلنے بھنے کو بو!

درجنوں بانسوں اور درختوں میں لگتی ہوئی آگ اور پھیلتے ہوئے خوفناک شعلوں سے پورے تصور میں آگ کی ایک چادر سی تنتی چلی جاتی ہے۔

کچھ وقفے بعد-----

آگ کی چادر پر طوفان کا زور مقدم ہوتا چلا جاتا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ سارے طوفانوں نے ڈریل مشینوں کی شکل اختیار کر لی ہو۔ اور گڑگڑاتے ہوئے طوفانی ڈریل آگ کی چادر کے کونے کونے کو چھیدتے ہوئے قطعی طور پر ٹکڑے ٹکڑے کرتے جا رہے ہیں۔

سینکڑوں ننھی ننھی بوندوں کے بعد دھواں دھواں ہوتی ردائے آتش!
ننھے ننھے دھبوں سے بھرتا ہوا تصور............
اور طوفانوں کی تہہ بہ تہہ
گونج.................!

☆☆☆

سبز نقطہ

: تصور اول :

سمندر نما نیم تاریک تصور،
سطح سے بہت اوپر ستاروں کے طواف کا جھلمل حسین منظر،
چھوٹے چھوٹے ستارے جیسے گول بنا کر ایک بڑے سورج کے گرد گردش کر رہے ہیں،
نیچے سمندر کی سطح پر تاریکیوں کی لہریں کوندر ہی ہیں،
دفعتاً رقصاں ستاروں میں سے ایک اپنے قریبی ستارے سے جا ٹکراتا ہے اور سائرن کی سی تیز آواز کے ساتھ ہی دھماکوں کا ایک سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔
چنگھاڑتی موسیقی اور چکا چوندھ روشنی کے ساتھ تصور کے بیچوں بیچ ستارے سے ٹوٹ کر آگ کا ایک بڑا سا گولا سمندر میں گرتا ہے،
''چھپ--جھناک--جھناک--جھناک--جھناک--''
جھن---جھن---جھن--،
سمندر میں لگتی آگ،
گرجتی موسیقی، تھرتھراتا تصور!

: تصور دوم :

سمندر میں لگی آگ سے اوپر اٹھتے اور مسلسل بلند ہوتے شعلے،
آگ اپنے بلند ہوتے شعلوں کے ساتھ آسمان میں اڑا چاہتی ہے، لیکن جوں جوں اوپر کی طرف اٹھتی ہے جیسے پتلی ہوتی چلی جاتی ہے، پھیلتی چلی جاتی ہے،
دھند دھند پھیلتی کالک----،

آگ کے شعلوں سے اٹھتا بے شمار زہریلا دھواں'
اور دھوئیں میں گم ہوتا تصور!

: تصورسوم :

دھواں دھواں تصور!
تصور کے آسمان پر دھواں دھیرے دھیرے بادل کی طرح چھاتا جارہا ہے--'
کالا گھنگھور بادل
وقفہ---'
سرد ہوتا بادل
وقفہ---'
ٹپکتا بادل
وقفہ---'
برستا بادل
وقفہ---'
ابر کرم' ابر رحمت'
کچھ کھولتے سمندر کی کوندتی گہرائی اور کچھ ٹھنڈے برستے بادل کی بوچھار،
آگ بجھنے لگتی ہے'
سَن سَن سَن'
برستا بادل' جھر جھر جھر---'
سمندر کا جذب'
آگ کے گولے کا انجذاب!

بجھتی آگ سَن سَن ----!

برستا بادل جھر جھر ----!

: تصور چہارم :

مدھم مدھم سبز روشنی، دعائیں الاپتی موسیقی'

منظر کہیں پہاڑ نما، کہیں میدان نما، کہیں ہریالی وشادابی، کہیں ویرانے، کہیں خوشنما چمن، کہیں ریگ وصحرا، رنگارنگ دھرتی، سبز نم مٹی سے پیدا شدہ کائنات!

رینگتے جاندار!

رنگارنگ موسیقی!

: تصور پنجم :

تھرتھراتا اجالا، کوندتی چڑچڑاتی موسیقی،

ٹوٹتے پھوٹتے کٹتے پھٹتے اجڑتے درخت'

اتھل پتھل صحرا، تہہ وبالا مناظر، زلزلے کا سا سماں ---خوفناک آوازیں'

بھاگتے دوڑتے گرتے پڑتے، دم توڑتے جاندار----'

تیز طوفان!

ہیبت ناک موسیقی!

: تصور ششم :

تصور چار حصوں میں منقسم ہے۔ چاروں پر چار رنگ کے پردے پڑے ہوئے ہیں۔ دفعتاً سائرن کی ایک آواز کے ساتھ ہی ہرے رنگ کا پردہ دھیرے دھیرے سرکتا ہے، ہریالی ہی ہریالی نظر آتی ہے۔ کچھ سبز کونپلیں۔ کچھ رنگ برنگے پودے--- کچھ

پھل دار باغات، کچھ پھولوں کے جھومتے ہوئے حسین باغ،

باغوں کے کنارے سے بہتی ہوئی ایک شفاف---رنگین نہر،

اوران سب کے اوپر سے بہتے ہوئے بادل کے پیارے پیارے ٹکرے۔

ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں--

اچانک ایک ہشاش بشاش شخص اندرداخل ہوتا ہے۔اس کے ہاتھوں میں کچھ ننھے منے پودے اور چہرے پر سرشاری کی کیفیت نظر آتی ہے۔پھر وہ ان پودوں کو ایسے ٹٹو لنے لگتا ہے جیسے معصوم بچوں کو پچکار رہا ہو، تھپتھپا رہا ہو،انہیں پیار کر رہا ہو،

وہ باغوں کی سیر کرتا ہوا ایک جگہ ٹھہرتا ہے۔ ذرا سا جھکتا ہے اور پھر گیلی زمین کو اپنی انگلیوں سے کھود کھود کر پودوں کو زمین میں بڑے اطمینان سے روپنے لگتا ہے---

ہرے بھرے کھیتوں کے بیچ بیٹھ کر ننھے پودے لگاتا شخص اٹھ کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ جیسے اس کا کام مکمل ہو چکا ہو۔ وہ ایک مسرور کن نگاہ کھیتوں پر ڈالتا ہوا واپس جانے کے لئے تیار ہوتا ہے کہ دفعتاً اسے کچھ یاد آجاتا ہے۔ وہ پھر رکتا ہے اور جھک کر اپنے لگائے ہوئے پودوں کے بوسے لیتا ہوا بڑے پیار سے ان کے سروں پر جیسے دست شفقت پھیرنے لگتا ہے۔ٹھنڈی ہواؤں کے ساتھ بہتے ہوئے بادلوں کا ایک ٹکڑا اس کے سر پہ آکر ٹھہر جاتا ہے---کسی جھرنے کی مانند رم جھم برسات شروع ہو جاتی ہے۔

ٹپکتی چمکتی موتیوں سی برفیلی بوندیں اس شخص کے سر، چہرہ اور جسم پر پھسلنے لگتی ہیں۔ وہ بھیگی بھیگی سرشاری اور نئی نویلی کیفیات سے لطف اندوز ہوتا ہوا مسکرا کر بادلوں کی طرف دیکھتا ہے،

وقفہ،

بادلوں کو دیکھتے دیکھتے......ایسا لگتا ہے کہ بادل رفتہ رفتہ اس کے قریب پہنچ رہے

ہیں اور وہ رفتہ رفتہ بادلوں کے خوبصورت ٹکڑوں کے درمیان پہنچ گیا ہے۔تہہ بہ تہہ بادلوں کو بس ایک ٹک دیکھے جا رہا ہے، دیکھے جا رہا ہے،.............دفعتاً اسے محسوس ہوتا ہے اور اسکی نگاہیں دیکھتی ہیں کہ سبز پنکھوں والے سبز صورت سبز قامت دو فرشتے اڑتے ہوئے آپس میں محو گفتگو ہیں۔ پہلے تو وہ چونکتا ہے، کچھ ڈر سا جاتا ہے، پھر سنبھلتا ہے اور اپنے انتہائی تجسس کے ساتھ سبز پنکھوں والے فرشتہ صورتوں کو جی بھر کے دیکھنے ،سننے اور سمجھنے کی کوشش کرنے لگتا ہے،

سبز قامت فرشتے آپس میں گفتگو فرماتے ہوئے،

ایک فرشتہ دوسرے سے ''میرے دوست ذیشان، ہماری دوستی کو کڑوروں سال ہو گئے مگر آج تک مجھے یہ معلوم نہ ہو سکا کہ ہمارا شمار اس آخری آسمان (انگلیوں سے اوپر کی طرف اشارہ کرتا ہے) کی کس سطح پر اور کس درجہ میں ہوتا ہے۔کیا تم بھی اس بار ے میں کچھ نہیں جانتے؟''

دوسرا فرشتہ پہلے سے ''سرتاب میرے دوست ،میرے عزیز، میں بھی صرف اندازہ سے یہ کہہ سکتا ہوں کہ اگر تم اس آخری آسمان (وہ بھی انگلیوں سے اوپر اشارہ کرتا ہے) کی بے حساب سطحوں اور بے شمار درجات کا کچھ تصور کر سکو تو سب سے آخری سطح اور سب سے آخری درجہ کے کچھ ہی اوپر، ہمارا مقام ہوگا''

فرشتہ احسان ''بادلوں تک تو ہم آج پہلی مرتبہ آسکے ہیں ورنہ ہمارا مقام تو انسانوں کے علم و نگاہ میں آنے والے تمام سیاروں سے اوپر ہی ہے''

فرشتہ ذیشان'' آخر وہ اربوں سماقد اور اربوں سر بخش جنہیں سحر و تسحیر میں درجہ بدرجہ ملکہ عطا کیا گیا ہے اور جو بے شمار کمالات کے مالک ہیں انہیں ہم جیسے ناچیز بھی جب چاہیں چٹکیوں میں گھما دیں ،تو پھر ہمیں اپنی سطح کو اس قدر جاننے اور سمجھنے کی ضرورت ہی کیا ہے''

فرشتہ احسان ''مگر ہمارے سامنے اس ایک آسمان دنیا کی سطحوں اور درجات کا جب یہ عالم ہے تو پھر اس عالم کے علاوہ عالمین کل کے سات سماوات کا عالم کیا ہوگا اور وہاں کے درجات کے درجات کیا ہو نگے ؟''

فرشتہ ذیشان ''ان امور پر غور وفکر ہمارا موضوع نہیں ہے جناب ،اور نہ یہ ہمارے بس کی بات ہے۔ہم تو بس یہ دیکھیں کہ ہمیں کیا حکم ملا ہے۔''

فرشتہ احسان ''بجا فرمایا گیا،ہمیں تو اس وقت یہ حکم ملا ہے کہ ہم اس آسمانِ دنیا کے نیچے نہ صرف انسانوں بلکہ جنوں اور دیگر مخلوقات کے مشترکہ کمالات کا بطور مثال ایک جائزہ لے لیں''

فرشتہ ذیشان '' انسانوں ،جنوں اور دیگر مخلوقات کے مشترکہ کمالات آخر کیوں کر ممکن ہیں برادرم''

فرشتہ احسان '' پیارے بھائی ،اس وقت دنیا کے تمام خواص یعنی سائنٹسٹوں ،جناتوں ،تمام قسم کے ساقدوں اور سر بخشوں نے اپنی تمام تر اعلیٰ قوتوں کا استعمال کرتے ہوئے فضائے بسیط میں اپنے اپنے شاہکاروں کی نمائش لگا رکھی ہے۔سب کے اپنے اپنے مخصوص رنگ ہیں ،اور روشنی کے مختلف رنگوں نے ہر چہار سمت اپنے اپنے دعوے کھڑے کر رکھے ہیں۔اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ ان تمام وکمال کی انتہائی کاوشوں کے ساتھ نیم لمحاتی لمحہ سے بھی قبل ہم کس طرح کھیل سکتے ہیں''

فرشتہ ذیشان ''تو اس عظیم کھیل کا پہلا موقع اس ناچیز کو عطا ہو''

فرشتہ احسان ''قبول !!!.................''

اور فرشتہ سرتاب کے لفظ ''قبول'' کی گونج در گونج کے ساتھ ہی بادلوں کی جگہ نیلے نیلے آسمان کا خلائے بسیط نمودار ہونا شروع ہوتا ہے.............!

خلا ہی خلا ،

فرشتے معدوم،

وقفۂ طویل

ہر چہار سمت نیلے آسمان کا خلائے بسیط،

اور ٹمٹماتی مختلف رنگوں کی روشنی کے حملے ایک دوسرے پر شروع ہو جاتے ہیں ۔ نیلی، پیلی، سفید، سیاہ اور سرخ رنگوں کی روشنی کے آپسی حملے اور یلغار!

ہولناک مناظر اور مطابق موسیقی،

وقفہ،

بعد طویل وقفے کے،

خلائے بسیط میں سب سے بلند مقام پر نمودار ایک سبز نقطہ کی جانب تمام جنگ آزما رنگوں کا کھینچاؤ شروع ہو جاتا ہے،

حتی کہ سبز نقطہ سے ٹکراتے ہی یکے بعد دیگرے ہر رنگ منتشر ہو کر،

بوند بوند، قطرہ قطرہ،

عدم وجود میں ایسے تحلیل و تبدیل ہو جاتے ہیں جیسے کبھی ان کا وجود ہی نہ رہا ہو،

یکے بعد دیگرے یہ رنگ کے ٹکرانے کی متعدد ہیبت ناک بلاسٹنگ میں تبدیل ہوتی موسیقی،

اور آہستہ آہستہ معدوم ہوتا تصور!

☆☆☆

راستے بند ہیں سب

تصوراول :

طویل تصور پر گہری جھلملاتی تاریکیاں‘
ہلکاہلکا شور دھیرے دھیرے بلند ہوتا ہوا‘
’’انقلاب زندہ باد‘ زندہ باد‘ زندہ باد‘‘
’’بھرشٹاچار ختم کرو۔ ختم کرو، ختم کرو‘‘
’’۔۔۔۔سزادوسزادو‘‘
’’ہماری مانگیں پوری ہو‘ چاہے جومجبوری‘‘
’’بندرہے گا بندرہے گا‘ پورا بھارت بندرہے گا‘‘

دھیرے دھیرے تیز ہوتی روشنی میں جلوس کی مختلف قطاریں روشن ہونے لگتی ہیں۔ایسا لگتا ہے کہ مختلف گروپ ہیں۔ الگ الگ رنگوں کے لال‘ پیلے‘ ہرے‘ نیلے اجلے بینر پر موٹے موٹے نعرے۔ ہر قطار کا اپنا شور۔احتجاج کا اپنا انداز۔ کچھ قطاریں مختلف قسم کے مزدوروں کی۔ کچھ ان سے بہتر۔ کچھ اور بہتر۔ چند سب سے بہتر۔ الگ الگ جلوس۔ الگ الگ نعرے۔ الگ الگ رنگ وڈھنگ۔ مستی کرتے‘ پریشان‘ جوشیلے‘ رنگا رنگ روپوں والے لوگ! عورتیں، مرد، بچے، کچھ گاتے

بجاتے، کچھ سوانگ بھرتے، کچھ نذرِ آتش ہونے والے پتلوں کو اپنی آغوش میں لئے،

اچانک ایک نیا شور بلند ہوتا ہے۔

''پردوشن ہٹاؤ پردوشن ہٹاؤ''

''ہریالی لاؤ۔ ہریالی لاؤ''

اس بلند ہوتے نئے شور کے ساتھ ہی دھیرے دھیرے اسکولی بچوں کا ایک جلوس اندر آتا ہے اور پہلے سے لگی احتجاجیوں کی قطاروں کے بیچ ایک خالی صف میں داخل ہوجاتا ہے۔

پھر وہی ہم آہنگ شور---------'

مشتعل جلوس کے درمیان ایک گوشے سے اچانک ایک سائیکل سوار داخل ہوتا ہے اور کسی طرح دھکا مکی کرتا ہوا بیچ جلوس میں پہنچ جاتا ہے'

سائیکل سوار جلوس میں شامل کچھ لوگوں سے'

''اے بھائی صاحب۔ بھائی صاحب دیکھئے۔ ذرا سا راستہ دے دیجئے۔ ذرا سا......''

چندلوگ ''ارے کہاں سے چلے آرہے ہو بھیا۔ واپس جاؤ' واپس......''

سائیکل سوار انگلیوں سے اشارہ کرتا ہے ''ذرا سا بھائی صاحب......ذرا سا......''

ایک شخص ''راستے بند ہیں سب کوچہ' قاتل کے سوا''

سائیکل سوار ''جی؟---''

وہ شخص جو سفید کرتہ پائجامہ میں کسی شہزادہ سا لگتا ہے پان چباتے ہوئے پیک کو جب ایک ادا کے ساتھ اگلتا ہے تو لگتا ہے جیسے کہیں کا نواب ہو۔ سائیکل سوار کی معصومیت پر اس کی جانب مسکرا کر دیکھتا ہے اور آنکھیں موند کر عالم سرمستی میں جھومتا ہوا وہی مصرعہ دہراتا ہے'

''راستے بند ہیں سب کوچہ' قاتل کے سوا''

مکرر ''راستے بند ہیں---- قاتل کے سوا''

ایک ادا کے ساتھ ''راستے بند ہیں---- تِل کے سوا''

سائیکل سوار کے چہرے پر بھی کچھ لمحوں کے لئے انجان مسکراہٹیں تیر جاتی ہیں، مگر پھر وہ اپنے آپ میں واپس آتا ہے،

''دیکھئے آپ لوگ بس ذرا سا (انگلیوں سے اشارہ کرتا ہے)---- ذرا سا راستہ دے دیجئے۔ میں اسکول ٹیچر ہوں بھائی۔ بہت سے ارجینٹ پروگرام ہیں۔ وقت پر نہیں پہنچا تو-----''

دوسرا شخص ''دوسرے راستے سے چلے جاؤ''

ٹیچر ''سبھی راستوں کا یہی حال ہے''

تیسرا شخص ''تو کوئی کیا کر سکتا ہے بھیئے۔ ہم بھی تو پھنسے ہیں''

مشتعل جلوس ''زندہ باد زندہ باد' انقلاب زندہ باد-----''

انتہائی مشتعل جلوس کی تین قطاریں مزید داخل ہوتی ہیں۔ ایک جلوس خالص بھگوا رنگ میں رنگا ہوا، دوسرا سب رنگا اور تیسرا اٹمیالا، سبھی کے الگ الگ نعرے،

پہلا ''ہندو راشٹر بنانا ہے، ہندو ہندو گانا ہے،''

دوسرا ''ابھی تو پہلی جھانکی ہے، متھرا کاشی باقی ہے''

تیسرا ''آتنکیوں کو ماریں گے' دنیا سے اکھاڑیں گے''

چوتھا ''سماجک نیائے لانا ہے، سورنوں کو مٹانا ہے''

پانچواں ''پچھڑوں کا کلیان ہو، پچھڑوں کا سمان ہو''

چھٹا ''ہندو مسلم بھائی بھائی، بھائی بھائی بھائی بھائی''

ساتواں ''ہماری مانگیں پوری ہو، چاہے جو مجبوری ہو''

مسلسل متصادم شور میں مبتلا سبھی جلوس ایک دوسرے کو حقارت اور نفرت سے

گھورتے ہوئے الگ الگ مائک تھامے کھنکارتے نظر آتے ہیں۔

متصادم تقریروں کی گونج سے لرزہ براندام تصور۔

کچھ لمحے اسی عالم میں گزرتے ہیں۔ کچھ لمحوں کے بعد----

کہیں دور سے ایمبولنس کے سائرن کی گونج دھیرے دھیرے ابھرنا شروع ہوتی ہے۔ پھر دھیرے دھیرے ----سائرن کی قریب ہوتی گونج----اس کے بعد اچانک ایک بڑی سی سفید ایمبولنس داخل تصور ہوتی ہے۔ ایمبولنس کے داخل ہونے اور مسلسل آگے بڑتے چلے جانے سے جلوس کی قطاروں میں بے ترتیبی اور ایک طرح کی کھلبلی مچ جاتی ہے۔ ایمبولنس کے تیز تر شور اور اس کے نیلے چکاچوندھ لیمپ کے کانپتے، تھرتھراتے رنگوں سے ہنگامہ خیز ماحول اور بھی ہولناک ہو جاتا ہے۔

ٹیچر جو کہ مسلسل دھکا مکی میں مبتلا حواس باختہ ہو چکا ہے، پسینے میں دوسروں کی طرح لت پت نظر آتا ہے۔ اچانک جلوس کی جانب سے ایمبولنس پر پتھراؤ شروع ہو جاتا ہے......

نعروں کے ٹکڑے ایک دوسرے میں مخلوط ہو کر فضا میں گونجنے لگتے ہیں،

"انقلاب زندہ باد، چاہے جو مجبوری ہو"

"ہندو راشٹر بنانا ہے، سماجک نیائے لانا ہے"

"آتنکیوں کو مٹائیں گے، ہندو مسلم بھائی بھائی"

"پچھڑوں کا کلیان ہو، متھر ا کاشی باقی ہے"

"ہریالی کو لانا ہے، بھرشٹاچار مٹانا ہے"

اور اس کے ساتھ ہی،

ایمبولنس کے پھوٹتے ہوئے شیشے،

اس پر ٹوٹتی ہوئی مشتعل بھیڑ،

دست وگریباں لوگ،
مخالف نعروں کی گونج،
اور دھیرے دھیرے معدوم ہوتی روشنی!

بیک گراؤنڈ سے احتجاجیوں کی وہی ہلکی ہلکی مشتعل گونج در گونج کے درمیان مُردوں پر ماتم کناں آہ وبکا اور ایمبولنس کے چیختے ہوئے شور کے ساتھ ہی ٹوٹتے ہوئے شیشے کی جھناکے دار کڑکڑاہٹ............گونج گونج جاتی ہے!

☆☆☆

ریسرچ عرف ہیرا کھو گیا ہے

: تصور اول :

کچھ نیم تاریک تصور،
تا حد نگاہ جنگل،
قدموں کی آہٹیں،
بجلیوں کی کڑک،
.......................،
.......................،

اور کچھ درند و پرند کی عجیب و غریب آوازیں،
پتوں کی سرسراہٹ اور تڑتڑاہٹ،
طوفانوں کا شور،
اور دہشت ناک موسیقی،
.......................،
.......................،

عین ایسے میں،
جنگل کے ایک گوشے سے برآمد ہوتا ایک سفید پوش معمر شخص،
چہرے پر گہری سنجیدگی، آنکھوں پر چشمہ اور کاندھے سے لٹکتا بیگ۔ اپنے بازوؤں

پر ایک بے ہوش شخص کو اٹھائے ہوئے تصور کے دوسرے گوشے کی جانب بڑھ رہا ہے۔اس کے قدموں کی گونج ابھر ابھر کر فضا کو پراسرار اور خوفناک بنا رہی ہے ۔دوسرے گوشے میں پہنچ کر جہاں ایک تناور درخت ہے' بے ہوش شخص کو نیچے اتارتا ہے اور درخت سے لگا کر کھڑا کر دیتا ہے۔پھر اپنے بیگ سے لوہے کی ایک زنجیر نکالتا ہے اور بے ہوش شخص کے جسم پر لپیٹتا ہوا درخت کے ساتھ اسے جکڑ دیتا ہے۔پھر ایک لمبی کیل اور ایک وزنی ہتھوڑا نکالتا ہے کہ بجلیاں کڑکتی ہیں' اجالا تھرتھراتا ہے' تصور لرزہ براندام---لوہے کی لمبی کیل کو بے ہوش شخص کے جسم میں گاڑتا ہوا ہتھوڑے سے ایک زوردار چوٹ کرتا ہے'

''ٹھک---'---'---''

''آ---ہ'---'---'' (بے ہوش شخص کی دل خراش چیخیں)

فضا میں جھرجھری سی پیدا ہو جاتی ہے۔جبکہ بے ہوش شخص کی چیخ پر وہ اچانک کھل اٹھتا ہے۔اس کے چہرے کی سختی پر مسرت کی لالی چھا جاتی ہے۔وہ ایک جھومتی ہوئی نگاہ پورے تصور پر ڈالتا ہے اور اسی مسرت کے ساتھ جھومتا ہوا بے ہوش شخص کے جسم پر دوبارہ وار شروع کرتا ہے-----''

''ٹھک! ٹھک! ٹھک!''

''آ،آ،آ،آ،آ،آ،آ'' (مسلسل دل خراش چیخیں)

وہی تھرتھراتا جالا'
کڑکتی ہوئی بجلیاں'
طوفانوں کا وہی شور'
لرزہ براندام تصور پر اس کی وہی مسرت خیز متصادم دیوانگی'

اور بے بسی میں ڈوبی وہی مخالف چیخیں،

.......................،

.......................،

: تصور دوم :

نیم تاریک تصور،

تا حد نگاہ جنگل،

درخت سے جکڑا ہوا وہی نیم جاں،

بجلیوں کی کڑک،

طوفانوں کا شور،

پھیلتے، سکڑتے، کانپتے، تھرتھراتے اندھیرے،

بھاری بھر کم قدموں کی رفتہ رفتہ تیز ہوتی دہشت ناک آہٹیں،

اور عین ایسے میں، نمودار ہوتا ایک قدم.................،

پھر دوسرا.......................،

پھر تیسرا......................،

دفعتاً روشنی کا ہالہ کوندتا ہوا نیم تاریک سراپے پر لپکتا ہے اور واپس اس کے قدموں سے آ کر لپٹ جاتا ہے۔ گردش کرتا ہے کوندتا ہے۔ پھیلتا ہے، نیم روشن سراپے کی جانب لپکتا ہے اور پھر واپس---حتیٰ کہ وہ بے ہوش شخص کے قریب پہنچ جاتا ہے۔

گنجینۂ اسرار سناٹے کا سماں،

---وقفہ---

چند لمحوں بعد اپنے بیگ میں وہ ہاتھ ڈالتا ہے کہ موسیقی سرسراتی ہے،

انتہائی طمانیت کے ساتھ وہ اپنی کیل اور ہتھوڑا نکالتا ہے اور پراسرار سناٹے کو چیرنے کی کوشش میں بے ہوش شخص کے جسم پر وہی وار..........'

''ٹھک! ٹھک! ٹھک!''

''.........''(خاموشی)

وہ ٹھہر جاتا ہے۔ایک لمحہ توقف کرتا ہے اور ادھر ادھر دیکھتے ہوئے دوبارہ وار کرتا ہے......

''ٹھک' ٹھک' ٹھک!''

''.........''(مکمل خاموشی)

وہ پھر چونکتا ہے مگر ایک لمحہ توقف کے بعد پھر وار......،

ٹھک! ٹھک! ٹھک!''

''.........''(انتہائی سکوت)

اس بار وہ حیران و پریشان کبھی گرد و پیش کو متجسس نگاہوں سے گھورتا ہے' کبھی پاگلوں کی طرح ہواؤں کو سونگھتا ہے۔اور کبھی بے ہوش شخص کو ٹٹولتا جھنجھوڑتا ہوا دیوانوں کی طرح خود کلامی کے انداز میں بڑبڑاتا ہے۔

''سر تو وہی ہے۔چہرہ بھی۔جسم بھی۔پھر یہ؟

یہ آہیں کیوں نہیں بھرتا۔یہ کراہتا کیوں نہیں؟

یہ بے حس کیوں ہے۔یہ؟ یہ؟............''

ہلا ڈلا کر بے ہوش شخص کو جگانے کی کوشش کرتا ہے' تھپتھپاتا ہے'

''اَے! اَے! کہ میری چوٹ پر جاگ اٹھنے والے............

اَے!...........

اَے!...........

اَ.................''

اپنے کانپتے ہاتھوں میں نوکیلی کیل کو چاقو کی طرح سختی سے پکڑتا ہے اور انتہائی اضطراب کے عالم میں بے ہوش شخص کے جسم کو بڑی بے رحمی سے جگہ جگہ چیر پھاڑ ڈالتا ہے۔ پھر لہولہان کلیجہ چاک کے اندر ہاتھ ڈال کر دل کلیجی، پھیپھڑا، گردہ...... ایک ایک چیز کو عجیب وحشت کے ساتھ نوچ نوچ کر باہر پھینکتا اور بڑبڑاتا ہے،

''کہاں گیا وہ؟ کہاں گیا؟

کہاں؟

کہاں؟؟

کہاں؟؟؟............''

اور بالآخر وہ اپنا وزنی ہتھوڑا اٹھاتا ہے اور جھلا کر---سامنے پڑے لوہے کے ٹکڑے پر دے مارتا ہے۔

''ٹھن!!!!''

....

....

....

مگر دوسرے ہی لمحہ وہ چونکتا بھی ہے اور تقریباً اچھل کر گردوپیش کو متجس نگاہوں سے گھورنے بھی لگتا ہے۔ کیونکہ ''ٹھن'' کی گونج کے ختم ہونے کے قبل ہی ایک دیوقامت قہقہہ مختلف گوشوں سے ابھرنا شروع ہوتا ہے اور قہقہہ در قہقہہ...... پورے تصور پر انجانے دیوقامت قہقہوں کے حملے شروع ہوجاتے ہیں۔ وہ ہنوز حیران وپریشان، نظریں گھما گھما کر دیوانہ وار ان فلک بوس قہقہوں سے کبھی خود کو بچانے اور کبھی مٹھیوں میں انہیں قید کرنے کے لئے ہر قدم پر بار بار اچھلتا اور مٹھیوں کو لپکاتا ہے......،

''ہُو! ہُو! ہُو!'' (ریسرچر)

''ہاہاہاہاہا-----'' (دیوقامت قہقہے)

''ہُو اہُو اہُو !''(ریسر چر)

''ہاہاہاہاہا-----''(دیو قامت قہقہے)

حتیٰ کہ منظر ساکت !

☆☆☆

لا سمت

: تصور اول :

ورلڈ میپ سے سجا گلوب نما نیم تاریک کمرہ...... کمرے پر چاروں سمت مختلف نوع کے ٹیلی ویژن............ ٹیلی ویژن پر جمادات' نباتات اور حیوانات کے مختلف النوع منظرنامے......گلوب نما کمرے کے صدر دروازے پر ہاف پینٹ اور ٹی شرٹ میں ملبوس چند بوڑھے مع نوجوانان ایک دوسرے کی آغوش میں لیٹے محو گفتگو نظر آتے ہیں۔

-وقفہ-

باہر کی تاریکیوں سے کچھ لوگ نیم تاریک صدر دروازے کی جانب بڑھتے نظر آتے ہیں۔ ہاف پینٹ اور شرٹ والے ایک نوجوان کے کاندھے پر مدہوشی میں ڈوبا، بلاؤزا اور ساڑھی میں ملبوس ایک نوجوان نظر آتا ہے۔ جب کہ ہاف پینٹ والے ایک نیم بالغ لڑکے کو بلاؤزا اور ساڑھی میں ملبوس ایک نوجوان اپنی آغوش میں لئے صدر دروازے کی جانب بڑھ رہا ہے۔ چاروں کے پیچھے پیچھے چند دوسرے بھی صدر دروازے کی جانب بڑھ رہے ہیں۔ صدر دروازے میں پہلے سے موجود ہم آغوش افراد کی ٹیم اٹھ کر آنے والوں کا استقبال کرتی ہوئی کمرے کے اندر سب کو سمالیتی ہے۔

-گہرا نیم تاریک طویل وقفہ-

ہاف پینٹ میں ملبوس ایک نوجوان اپنے کاندھے پر جینس میں ملبوس ایک عورت اور ایک مرد کو جو زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں' اٹھائے صدر دروازے کی جانب بڑھ رہا ہے۔ساڑھی میں ملبوس ایک دراز قامت سن رسیدہ بھی ان کے پیچھے پیچھے چل رہا ہے۔دروازے پر پہنچ کر سن رسیدہ اپنے آگے کے نوجوان کو ہاتھ بڑھا کر روکتا ہے' اور زنجیروں میں ایک ساتھ جکڑے مرد اور عورت کو زنجیروں سے آزاد کرتا ہوا عورت کو صدر دروازے پر جیسے نصب کر کے مرد کو اندر پھینکتا ہاف پینٹ والے کے ساتھ خود بھی اندر داخل ہو جاتا ہے۔

محیط ہوتی نیم تاریکیاں'

اور صدر دروازے پر پہرے دار کی مانند مامور عورت!

☆☆☆

خاک شد

: تصور اول :

گہرے تاریک تصور میں روشنی کے ننھے ننھے داغ......اور سر سراتی کوند......
چند لمحوں بعد ایک گونج ابھرتی ہے'

''یہ وہ مقام ہے جہاں سے پوری دنیا پر نگاہ رکھی جاسکتی ہے۔ دنیا کے اکثر گوشوں کی روشن لکیریں اسی فلسفیانہ نظام سے فیض پاتی ہیں۔ تربیت' طریقت' عقیدت...... اکثر اس کے درباری ہیں۔ بنیادی اور ارتقائی ذریعوں پر اسی کی مرضی کے پہرے ہیں۔ علم وفن' طاقت ودولت اور نشاط ونعمت کے ایجاد ہائے روزگار میں اس کا کوئی مقابل نہیں۔ اس کے آگے کسی کا سر نہیں اٹھتا۔ زبان نہیں کھلتی۔ اس کی غلامی اور صرف غلامی ہی میں نجات ہے۔ دنیا جسے آزادی بہ خوشی جانتی ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں سے پوری دنیا پر نگاہ رکھی جاتی ہے۔''

-وقفہ-

سرسراتی کوند کے درمیان سے مباشرت میں ڈوبی مدہوش اجتماعی انسانی سانسوں کی اٹھتی آوازیں اور عشرت آمیز لہریں رفتہ رفتہ پورے تصور پر چھا جاتی ہیں۔

وقفہ-

چند لمحوں بعد کچھ غضبناک ٹھہاکے گونجتے ہیں۔لہریں اور سانسیں دب جاتی ہیں اور بڑی مہذب، شیریں اور باوقار آوازیں بلند ہوتی ہیں۔

ایک آواز"اور جناب کو معلوم کہ یہ دوسو پچاسویں منزل ہے۔دنیا کی بلندترین منزل۔"

دوسری آواز"میرا خیال ہے کہ ملیچھوں اور صحرانشینوں کو اس کا شعور نہیں ہوسکتا۔وہ اس کا تصور تو کر سکتے ہیں، اس تک رسائی لاحاصل ہے۔"

تیسری آواز"ہماری قائم کردہ اصطلاحیں لغوی نہیں ہیں۔انہیں ہمارے مخالفین محسوس تو کر سکتے ہیں اس سے مبرا نہیں ہوسکتے۔"

چوتھی آواز"وہ ہماری اصطلاحوں میں ایسے مقید وملوث ہیں جیسے مچھلیاں تالاب میں--اور بیمار سے دوا کا اٹھانا اور پتھر سے سختی کا ناپید کرنا بھی ہمیں کو زیب ہے۔"

دفعتاً میزائلوں کی ہمہ جہت گونج کے ساتھ ہی زوردار بلاسٹنگ ہوتی ہے، یہاں تک کہ روشنی کے کوندتے دھبے بھی لرزہ براندام اندھیروں کی نذر ہوجاتے ہیں۔

: تصور دوم :

تصور تاریک میں روشنی کے ننھے ننھے داغ......سرسراتی کوند......

اجتماعی ماتمی ہنگامے کا ہلکا ہلکا شور......،

ہاہاکار کی ہمہ رنگ کیفیتوں میں ہلکی ہلکی چیخیں......،

بدبوؤں کی سرانڈ......،

مسلسل دوڑتے بھاگتے اجتماعی قدموں کی چاپیں اور بڑی سرعت کے ساتھ آتے جاتے سایوں کا بھاری بھرکم احساس......،

--وقفہ--

درمیان سے پھر کچھ ابھرتی ہوئی آوازیں بلند ہوتی ہیں جیسے کچھ لوگ آپس میں محوِ گفتگو ہوں،

ایک آواز ''لاشوں کو ٹھکانے لگاتے وقت ہم میں سے اکثر بے ہوش ہو گئے اور جو بچ گئے وہ اکثر نفسیاتی امراض میں مبتلا ہیں۔''

دوسری آواز ''نا قابل تصور یا نا قابل یقین طور پر جو کچھ ہوا ہے وہ اتنا ہیبت ناک اور حیرت انگیز ہے کہ طمانیت کے مستقبل کا تصور تک متزلزل ہو کر رہ گیا ہے۔ کیا کسی لافانی پہلوان کو لقوئی مار سکتا ہے؟''

تیسری آواز ''زیادہ مت سوچو۔ اور فکر نہ کرو کہ طمانیت ہماری منتظر ہے اور بہت عنقریب ہے کہ...... کہ ہمیں ہلکا سا شائبہ بھی نہ ہوگا کہ کوئی ادنیٰ ترین حرکت بھی ہمیں چھو کر گذری ہے۔ یاد رکھو کہ علم الارواح اور فیضانِ طب بھی ہماری ہی ملکیت ہیں۔''

چوتھی آواز ''رہی تاریخ، سواس کی تقدیر بھی ہمیشہ ہم ہی نے لکھی ہے۔ ہم اپنے ساتھ پوری دنیا کی رائے عامہ کو شامل کریں گے اور دنیا کی کسی ایک ادنیٰ لہر نے ہماری مخالفت کی اگر جرات بھی کی ہے تو ہم اسے نہ صرف پاتال سے ڈھونڈ نکالیں گے بلکہ اس کے وجود کو تاریخ دنیا میں عبرت ناک سزا کے بعد ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ناپید کردیں گے۔''

روشنی کے دھبے متحد ہو کر ایک سمت کو روشن ہو اٹھتے ہیں۔

--وقفہ--

ایک گوشے میں ایک شخص جس کے چہرے پر حواس باختہ لہریں موجیں مار رہی ہیں۔ آنکھوں میں کئی راتوں کا خمار، لٹیں الجھی الجھی، فوجی لباس میں ملبوس، ساتھ میں سات سالہ ایک بچہ اور ایک بچی کو دیکھا جا سکتا ہے...... ایک بڑے چٹان پر دوزانو ہو کر بیٹھا یہ شخص ایک آہ سرد کھینچ کر کھڑا ہوتا ہے مگر اس سے قبل کہ وہ کچھ کہے کوندتی تاریکیوں سے پانچویں آواز بلند ہوتی ہے۔

''مشقت ہر محاذ پر، سانسوں کی ہر کیفیت کو لازم ہے۔ آواز، اصطلاح، انداز،

تصور، عمل، ڈرامہ، سائنس یا افواج عالم...... کوئی گوشہ، کوئی جہت ہمارے انقلاب کے دائرے سے دور نہ ہونے پائے ...... غلامو! صفوں کی صفیں بچھا دو۔ ہمارے اقدام کا ہر حملہ بہترین انصاف ہے۔ ہماری پالیسیوں کی بے شمار جہتیں ہوں گی کیوں کہ ہماری کوئی ایک پالیسی ہی نہ ہوگی۔ دنیا کے تمام موقع سازوں اور موقع خواہوں کے واسطے ہمارے دربار کا فیض عام کردو۔ ہمارے غلام ہمارے ساتھی ہوں گے اور وہی مخالف کو کافی ہوں گے۔''

''نہیں!............'' بچوں والے شخص کی بے ساختہ چیخ گونجتی ہے'

''ہم...... ہم اپنی نمائندگی خود کریں گے۔ اپنی مشقت سے' اپنی پوری طاقت سے' کسی بھی قیمت پر کسی بھی حال سے گذر کر' کچھ بھی لوٹ کر' کچھ بھی لٹا کر ہم خود اپنے نصب العین کو پہنچیں گے۔ دیکھنا' دیکھنا ان گہری تاریکیوں کے بعد ایسی پر بہار طمانیت پھوٹے گی کہ' کہ...... کہ انقلاب زندہ باد، انقلاب زندہ باد، انقلاب......''

اس کے جبڑے سخت ہو جاتے ہیں'
جوش میں ایک ہاتھ کی مٹھی کو دوسری ہتھیلی پر مارتا ہے'
چہار سمت سرسراتی کوند......'
ہاہا کار کی کیفیت' اجتماعی ہلچل......'
درمیان میں کبھی مرد' کبھی عورت کی چیخیں اور بالترتیب آوازیں،
''انقلاب زندہ باد...... انقلاب زندہ باد......''
رفتہ رفتہ گہراتا سکوت'
گہری تاریکیاں'

: تصور سوم :

بسیط تاریکی،
روشنی کے داغ، کوند،
درمیان سے رفتہ رفتہ پہلی آواز ابھرتی ہے،
''یہ وہ مقام ہے جہاں سے پوری دنیا پر نگاہ رکھی جاتی ہے۔ یہ وہ مقام ہے کہ جس کے حاسد کیڑے مکوڑے واسطے انتشار کے جرأت غیر متوقع میں غرقاب یعنی آپ اپنا شکار ہوئے۔ حکمت ہماری کہ موسم بہار کو نئے پیراہن عطا ہوئے۔ مسند نشینِ منازلِ فلکی ہمارے غلام عش عش کرتے ہیں۔ دنیا ہماری محتاجِ فیضان، دنیا جسے بہ خوشی مختاری جانتی ہے............... یہ وہ فلسفیانہ مقام ہے...............''
آواز سرسراتی کوند کی شکار،
روشنی کے ننھے ننھے دھبے،
بھینی بھینی برانگیخت خوشبو،
عشرت آمیز لہریں،
-وقفہ-
روشنی کے داغ رفتہ رفتہ متحد ہوتے ہوئے بالآخر ایک گوشے میں.......... جہاں دیرینہ ''انقلابی'' بوڑھی صورت میں موجود۔ ساتھ ایک دوشیزہ کے۔ بوڑھا تقریباً بیزار بیزار۔ دوشیزہ مگر رونق افروز۔ اس کی غزالی آنکھوں میں شوخیاں تیر رہی ہیں۔ دفعتاً روشنی کی سیڑھیاں چڑھتا اور تقریباً ہانپتا ہوا ایک نوجوان قریب آکر بوڑھے سے

مخاطب ہوتا ہے'

''ہلو''

بوڑھے کے چہرے پر کوئی جوابی تاثر نہیں'

وقفہ......

نوجوان دوشیزہ کو ہاتھ بڑھا کر ریسیو کرتا' بازوؤں میں بھرتا' دھیرے دھیرے اندھیرے کی سیڑھیاں اترتا................ چلا جاتا ہے،

بزرگ کے چہرے پر تاثر کی ایک جھلک آتی، مگر چلی جاتی ہے اور بڑی سرعت مگر انتہائی بے پروائی سے وہ خود کو دوسری جانب جھٹک لیتا ہے۔

-وقفہ-

چہار سمت'

تہہ بہ تہہ گونجتی'

اجتماعی انسانی سانسیں'

اور بسیط و محیط تاریکیاں۔

☆☆☆

رنگ ہائے کیف

: تصورِ اول :

نیم تاریکی میں اس نے پھولوں کو دیکھا' بڑھ کر ان کی سمت اس نے جو ہاتھ پھیلائے تو نیم تاریکی نے روشنِ تیز تر کی جانب اپنے قدم بڑھا دئے اور پھولوں سے سسکنے کی صدائیں ابھرنے لگیں!

☆☆☆

میں ماورا

تصورِ تاریک میں رفتہ رفتہ ننھی ننھی کرنیں نمودار ہو رہی ہیں۔ ٹمٹماتی کرنوں کی جھلمل روشنی میں لمبی لمبی الجھی الجھی زلفوں اور متفکر چہرے والا ایک شخص روشنی کے گول گول دائرے میں نمودار ہو رہا ہے۔

وقفہ،

بعد وقفہ کے،

اس کے سنجیدہ ہونٹوں سے گمبھیر بدبداہٹ ابھرتی گونج در گونج میں تبدیل ہو جاتی ہے:

"کہ سنو!.... سنو!.... سنو!

میں ماورا

ماورا..... ماورا..... ماورا.....

مر چکا ہوں

مر چکا ہوں..... مر چکا ہوں..... مر چکا.....

ماورایت کے لئے مرنا ضروری ہے

اور جتنی بار مروں گا
اتنی بار ماورا ہوؤں گا
چنانچہ میں مر چکا ہوں
یہ مرنے کا مطلب
اکثر لوگ کچھ اور ہی سمجھتے ہیں
وہ یہ نہیں سمجھتے کہ مر جانے کا مطلب
اپنے حیاتیاتی اثرات کے
مرتبے کو
فن کارانہ بساط کی
محبتوں کی
کدوکاوش کی
جدوجہد کی
قوت وکرامت پر
یقین اور بھروسہ کو
آزمانا بھی تو ہے
آزمائش کے لئے ماورایت
اور ماورایت کے لئے موت
لازم وملزوم ہیں
یہ الگ بات کہ یہاں میرے سوا
کوئی مرنا نہیں چاہتا
اپنی متاع حیات کو چھوڑ کر

پانچ دس سال کے لئے

پانچ دس مہینوں کے لئے

بلکہ پانچ دس دنوں کے لئے بھی

کوئی مرنا نہیں چاہتا

یہاں تو ہر دن ہر لمحہ

کسی بھی قیمت پر

بس جینا چاہتے ہیں سب

شہرتِ روزانہ چاہتے ہیں سب

تو یہاں میرے سوا

ماورا کون ہو سکتا ہے

جیتے جی کون مر سکتا ہے یہاں

میرے سوا..................''

رفتہ رفتہ طاری ہوتا اک پردۂ سکوت

اور ایک پردۂ تاریک!!

☆☆☆

عجیب المخلوق

تصور نیم تاریک میں اندھیروں کے بپھرتے سمندر ہیں اور گہری گہری تاریکیوں کی لہراتی موجیں،

وقفہ،

معاً، روشنی کی ننھی ننھی بوندوں کی رم جھم برسات شروع ہوتی ہے،
چھن.....چھنن.....چھنن.....چھن،

وقفہ،

مگر دیکھتے ہی دیکھتے روشنی کی ننھی کرنیں لپکتے شعلوں میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔ دو حصوں میں منقسم تصورات میں ایک سمت اندھیروں کا بپھرتا سمندر ہے تو دوسری جانب لپکتے شعلے۔ پھر دونوں حصوں کے درمیان ایک چمکیلی لکیر نظر آتی ہے، جس کی تہہ سے رفتہ رفتہ رنگ برنگے حسین خوبصورت گداز پھول ابھر رہے ہیں،

وقفہ،

معاً، پھولوں کی تہہ سے کچھ میلے نوکیلے کانٹے جھانکتے نظر آتے ہیں،
اور کانٹوں سے ٹپکتے سیاہ لہو کے سیاہ چھینٹے،

معاً، اندھیروں کے سمندر سے ایک دائرۂ تاریک اوپر اٹھتا ہے، اور دوسری سمت کے شعلوں سے اٹھتے دائروں کے دائرے میں ضم ہو جاتا ہے،

وقفہ،

پھرابھرتے گداز پھول کے پھول،

اورلہولہان کانٹوں کے کانٹے،

رفتہ رفتہ تاریکی اور شعلوں کے اوپر اٹھتے مختلف مخلوط دائروں میں ضم ہونے لگتے ہیں۔ پھر نیچے سے اوپر تک ہر چہار جانب ایک دوسرے میں ضم ہونے والے مختلف مخلوط دائرے متعدد دیوقامت مجسموں میں تبدیل ہونے لگتے ہیں،

....

....

جبکہ دیوقامت مجسموں کے مختلف حصوں پر بیک وقت نیم انسانی، نیم حیوانی، نیم جناتی، نیم نباتاتی و جماداتی عجیب الخلوق کی مختلف ہیبت ناک جلوہ نمائی شروع ہو جاتی ہے جن کے آہنی ہونٹوں سے پھول صورت شبد جھرنے ابھرنے لگتے ہیں:

''کہ آرٹ کے لئے

جس دل کی ضرورت ہے

دنیا کو

اس کی کوئی ضرورت نہیں

کوئی ضرورت نہیں

کوئی ضرورت!!''

معاً شبد سکوت،

اور منظر ساکت!!

☆☆☆

شاھکار آمد

: تصورِ دوم :

تصور اظہر من الشّمس میں،
ایک عجیب مخلوق،
ہر دوانچ پر دوسری ہیتوں کا گمان گزرتا ہے......،
کبھی سانپ کی طرح پھنکارتا ہے......،
کبھی ہاتھی کی طرح چنگھاڑتا ہے......،
اور کبھی اپنی لپلپاتی زبان سے گندگی کو چاٹتا ہوا پھولوں سے لدی شاخوں میں اپنی ناک جا چھپاتا ہے......،

سینکڑوں چھوٹے چھوٹے ہمسائے گرد و پیش میں لہرا رہے ہیں......،

مختلف گوشوں میں اونچی اونچی بلڈنگوں، دیو قامت روبوٹوں، اور کہیں کہیں پورے جسم پر اور منہ پر سب سے زیادہ کوڑھ گچھے والے چند مخلوق، سڑتے گلتے ہوئے اپنے جسموں کے ساتھ جو گرد و پیش میں کہیں کہیں گرے پڑے ہیں، عجوبۂ مناظر پیش کر رہے ہیں۔

دفعتاً ایک دھواں سا بیچ تصور سے اٹھتا ہے جس کے درمیان سے سماقد اپنی قد و قامت اختیار کرتا ہوا پورے تصور پر بسیط و محیط ہو جاتا ہے......

: تصورسوم :

گوشۂ تصور طویل و نیم تاریک میں ٹمٹماتے گنبد پہ ایک سفید سایہ نمودار ہوتا ہے،
قد آور انسانی جسامت، لمبے ناک نقشے' لمبے نقش ونگار۔ زرد زرد لباس زیب تن اور
تراشیدہ زلفوں پر دودھ میں بہتی چاندنی کا ہلکا ہلکا احساس'
گنبد سے نیچے اتر کر اس کے دونوں ہاتھ جانب فلک بلند ہوتے ہیں'
گوشۂ اندرون تصورات، سینکڑوں چھوٹی چھوٹی سماقد شکلیں......'
مگر جیسے جیسے دعائیہ کلمات کی گونج ابھرتی ہے......'
ہر ذرۂ تصور پر دعائیہ کلمات کے اثرات شروع ہو جاتے ہیں،
جب کہ ہمہ شکل وہمہ سمت کانے سماقد'..............................
ہزار رنگ ہائے سماقد'..............................
اور چند شاہکاروں جیسے سماقد مانند نمک کے گلنا اور بہنا شروع ہو جاتے ہیں'

-وقفہ-

تمام سماقدوں کے گلنے اور بہہ جانے کے بعد سماقد اصل اس شکل میں نمودار ہوتا ہے
کہ اس کے قدم تیز تر معلوم ہوتے ہیں'

-وقفہ-

سایۂ شاہکارِ سفید تعاقب میں..............

-وقفہ-

حتیٰ کہ ایک مخصوص بڑبڑاہٹ ابھرتی ہے......'
جس کے ساتھ سماقدِ اصل بھی رفتہ رفتہ ڈھہتا چلا جاتا ہے۔
تصور طویل و نیم تاریک میں ذرا ذرا سی جھومتی ہریالی'
اور ذرا ذرا سا لہلہاتا گردوپیش!

: تصوراول :

ٹمٹماتے گنبد کے نیچے نیم تاریکیوں میں لپٹے ہم شکل شاہکار سایوں کی الگ الگ
جماعتیں مشوروں میں منہمک'
دوسرے گوشے میں سرنجشوں کی ٹولیاں اپنے چھوٹے چھوٹے آلات کے ساتھ
مصروف کار نظر آتی ہیں۔
مختلف گوشوں میں ڈالروں کے بہتے جھرنے' مختلف ٹسٹ ٹیوب اور بیکروں میں
پلتی' اچھلتی جانیں اور برہنہ اعضائے تناسل سے آراستہ تصورِ طول وطویل۔
چھوٹے بڑے موبائل' ریموٹ' انٹرنیٹ' کمپیوٹر اور میزائل نما چند کمرے'
میزائل نما کمروں کے چھوٹے چھوٹے دروازوں کے اندر سماقد شکلوں میں بیٹھے
اورالاؤ کی مانند دہکتے چھوٹے چھوٹے عجیب عجیب چہرے'

-وقفہ-

ہمہ شکل شاہکاروں کی ایک جماعت اٹھ کر جس سمت سے گذرنا شروع ہوتی ہے
اس میں چند لاشیں پڑی ہوئی ہیں۔ جماعت سے دو شاہکار نکل کر لاشوں پر جھکتے
ہیں۔ان کے کانوں میں کچھ پھونکتے ہیں۔لاشیں زندہ ہوکر اٹھ کھڑی ہوتی ہیں۔اور
شاہکار اپنی جماعت میں جاملتے ہیں۔

-وقفہ نیم تاریک-

سماقدی جماعت سے ایک سماقد علیحدہ ہوکر رفتہ رفتہ شاہکاروں کی جماعت کے
سامنے آکھڑا ہوتا ہے۔ کچھ لمحوں تک بھرپور نگاہوں سے شاہکاروں کا جائزہ لیتا ہے۔
مسکراتا ہے......'

جیسے برگزیدہ لبوں کی بے نیاز مسکراہٹ......،

شاہکار بھی مسکرا اٹھتے ہیں،

پس، سماقد ایک ہلکی سی پھونک مارتا ہے اور شاہکاروں کی پوری جماعت موم میں تبدیل ہوتی ہوئی جلتے ہوئے موم کی مانند پگھلتی چلی جاتی ہے۔

☆☆☆

ایجادات

تا حدِ نگاہ،

تا حدِ تصور،

طویل القامت اسٹیج..........

ایک گوشۂ اسٹیج میں تقریباً سات ہزار سات سو ستر گز اونچا ایک سایہ لہرا رہا ہے،

ہیبت ناک موسیقی کی ہلکی ہلکی گونج،

معاً، ستر ہزار سات سو ستر گز اونچا ایک دوسرا سایہ نمودار ہوتا ہے، نمودار ہوتے ہی پہلے سائے سے مخاطب ہوتا ہے،

''سر بخش........ سر بخش........!'' (گونج در گونج)۔

پہلا سایہ: ''جی، جی عالی مقام، آپ کا بندہ، آپ کا غلام سر بخش حاضر ہے!''

دوسرا سایہ: ''مجھے تمہارا یہ نام بہت پسند ہے''

سر بخش خوشی سے اچھلتا ہوا ''شکریہ، شکریہ عالی جاہ''

پہلا سایہ: ''نام تو مجھے اپنا بھی بے حد محبوب ہے، ورنہ تم خوب جانتے ہو کہ سماقد جس وقت جس نام کو چاہے وجود سمیت تبدیل و تحلیل کر سکتا ہے، خواہ وجود کسی انسان کا ہو کہ جنات کا، خبیث کا ہو کہ حیوان کا۔ اگرچہ ہمارا سب سے بڑا ہدف وجودِ انسان ہی تو ہے کہ ہمارا اصل نصب العین تو ارتقائے انسانیت ہی ہے''۔

سر بخش: ''ارتقائے انسانیت؟ یہ آپ کیا فرما رہے ہیں عالی جاہ؟''

سماقد: (مسکراتے ہوئے) ''ہم نے اپنے غلاموں یعنی اصطلاحوں کو پیدا کر کے

انہیں سب سے زیادہ سمتِ اصل ہی سے متنفر کیا ہے۔ انہیں تشکیک اور تذبذب کی خواب ناک وادیوں سے لطف اندوز کر کے ان کے تیقن وتدبر کو پگھلایا، پھر انہیں جاہ وحشم اور شاہ و سلطنت کی شراب پلا پلا کر اور ان کی انس کو آتشِ ہوس میں سلگا سلگا کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ان کی انسانیت پر زنا بالجبر کو مسلط کر دیا ہے"۔

سر بخش: "لیکن میرے آقا، انسانیت کو تو ہم بہت پہلے فتح کر چکے۔ اب تو انسان میں بہت کم ایسے اوصاف ہونگے جن کی ضد خود انہیں کے اندر سے ابھر کر ان پر غالب نہ آ گئی ہو۔ اب تو انسان زائد از نصف حیوان بن چکا اور کہیں کہیں تو بشکل وصورت محض رہ گیا ہے"۔

سماقد: ہم اس کی وہ شکل وصورت بھی بہت جلد اتار لیں گے کہ ہم اسے شکستِ فاش کے قریب تر کر چکے اور اس درجہ کہ اسکے تمام خمیری فلسفے عاجز عاجز ہو کر بخوشی بخوشی ہماری تحویل کے تلوے چاٹ رہے ہیں۔ مگر سر بخش، تم ہماری اصطلاحوں کے سحر سے خوف زدہ ہو کر اپنی سمتِ اصل سے یاد رکھو اور یاد رکھو کہ متنفر مت ہونا ورنہ......"

سر بخش: (سہمے ہوئے لہجے میں) "جی........جی عالم پناہ"

سماقد: (باوقار لہجے میں) "ڈرو نہیں سر بخش، اور یہ بھی جان لو کہ اس عالمِ وجود میں جو کچھ میں چاہتا ہوں کر گذرتا ہوں، مگر سب سے پہلے خود پر"۔

سر بخش: "یعنی؟"

سماقد: "آج میں تمہیں اپنے ہی اندرون کی سیر کراتا ہوں......تو آؤ، اور اپنی انتہائے بصیرت کی جانب آؤ، آؤ مرکزِ قلبِ سماقد کی جانب آؤ، آؤ......آؤ......!"

ساتھ ہی آہستہ آہستہ مجسم ہوتا سایہ سماقد اور انسانی وجود میں تبدیل ہوتا سر بخش!

وقفہ،

بعد وقفہ کے......سماقد اپنے لہولہان سینے کو دونوں ہاتھوں سے چیر کر طویل ترین مرکزِ قلب کی جلوہ نمائی کرتا ہوا...... جہاں اندرونِ مرکزِ قلب ایک ساتھ پانچ خبیث چہرے ایک

دوسرے سے متصل ایک دوسرے میں مخلوطِ عمل درعمل نظر آتے ہیں۔

وقفۂ طویل میں عملِ حل و تحلیل کے بعد،

اندرونِ مرکزِ قلب پانچوں خبیث چہروں میں خوبصورتی و خوشنمائی نمودار ہو رہی ہے، حتی کہ ان کی آنکھوں اور دانتوں کی ہیئت، چہروں کی کیفیت، ہونٹوں کی رنگت اور ناک نقشے پیکرِ حسن و جمال میں ڈھلتے جارہے ہیں۔

سماقد اک ذرا مسکراتا ہے اور مسکراتے ہوئے، حیران و پریشان سربخش کی جانب نگاہ کرتا ہے۔

سماقد: ''سربخش......سربخش......سربخش!''

سماقد کی پکار پر سربخش کا دھیان ٹوٹتا ہے ''جی......جی میرے آقا''

سماقد: ''تو تم فیضیاب ہو چکے کہ اس عالمِ وجود میں جو کچھ میں چاہتا ہوں کر گذرتا ہوں مگر سب سے پہلے خود پر!''

سربخش: ''میرے آقا! اس انتہائے تکوین کو یہ بندۂ عاجز مزید سمجھنا چاہتا ہے۔''

جواباً سماقد کے قہقہے گونجتے ہیں اور موسیقی تھر تھر کانپنے لگتی ہے۔ کپکپاتی لرزہ براندام موسیقی کے ساتھ ایسا لگتا ہے کہ تصوراتِ تمام و کمال پر از خود لرزہ طاری ہو گیا ہو۔ حتی کہ تصوراتِ طویل و بسیط کی ہر شئے حل و تحلیل کے خودکار عمل میں شریک ہو جاتی ہے۔

شرکِ مخلوط کا خودکار عمل جاری و ساری!

معاً، تصور کے بیچوں بیچ مکمل انسان صورت ایک دیوہیکل روبوٹ سطحِ زمین سے رفتہ رفتہ اوپر کی طرف اٹھتا ہوا، جس کی ایک مٹھی میں ایک قوی جوان کسی بچے کی مانند پھڑ پھڑا رہا ہے تو دوسری مٹھی میں ایک خوبصورت عورت کسی بچی کی مانند تڑپ رہی ہے۔

ایک گوشے میں مشترکہ تبدیلی جنس کے مختلف انسانی و حیوانی و جناتی نمونوں کا یکے بعد دیگرے ظہور ہو رہا ہے، تو دوسرے گوشے میں مختلف ماحولیاتی اختلاط کا مشترکہ عمل

وقوع پذیر ہے۔تیسرے گوشے میں رک رک کر ہونے والی بارشوں سے پانی کے بعد خون اور خون کے بعد تیزاب برسنے لگتا ہے۔

وقفہ،

تیزاب کی بارش آگ کی برسات میں تبدیل ہونے لگتی ہے،

وقفہ،

آگ کی بارش بھی دھواں دھواں ہوتی جارہی ہے،

گوشۂ چہارم میں مختلف قسم کے پھلوں، پھولوں اور سبزیوں کے مابین اختلاطِ باہمی کے نظارے جلوہ افروز ہو رہے ہیں۔

گوشۂ پنجم میں نگاہیں حیران ہیں کہ ایک سیب کے اندر سے کئی کیلو کا ایک آلو نمودار ہو رہا ہے،

گوشۂ ششم میں یہ عجوبہ وقوع پذیر ہے کہ ایک دس فٹ کے لحیم شحیم کدو کے ہر دو انچ پر مختلف قسم کی سبزیوں اور پھلوں کے جلووں کے علاوہ مختلف اقسام کے پھول بھی کدّو کی صورت وہیئت میں شریک ہوتے جارہے ہیں۔

دفعتاً سماقد کی آواز گونجتی ہے،

''اور سنو سربخش! کائنات کی تمام اشیاء اور مخلوقات کے مابین ہم جب چاہتے ہیں، جتنا چاہتے ہیں اور جیسا چاہتے ہیں اختلاط برپا کر دیتے ہیں اور صرف اختلاط ہی نہیں بعدِ اختلاط و تعیش، ہم انہیں سحرِ انقلاب وایجاد تک پہنچایا کرتے ہیں۔''

سربخش: ''حاصلِ انتہائے انقلاب وایجاد کیا ہے میرے آقا؟''

سماقدؔ: ''جس طرح میری بندگی تم پر فرض ہے اسی طرح میں بھی اپنے آقا کا بندہ وغلام ہوں۔میری طرح اسکے ہزاروں غلام ہیں اور ہمارے آقا کا نصب العین ہی ہم سب کا نصب العین ہے۔اور وہ یہ ہے کہ از اول تا آخر انتہائے شرک کے جدید

ترین اور نا قابل گرفت نمونے حاصل کئے جائیں حتیٰ کہ کائنات کی ہر شئے اپنی وحدت سے برگشتہ و منقطع ہوجائے۔ یعنی کہ ہر شئے میں اس حد تک شرک داخل ہوجائے کہ ہر شئے پر نہ صرف شرک کا غلبہ وغلغلہ عام ہوجائے بلکہ ہر وحدت اور تخمِ وحدت پر بھی شرک کا مکمل اختیار و اقتدار نظر آئے۔"

سرِبخش: "تو کیا کائنات کی ہر ایک شئے میں ایک وحدت ہے؟"

سماقد: "تم نے سہی سمجھا اور بہت قیمتی سوال کیا ہے۔ آج ہم تم سے بہت خوش ہیں سرِبخش۔ تو سنو؛ کائناتِ کل کی تخلیق ہی برائے اظہارِ وحدت ہوئی ہے اور ہم آج سے نہیں، لاکھوں، کروڑوں، اربوں سال سے اس کاوشِ عظیم میں مستغرق ہیں کہ کس طرح تمام اشیائے کائنات کی وحدت کو اور خود اس پوری کائنات کو بحوالہ شرکِ عظیم کرڈالیں۔"

سرِبخش: "لاکھوں، کروڑوں، اربوں سال سے؟"

سماقد: "بالکل! بالکل! اور سنو کہ اس پوری کائنات میں تمام تر جنگوں کی اصل صرف دو قسم کی جنگیں رہی ہیں۔ ایک وحدت کی اور دوسری شرک کی۔ مگر اس پوری کائنات میں یعنی کائنات کی ہر ایک ادنی سے ادنی اور اعلی سے اعلی شئے میں وحدت اتنی مضبوط، طاقتور اور باریک ترین واقع ہوئی ہے کہ عظیم سے عظیم اور باریک سے باریک تمام اقسام کی شرکت یکجا و یکجان ہوکر بھی کسی ایک وحدت کو نابود نہیں کر پاتی۔"

سرِبخش: "یہ آپ کیا فرما رہے ہیں عالی جاہ؟"

سماقد: "تمہیں معلوم نہیں ہے سرِبخش کہ خود شرک کے اندرونِ خانہ بھی ایک وحدت ہوتی ہے، جسے تم شرک کی وحدت کہہ سکتے ہو۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ہم آج تک ایک شرک بھی ایسی ایجاد نہ کرسکے جس کی بنیاد میں وحدت شامل نہ ہو۔ چنانچہ ہم لاکھوں سال سے یہ کاوشیں کررہے ہیں کہ شرک بغیرِ وحدت ایجاد کرسکیں اور اس پوری

کائنات میں صرف شرک ہی کی بنیاد پر تمام تر ایجادات کا ظہور ہو۔اور اب ایسا لگتا ہے، ایسا لگتا ہے سر بخش کہ عنقریب ہمارے محققین اس میں کامیاب ہو جائیں گے ۔پس عنقریب یہ دن ہمارا دن ہوگا۔یہ دن تمہارا دن ہوگا، یہ ہم سب کا دن ہوگا سر بخش، ہم سب کا۔"

سر بخش: "تو کیا ہم لوگ آنے والی سب سے بڑی خوشخبری کے قریب پہنچ چکے ہیں؟"

سماقد: "یقیناً، ہم کائنات کی سب سے بڑی خوشخبری کے قریب تر ہیں ۔اور اس وقت پوری کائنات میں پھیلے ہمارے برادران و بزرگ وعزیز کی شب و روز کی کاوشیں تخمِ وحدت کو بحرِ اختلاط واشتراک کے تلاطم میں غرقاب کیا ہی چاہتے ہیں ۔پس جشنِ فتحِ شرک و ایجادات کی تیاری میں لگ جاؤ سر بخش! جشنِ فتحِ ایجادات کی تیاری میں!"

سر بخش: (فرطِ مسرت سے) "میرے آقا، میرے آقا! سر بخش اپنی قوم کے ساتھ جشنِ عظیم کی تیاری کو بے چین و بے قرار ہے۔پس رختِ سفر کی اجازت ہو!"

سماقد بڑے غور سے سر بخش کو دیکھنے بلکہ سر سے پاؤں تک ٹٹولنے لگتا ہے ،مگر اس سے قبل کہ سر بخش کچھ سمجھ سکے سماقد ایک ہلکی سی پھونک مارتا ہے اور سر بخش کے ٹکرے ٹکرے ہو جاتے ہیں ۔ان میں سے کچھ ٹکرے گھنے گھنے درختوں میں اور کچھ اونچے اونچے پہاڑوں میں تبدیل ہو جاتے ہیں،

ہیبت ناک موسیقی،

اور انتہائی سرعت کے ساتھ تحلیل و تبدیل ہوتے گرد و پیش کے مناظر،

اور رفتہ رفتہ گرتا ہوا پردہ تاریک!!

☆☆☆

حصہ دوم

طویل/طویل ترین

سحر مُبین

: تصور اول :

میلوں لمبے، اونچے تصور کے ایک گوشے میں ننھی کرنیں جھلملاتی ہیں،
اور جب روشن ہو کر متحد ہوتی ہیں،
ایک گوشے میں شفاف نہر بہہ رہی ہے،
رواں موجوں کا ہلکا ہلکا شور،
سبز و شفاف نہر،
سبز زار کنارے،
چمن زار کی خوشنمائی،
صبا کے سرسراتے جھونکے،
اور تازہ تازہ راحت کا احساس،
تصور کے دوسرے گوشے میں یہ اضافہ کہ سبز زار شفاف نہر کی لہروں پر ایک حور لیٹی ہے۔ لیٹے لیٹے رواں نہر پر نگاہ ناز کو جنبش دیتی ہے۔

رفتہ رفتہ کھلتی نرگسی آنکھیں'

مدہوش نگاہی ایسی کہ نگارخانہ' چشم ناز میں رقصاں مینا کاریاں'

حتیٰ کہ پھیلتی رنگ آمیزی----روشنی کے سائے میں تبدیل ہوتی ہوئی از نہر تا سما......قد وقامت اختیار کر جاتی ہے۔یعنی سایہ نما روشن سماقد کے دیو قامت پاؤں کے دیو قامت ناخن میں نہر' سبزہ زار اور حور سب تیرتے نظر آتے ہیں۔

-وقفہ-

سماقد میں رفتہ رفتہ تاریکیوں کے لہو چھینٹے اڑنے لگتے ہیں'

سیاہ لہو کے سیاہ چھینٹے'

ہیبت ناک قامت میں تبدیل ہوتا سماقد'

عجب ناک ہوتی موسیقی اور مخالف جانب ہر ہراتی کوند'

ناخن میں تیرتی وہی حور' نہر اور سبزہ زار'

وقفہ-

سماقد کے دیو قامت ہونٹ ہلتے ہیں۔

''سربخش'' (جیسے برگزیدہ مسکراہٹوں کی گونج ''سربخش۔سربخش۔سربخش'')

اور تقریباً تین ہزار سات سو پچاس گز اونچا ایک دوسرا سایہ سر جھکائے حاضر ہوتا ہے'

''سربخش اپنی قوم کے ساتھ حاضر ہے عالی جاہ''

سماقد: ''نفل، الیو اور نفر کہاں ہیں''

سربخش ''تمام عظیم الجثہ و عظیم القوۃ نسلیں بارگاہ عظیم کی منتظر ہیں''

سماقد: ہم بہر طور امن چاہتے ہیں۔آسمانوں میں اور زمین میں۔اور ہم نے امن کا ایک بڑا انوکھا طریقہ ایجاد کر رکھا ہے۔ہم نے طائف، مرجومین، ذریہ، قبیلہ، جنود اور

جن میں جواختراع کی کیاتم ان سے واقف ہو؟''

سر بخش'' آپ کے پیغامات سرآنکھوں پر مگر صد حیف کہ یہ عاجز اب تک ان سے ناواقف ہے اور آپ ہی بہتر ایجاد والے ہیں''

سماقد:'' تب تو تم غواص، بناء، ملقی، خناس، نزاع اور اصفاد کی قوموں اور ان کی بے پناہ صلاحیتوں سے بھی ناواقف ہو گے؟''

سر بخش'' بے شک، کہ ہماری بصیرت کی مجال ہی کیا''

سماقد: سنو؛ ہم نے اپنے اولیاء، اخوان، متبعو اور مجلبہ کی سرشت میں بھی مخصوص انوکھا پن رکھ چھوڑا ہے۔''

سر بخش'' میرے آقا' اس انوکھے پن کو ہمارے لئے سہل الحصول فرما دیجئے''

سماقد:'' اے محیر العقول ارتقائی نطفہ یا (Criss cross genetic cross breeding یا Multi Layer Chain Cross Breading کے بطور سمجھو''

سر بخش:'' تو کیا تبدیلی جنس یعنی مرد میں زن اور زن میں مرد بھی ممکن ہے؟''

سماقد: بین المخلوقاتی نسلوں کی امن پسندی کے دائرے بدر جہا وسیع ترین ہیں۔ اور ان میں نیم انسانی، نیم ملکی، نیم جناتی اور نیم حیوانی نسلیں تو بہت آسان ترکیبیں ہیں۔''

سر بخش'' میرے آقا۔''

سماقد'' یاد رکھو، تم بھی اسی انوکھے پن کی پیدائش ہو۔ اور اب کائنات میں میرا کوئی نمک خوار اس لطف عظیم سے محروم نہیں''

سر بخش'' لیکن عاجز گوش گزار کیا چاہتا ہے کہ انسانوں کی نسل میں بعض اب بھی اس سے محروم محض ہیں''

سماقد'' امن سے محروم رہنا سرتاپا ظلم ہے''

سر بخش "احقر جانتا ہے عالی جاہ۔ لیکن وہ بڑے ہی ناہنجار، احمق اور سخت جان لوگ ہیں"

سماقد "لذت وصال سخت جانی کی اصلوں کو پگھلانے ہی کے لئے ہے۔ احمق مرد کو عیار عورت عطا کرو۔ عیار مرد کو احمق عورت۔ حالانکہ عیار مرد کو عیار عورت اور احمق عورت کو احمق مرد بھی بطریق احسن فیض یاب کر سکتے ہیں۔"

سماقد کا تخاطب گونجتا ہے۔ وہ اپنی پلکوں کو تصور کے دوسرے گوشے کی جانب مبذول کرتا ہے۔۔۔ نہر سے لگے سبز زار کے درختوں میں سے دو میں تھرتھراہٹ شروع ہو جاتی ہے۔ اور ایک درخت پھٹ کر وا ہوتا ہے جس میں نقاب پوش مرد و زن کا ایک جوڑا ابتلائے مباشرت ہے۔۔۔'

دونوں کے جسم رنگین چادروں میں ڈھکے ہیں'

دوسرے گوشے میں لوگوں کی ایک ٹولی رفتہ رفتہ نمودار ہو رہی ہے۔ ایک جج' ایک وکیل' ایک ٹیچر' ایک فلسفی' ایک سنگ تراش' ایک رقاصہ۔۔۔ ایک مولوی' ایک پنڈت' ایک پادری۔۔۔ ایک افسر' ایک انجینئر' ایک ڈاکٹر' ایک پولس اور ایک نیتا اپنی اپنی وضع میں رونق افروز ہو رہے ہیں۔ مگر سبھی کے گلوں سے مختلف رنگین جالیں لپٹی اور لہرا رہی ہیں۔ جالوں کا ایک سرا گردنوں میں اور دوسرا خلائے بسیط میں گم گشتہ نظر آتا ہے۔ جبکہ سبھی ایک دوسرے پر کتوں کی مانند مگر ہولے ہولے بھونک رہے ہیں۔ منظر ہذا کے تمام ہونے سے قبل ہی دوسرا درخت بھی پھٹ کر وا ہوتا ہے۔ دو کریہہ صورت دیو ہیکل مرد و زن گہری نیم تاریکی میں مشغول مباشرت محسوس ہوتے ہیں۔

سماقد کے ہونٹ اسی طرح ہلتے ہیں:

"اور سنو سر بخش۔ تم جو درختوں میں مرد و زن کو یوں آزاد دیکھ رہے ہو اور جالوں میں لپٹے لوگوں کو ایک دوسرے پر بھونکتے ہوئے پا رہے ہو سو ہم نے اس کی بھی صورتیں بنا رکھی ہیں۔ تدبیر ہماری کہ ہم نے دولت کو غلام کیا۔ اس کے اقسام کئے اور

تقسیم کی۔سوچکانے والوں اور دولت کے خیر خواہوں نے مسئلوں سے شغف اختیار کیا۔ہم نے مسئلے پیدا کئے اور مسئلوں پر فتح یابی حاصل کی۔قرض خوروں اور سود خوروں کو ہم نے علوم وفنون کے جوہر سکھائے۔انہیں سحر مبین میں درجہ بہ درجہ ملکہ عطا کیا۔اور جب وہ اپنے قدوں کے تنہا بادشاہ ٹھہرنے لگے تو تحفظات وترقیات کی تنہائیوں' پنہائیوں اور آزادیوں کے دیوانے بھی مشہور ہوئے۔اور دنیائے دولت کے سحر نے انہیں خواب گاہ روحانی تک پہنچادیا۔اور ابجد کے مفاہیم یکسر تبدیل ہو گئے۔''

سر بخش ''یعنی سحر مال ومآل بڑا کام آیا''

ساقد ''اسے رحمت مال ومآل کہو۔تم نے واقعی کچھ نہیں سیکھا۔''

سر بخش ''ناچیز سیکھنے کی سعی کی ہی جانب ہے قبلہ''

ساقد ''اور سنو کہ انڈوں سے لیکر بچوں تک' سبزیوں سے بیل بوٹوں تک اور گھاس سے تناور درختوں تک۔اسی طرح باورچی خانوں سے مہمان خانوں تک،ہوٹلوں سے قحبہ خانوں تک،مسجدوں سے بت خانوں تک،سواریوں سے حواریوں تک،مدرسوں سے یونیورسٹیوں تک،خاندانوں سے ممالک تک اور انسانوں سے حیوانوں تک ہی نہیں،ندیوں،پہاڑیوں،سمندروں،صحراؤں،خلاؤں اور سیاروں سے شمس وقمر کی شعاؤں تک ہم نے سب کو سحر مبین کے حوالے کر رکھا ہے۔سب کی اصلوں میں سحر آفریں اختلاط کا غلبہ اور غلغلہ دیکھ لو اور خوب دیکھ لو کہ یہ کس طرح برکتوں کی دلیلیں ثابت ہو چکی ہیں۔''

سر بخش ''شاہا۔کیا برکتوں کی ان دلیوں کو کبھی اندیشے بھی ہوں گے؟''

ساقد ''بے قوف' ساقد جسے بابرکت کردے وہی بابرکت ہے۔اور کس کی مجال کہ وہ اپنی ہی نقل سے پھر جائے۔اور جو پھرا تباہی تو صرف اسی کی منتظر ہے۔''

سر بخش ''آقا،کیا یہ ممکن ہے کہ سبھی برہنہ ہوں؟''

جواباً سماقد کے زوردار قہقہے بلند ہوتے ہیں۔اور تصور کے تیسرے نیم تاریک گوشے کی جانب اس کی نگاہ ملتفت ہو جاتی ہے۔

تیسرے گوشے میں دو درخت ہنوز وا ہوتے ہوئے'

ایک درخت میں از سرتا پا سیاہ چادر میں ڈھکی کسی شئے پر ایک حیوان نما دیو ہیکل سوار نظر آتا ہے جبکہ دوسرے درخت میں مولوی صورت مرد کے سینے پر ایک بت طناز کا صنم قامت بت جھول رہا ہے۔طویل زنانہ سسکیوں اور مردانہ کراہوں کے بین بین سرسراتی ہوائیں'

بند ہوتے درخت'

رفتہ رفتہ معدوم ہوتے مناظر'

-وقفہ طویل-

ہلکی روشنی'

مناظر خلاء'

اور سر بخش کو مخاطب سماقد کے ہونٹ'

''سر بخش''

سر بخش ''جی۔جی عالم پناہ''

سماقد ''جن تجربہ گاہوں کی سیر تم نے ابھی کی' کیا ان میں کچھ کمی بھی ہے۔''

سر بخش ''نہیں عالم پناہ''

سماقد ''ہے۔عظیم الجثہ وعظیم القوۃ نسلوں کے لئے ان میں ہنوز اضافوں کی ضرورت ہے''

سر بخش ''یعنی؟''

سماقد ''برداران شطن کو چاہئے کہ اپنے لطف واعجاز میں حیوانوں کو بھی شریک

کریں۔احمق وعیار مرد وزن میں کبھی حیوانوں کو آگے رکھیں، کبھی اپنی قوم کو اور کبھی سب کو مخلوط و مشترک رکھیں۔یعنی 'زنا بین المخلوقات' کو انتہائے وسعت وحیرت سے لبریز کردیں۔''

سر بخش ''اگر ایسا ہوا تو یقیناً کوئی کسر باقی نہ رہے گی''

ساقد اپنی نگاہیں اوپر اٹھاتا ہے، جہاں خلائے بسیط ونیم تاریک میں چند بلند وبالاعمارات، ان کی جگمگاتی شوکت اور مسرور کن کیبرے دھنوں کی رم جھم برسات ہورہی ہے۔ایک گوشئہ تاریک سے ملوں، فکٹریوں کے متصادم شور کے مابین دوسرے گوشئہ تاریک میں کرنسیوں اور ڈالروں کا بہتا، جھر جھراتا جھرنا اپنے جلوے بکھیر رہا ہے۔کبھی ایک بہت بڑے انڈے سے سینکڑوں انڈے نمودار ہوتے ہیں۔کبھی سی ڈی کیسٹوں اور کبھی موبائلوں میں فحش وبرہنہ تصویروں کے ساتھ دنیا کے نقشے میں الگ الگ حصے رقصاں نظر آتے ہیں۔دفعتاً ایک چھوٹا سا منظر ابھرتا ہے جس میں چھٹپٹاتے بچے اور بچیوں کی بوٹیاں کاٹ کاٹ کر توے پر تلتے اور چباتے ہوئے وحشی لوگوں کا ایک گروپ ابھرتا ڈوبتا چلا جاتا ہے۔

ساقد اپنی نگاہیں خلاء سے اٹھا کر جانب فلک مرکوز کرتا ہے، جہاں آسمان کے دیوہیکل جنوں میں بعض کے سر حیوانوں کے اور بعض انسانی شکلوں میں نظر آتے ہیں۔دیوہیکلوں کے ساتھ پھڑ پھڑاتے ننھے منے چرند وپرند اور بعض بچہ جانوروں کو بھی دیکھا جاسکتا ہے۔زمین کے دوسرے مناظر تاریکی میں ڈوب چکے ہیں۔

ساقد کی آواز گونجتی ہے

''سر بخش''

سر بخش ''جی۔جی عالی مقام''

ساقد ''میں چاہتا ہوں کہ ایک اک ذی روح امن میں تحلیل ہوکر سراپا امن

ہو جائے۔مگر اکثر اپنی طبعی صورت میں----"

سر بخش "جان بخشی ہو تو ادراک چاہوں کہ طبعی صورت کے مخلوط ہونے کا راز کیا ہے؟"

جواباً سماقد کے قہقہے ایک بار پھر بلند ہوتے ہیں:

سماقد "فی الوقت تمام نئے ذرائع اور نئے ضابطوں سے تمام انسانوں میں امن کو ڈال آؤ۔ہم چاہتے ہیں کہ متعدد السطوح اور متسلسل اختلاط کا بین القلبی، بین الروحانی اور بین الانسانی سلسلہ تیز تر ہو جائے کہ انسانوں کی بقا اسی میں ہے۔"

سر بخش "عالم پناہ؛ جہاں تک آپ نے ہمیں بتایا ہے کہ انسان بقا کو کبھی نہیں پاسکتا۔کیوں کہ انسان بڑا کمزور واقع ہوا ہے۔اور اکثر کمزوریاں تو ایسی ہیں کہ وہ مجبور محض اور حقیر ترین معلوم ہوتا ہے۔پھر ان کو بقا کیسی؟"

سماقد: "بقا بڑا ہی وسیع المفہوم ہے اور اس کے مفاہیم حیرت انگیز۔آؤ ہم تمہیں ایک بڑے معمولی سے حیرت کدے کی سیر کراتے ہیں۔"

سماقد دھیرے دھیرے اپنی آنکھیں بند کرتا ہے اور تاریکیاں سماقد کی بند ہوتی پلکوں کے اوپر سے پھیلتی چلی جاتی ہیں......'

---وقفہ--

بسیط تاریکیوں اور سماقد کی بند آنکھوں پر روشنی کی کرنیں پھوٹتی ہیں۔ایک تجربہ گاہ روشن ہوتا ہے۔ایک گوشے میں ایک شخص کا اعضائے تناسل گھوڑے کے اعضائے تناسل سے بدلنے کے لئے آپریشن چل رہا ہے۔قلب، گردہ، جگر، آنکھ، زبان، انگلیاں، ہاتھ پاؤں جیسے اعضائے انسانی قیمتی سامانوں کی طرح الگ الگ چھوٹے چھوٹے شیش محلوں میں سجے ہیں۔بعض جانوروں کی کھلی ہوئی لاشیں اور پوسٹ مارٹم شدہ انسانی ڈھانچے ادھر ادھر پڑے ہیں۔بعض پیڑ پودے، بعض پھل پھول اور مختلف قسم

کے چھوٹے بڑے آلات و مادنیات کے ساتھ ''سر بخشوں'' کی متحرک مختلف ٹیمیں......
سماقد کا سایہ ایک گوشے میں ابھرتا ہے' وہ سر بخش سے مخاطب ہے'

''سر بخش- اور یہ دیکھو---'' وہ اپنے ایک ہاتھ کو سر کے قریب لا کر نیچے تک ایسے لے جاتا ہے جیسے اوپر سے نیچے تک ایک پردہ قائم کر رہا ہو۔ اوپر سے نیچے تک چاروں طرف اندھیروں کی جھلمل باریک چادر پورے تجربہ گاہ پر محیط ہو جاتی ہے۔ اور رفتہ رفتہ تمام اشیاء جو نیم تاریک پردوں کے پس پشت ہیں' سے مانند دو لمبے سانپوں کے جو آپس میں لپٹے اور بلکھاتے جسموں کے ساتھ نمودار ہو رہے ہیں' سر بخش کا سامنا ہوتا ہے۔ سر بخش سوالیہ نگاہوں سے سماقد کی جانب دیکھتا ہے۔

سماقد: ''اور یہ سطحیں جو نمودار ہو رہی ہیں یہ سرشت کے اور زندگی کے بنیادی مادے ہیں اور ہم نے تمام مادوں کو باہم اختلاط میں مدہوش کر رکھا ہے۔ ہم جتنوں کو چاہیں ایک میں بدل دیں اور جس کو چاہیں انیک کریں۔ پیکروں میں ہماری حکومت ہے اور زندگیوں میں ہماری چاہ''

سیڑھی نما، بل کھاتی، نمودار ہوتی لہریں تمام اشیاء کے گرد اور ایک دوسرے میں پیوست ہوتی ہوئی بے شمار رنگوں کے جال بنتی نظر آتی ہیں۔ ایک گوشۂ تاریک میں ایک بڑے بیکر کے اندر ایک مجموعۂ مخلوقات رفتہ رفتہ ڈیولپ ہو رہا ہے۔ اس کے ہاتھ پاؤں اور جسم کا ہیولا نسان نما ہے۔ مگر اس کے جسم کے ہر ایک انچ دو انچ پر دوسری مختلف ہیئتوں کا گمان گزرتا ہے۔ غریق حیرت سر بخش سماقد کی جانب دیکھتا ہے تو سماقد ہولے ہولے مسکراتا ہے جیسے برگزیدہ لبوں کی بے نیاز مسکراہٹ۔

سماقد: اور سر بخش' قبرستان کی سیر بھی کیا کرو۔ کیا تمہیں موت سے شغل نہیں؟''

سر بخش: ''موت سے شغل؟ موت سے-----؟؟''

سماقد کے قہقہے گونجتے ہیں اور وہ ایک جانب اشارہ کرتا ہے۔ ایک گوشۂ دھند میں

قدیم ترین قبرستان کے ڈھیتے ہوئے ڈھانچوں کے ساتھ ایک طویل میدان نمودار ہورہا ہے۔ لمبی لمبی جھاڑیاں اور خس وخاشاک سے بھرپور ہیبت ناک قبرستان سے جانوروں اور کیڑے مکوڑوں کی روح فرسا آوازیں ابھر رہی ہیں۔ ساقد اور سر بخش کے طویل القامت سائے قبرستان کے بیچوں بیچ آکر ٹھہرتے ہیں۔ ساقد زمین کے ایک گوشے کی جانب انگلیوں کا اشارہ کرتا ہے تو جھاڑیوں کے درمیان سے ایک قدیم ترین پرانی کھوپڑی' اسی طرح دوسری جگہ سے ہڈی کا ایک ڈھانچہ اور تیسری جگہ سے صدیوں پرانی بدرنگ مٹی نمودار ہوتی ہے اور جب وہ پورے قبرستان پر نگاہ ڈالتا ہے تو سر بخش دیکھتا ہے کہ پورے قبرستان میں یہاں وہاں لاشیں بکھری ہوئی ہیں۔ اور سفید پوش لوگوں کی تین ٹیمیں اپنے نئے نئے آلات کے ساتھ الگ الگ لاشوں پر جھکی ہوئی ہیں'

پراسرار ہیبت ناک دھند......'

--وقفہ--

طویل وقفے کے بعد تینوں ٹیموں کے درمیان سے ایک ساتھ تین زندہ دیو قامت شخصیتیں ابھرنا شروع ہوتی ہیں جن کے ساتھ ساتھ گرد وپیش کی چھوٹی جھاڑیاں' چھوٹے درخت' درختوں میں لگے چھوٹے چھوٹے پھل اور قسم قسم کے پھول بھی طویل القامت ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اور سر بخش دیکھ رہا ہے کہ گلاب کی شاخ پر آلو اور سیب کے درخت پر پیاز ہی نہیں بلکہ سبزیوں' پھولوں اور پھلوں کی نسبتاً چھوٹے بڑے درختوں کی جڑیں اور کہیں کہیں شاخیں تک ایک دوسرے میں پیوست ہو چکی ہیں۔

ساقد: ''اور خاک کے پردوں سے جانوروں کا نکلنا بھی تمہیں دیکھ لینا چاہیے''

وہ دوسری جانب اشارہ کرتا ہے'

وہی پُراسرار ہیبت ناک دھند......'

گوشۂ دھند سے رفتہ رفتہ ایک طویل القامت گیدڑ نمودار ہوتا ہے......'

وہ طائروں کی طرح انگڑائی لے کر مور کی چال چلتا ہوا سیب کی شاخ کے قریب پہنچتا ہے۔ چند لمحوں تک سیب چبانے کے بعد وہ پھولوں کی سمت بڑھتا ہے یہاں تک کہ گلاب سے بھری شاخوں میں اس کی ناک چھپ جاتی ہے۔

ایک الگ گوشۂ نیم تاریک میں ایک بے حد خوبصورت شخص مانند خنزیروں کے غلاظتوں کو اپنی لپلپاتی زبان سے چاٹ رہا ہے' معاً رکتا ہے، سیدھا ہو کر کھڑا ہوتا ہے، انتہائی چمکیلی نگاہوں سے دوسری جانب گھورتا ہے اور اپنے سرخ ہوتے چہرے کے ساتھ ایک سمت میں ایسے سر مارتا ہے جیسے زہریلا ناگ اچانک پھنکار رہا ہو۔ وہ پھر رکتا ہے' سنبھلتا ہے اور دو چار قدم آگے بڑھ کر شیر کی طرح انگڑائی لیتا ہوا ایسے چنگھاڑتا ہے جیسے بدمست ہاتھی اپنے پورے جوش میں چنگھاڑ رہا ہو۔ وہ پھر رکتا ہے، دو چار قدم اور آگے بڑھتا ہے اور بالآخر ایک جگہ رک کر پھر اپنی زبان باہر نکالتا ہے اور اپنی لپلپاتی زبان سے دوبارہ غلاظتوں کو چاٹنا شروع کر دیتا ہے۔ اس بار سماقد خود حیرت سے اچھلتا ہوا سر بخش کی جانب دیکھتا ہے:

"دیکھا -- دیکھا تم نے سر بخش -- یہ تو میری امیدوں سے کہیں زیادہ بڑی بقا ہے"

سر بخش گہرے تذبذب کا شکار ہو کر گہری خاموشی میں ڈوب جاتا ہے۔ چند لمحوں بعد جیسے خاموشی کے گہرے کنوئیں سے اس کی متذبذب آواز اُبھرتی ہے۔

سر بخش "لیکن عالم پناہ! انسانوں میں احمقوں اور سخت جانوں نے اپنا ایک دائرہ خاص قائم کر رکھا ہے۔ پھر انہیں امن کا یہ مزہ کیونکر چکھایا جا سکتا ہے اور کیونکر دائرہ امن میں انہیں لایا جا سکتا ہے؟"

سماقد "تم ہماری تکوین کو نہیں جانتے۔ عالم اشیاء' عالم عصر اور عالم بریہ میں سے کچھ بھی ہم سے مبرا نہیں۔ پھر ایک دائرہ محض کی اوقات ہی کیا۔ اور سنو کہ قوت کی انتہا پر

دہشت کی گرہیں ہماری ہیں۔ ذروں کو آفتاب ہم بناتے ہیں۔ ہماری بارشوں سے زمین راکھ ہو جاتی ہے۔ ہم جسے چاہیں عدم وجود میں تبدیل کر دیں، جسے چاہیں آئینہ عدیم النظیر کریں۔ بصیرتوں پر ہمارا ہی پہرہ ہے اور اس کی ہر شبیہہ کے اولین تاجر بھی ہمیں ہیں۔ ہمارے انصاف کی کوئی حد نہیں اور نہ کوئی جان سکتا ہے۔ البتہ ہم جب چاہتے ہیں عدل کو امن میں اور امن کو انتہائے دہشت میں تبدیل کر دیتے ہیں اور خون ہمارے لئے ہر کیفیت میں لذیذ ہے۔"

سر بخش "خون کی لذت تو واقعی لذیذ ترین ہے۔"

ساقد "سر بخش!--- خون کی لذت صرف حصوں میں نہیں مثلاً سر کے حصے کی لذت وغیرہ بلکہ اجزاء سے محور کل تک خون کی لذت ہمارے لئے موجیں مارتی ہے۔ ہمارے جلادوں کی رگوں میں لذتوں کا خون دوڑتا ہے۔ عریانیت کی لذت گرمی بازار ہے اور سرور و انبساط فحشیات کی رکھیل۔ عریانیت کی شہرت و مقبولیت کا عالم کہ حیا سر بازار مبتلائے زنا ہے اور فیضانِ حیا پایۂ عریانیت کی پازیب۔ قانون کے دماغوں میں ہمارا دخل ہے اور واسطے دلرباؤں کے ہم نے قانون میں امنِ شدید کو داخل کر رکھا ہے۔ ہم نے ازدواج پر اختلاط کو قائم کیا حتیٰ کہ عدالتیں ازدواج سے پناہ مانگنے لگیں اور جس کسی نے کثر ازدواج کا تصور بھی پالا سو قوس قزح کی لذتیں تو اسی کو پیدا ہیں۔"

سر بخش "لذت قوس قزح کا راز کیا ہے آقا۔"

ساقد: "صارفی نظام کی لذتوں کا محاسبہ کرو۔ تعیش کی ایجادوں اور فیشن کے قانون پر اسی کا تسلط ہے۔ رہی کیڑے مکوڑوں کی زندگیاں، سوان کی زندگیاں ہمارے مرکز و محور کے گرد گھومتے رہنے والے محض دانے ہیں۔ تکوین سے تخلیق اور تخلیق سے ترویج تک ہر شئے میں ہماری لذتوں اور برکتوں کا سحر ہے اور خوب جان لو کہ ارتقائے تہذیب و تمدن میں ہمارا ہی رنگ فیصل ہے۔ دس بیس ملکوں کو تو ہم جب چاہیں چٹکیوں

میں گھمادیں، سوایک دائرہ محض کی اوقات ہی کیا۔"

سر بخش "مگر وہ بڑے سخت جان اور---"

سماقد "خاموش!!!---"

سماقد کی کرختگی کے ساتھ ہی سناٹا چھا جاتا ہے۔

-وقفہ-

رفتہ رفتہ سماقد آدمی ضعیف کی قامت اختیار کرتا ہوا

نہر اور سبزہ زار اپنی جگہ

حسینۂ بلاخیز اٹھ کر ساتھ ضعیف کے ہو لیتی ہے

سر بخش پیچھے پیچھے

نہر کے بعد سبزہ زار کو عبور کرتے ضعیف، حور اور نوکر!

: تصور دوم :

گاؤں کی ایک پنچایت کا منظر۔

ایک جانب نقاب پوش خواتین ہیں۔ دوسری جانب مرد افراد۔ ایک بڑے درخت کے نیچے ایک چبوترہ پر پنچان تشریف فرما ہیں۔ مرد افراد کی اگلی صف میں بزرگ ساتھ اپنے نوکر کے۔ مکھیا فیصلہ کن انداز میں خطاب کرتا ہوا بزرگ کی جانب دیکھتا ہے۔

مکھیا: "نہیں بزرگ نہیں؛ ہم آپ سے متفق نہیں ہیں۔ آپ کو یہ خطّہ چھوڑنا ہی ہوگا یا پھر آپ کی بیٹی پر بھی گاؤں کی خواتین کی طرح ہی پردہ لازم ہے۔"

بزرگ صف سے اٹھ کر کھڑا ہوتا ہے اور مودبانہ عرض کرتا ہے:

"اگر یہی پنچان کا حکم ہے تو سر آنکھوں پر"

اور وہ پنچایت کی مجلس سے دھیرے دھیرے رخصت ہونے لگتا ہے۔

نوکر ساتھ ساتھ

-وقفۂ تاریک-

ایک نیم تاریک کمرہ میں بزرگ اور نوکر سر جوڑے نظر آتے ہیں۔ وہ ایک دوسرے کے کانوں میں کچھ کہہ رہے ہیں جیسے خفیہ تبادلہ میں منہمک ہوں۔ نوکر کے چہرے پر حیرت کے آثار اور بزرگ کے سوکھے ہونٹوں پر وہی پہلی سی پراسرار مسکراہٹ'

منظر تاریکیوں میں ڈوبتا ہوا،

تصور کے نیم تاریک اسکرین پر رونگٹے کھڑی کر دینے والی آوازوں کے درمیان حور کی دلخراش چیخیں......'

ایک لمحہ کو تاریکیوں پر روشنی کا سایہ سا'

اڑتے ہوئے دیوہیکل کتوں کے غول'

اور لگاتار تاریکیوں میں معدوم ہوتے مناظر'

---وقفۂ تاریک---

تاریکیوں سے روشنی کی کرنیں پھوٹتی ہیں۔ جھلمل روشنی میں عجیب وغریب ساز وسامان سے لیس ایک جدید ترین کمرے کا منظر'

شراب کی ترقی یافتہ رنگ برنگی بڑی بوتلیں اور کچھ رنگین گلاس ایک بڑے سے ٹیبل پر قرینے سے سجے ہیں'

ایک قطار میں چند ٹی وی' وی سی آر' کمپیوٹر، لیپ ٹاپ اور قسم قسم کے موبائل وغیرہ'

ایک گوشے میں ایک بڑا سا روبوٹ اور ارد گرد درجنوں چھوٹے بڑے موبائل'

سنگ مرمر کے کچھ مجسمے ادھر ادھر'

اور جھولتے گلدانوں میں رنگ برنگے شوخ پھول'

دفعتاً روبوٹ کے قدم اٹھتے ہیں'

وہ دھیرے دھیرے آگے بڑھتا ہوا شراب کی بوتلوں تک پہنچتا ہے۔ایک بوتل کھول کر ایک گلاس میں شراب انڈیلتا ہے۔گلاس کو ہونٹوں سے لگاتا ہے کہ موسیقی تھر تھراتی ہے۔کھلی ہوئی ٹی وی، لیپ ٹاپ اور موبائلوں کے ایپس پر مختلف مناظر تیر رہے ہیں۔کسی پر تیل کنویں کے ساتھ ایک تیل کارخانہ نمودار ہوتا ہے۔مختلف ماحولیاتی آلام کی ترجمان اور اپنی آئندہ جہتوں میں جاری وساری موسیقی۔کسی پر کئی قسم کی کانیں (مع شور)---کہیں کہیں بڑے چھوٹے بینکوں، قرض خوروں اور سود خوروں کا میلہ (مع شور)--کہیں پر ایک بڑی عدالت میں رشوت لیتے دیتے لوگ، جلاد صورت وکیلوں اور بین کرتے انسانی ڈھانچوں کے مخلوط مناظر (مع شور) --کہیں پر گندی اور غریب بستیاں (مع شور)--کہیں پر بلند وبالا عمارات (مع شور)--کہیں پر گرجتی توپیں اور اڑتے میزائل (مع شور)-- اور کہیں پر بڑے چھوٹے ہوٹلوں، کلبوں اور پارکوں کے اردگرد گوشۂ صحرا میں عریاں رنگینیاں جلتی بجھتی ہوئی معدوم ہو رہی ہیں۔

روبوٹ گلاس ختم کر کے ٹیبل پر رکھتا ہے کہ سبھی چینل یکا یک کھل جاتے ہیں۔سبھی پر مختلف قسموں کی عبادت گاہیں وجود پذیر ہیں جن کے اوپر اور اردگرد منہ میں خون آلود لوتھڑے لٹکائے...... گدھوں کی مختلف نسلیں منڈلا رہی ہیں۔سبھی وی سی آر کے ایک گوشے میں چند دروازے بھی نظر آتے ہیں جن پر جھولتے ہوئے پردے لٹک رہے ہیں۔دفعتاً دروازوں کے پردے اڑ اڑ کر ہوا میں لہرانے لگتے ہیں حتیٰ کہ--- دروازوں سے ٹوٹ کر پردے ہوا میں لہراتے ہوئے خلائے بسیط میں گم ہو جاتے ہیں۔

اندھیروں کا پھیلتا محیط سایہ'

---طویل وقفہ تاریک---

تاریکیوں میں ہلکی ہلکی روشنی'

سماقد اور سر بخش کے طویل القامت سائے'

قدموں میں حور کے کئی ہیبت ناک ٹکرے'

مگر ہر ٹکرے سے ایک نئی حور کی برآمدگی،

کسی ٹکرے پر آہنی حور،

کسی پر نباتاتی،

کسی پر جماداتی،

کسی پر آتشی،

کسی پر فضائی،

مگر کسی ایک ہی ٹکرے پر مختلف حیوانی وانسانی وجناتی وبین المخلوقاتی وماحولیاتی یعنی ایک عجیب المخلوق حور نظر آتی ہے۔

سماقد کے ہونٹوں پر وہی دیرینہ مسکراہٹ' اس کے لب اسی طرح کھلے ہیں:

"سر بخش--"

کانپتا تھرتھراتا سر بخش: "ج-جی-جی-جی میرے آقا"

"اس عجوبہ' حور کو گاؤں کے بیچوں بیچ نہیں بلکہ جلد از جلد اپنے ہی دروازے پر سجا لو تاکہ صبح ہونے میں تاخیر نہ ہو---"

"لل......لیکن--لیکن میرے آقا، آخری بار تو سوچئے کہ یہ......یہ......آپ کی......"

"جو میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے"

کانے سماقد کا اینٹھا اور اکڑا ہوا لہجہ گونجتا ہے تو نیم تاریکی جھرجھراتی ہوئی ہنوز

تاریک ہو جاتی ہے'

گہری ہوتی تاریکیاں'

---وقفۂ طویل و تاریک---

بسیط تاریکیوں میں سے ایک گوشۂ تاریک جو کہ تاریک تر ہے ذرا ذرا سا روشن ہوتا ہوا.................

جہاں سماقد کے دیو قامت پاؤں کے دیو قامت ناخن میں تیرتی ایک دوسری نوخیز حور.............................،

چہار جانب نئی نئی خوبصورت نہریں'

اور نئے سبز زار کنارے جلوہ افروز ہو رہے ہیں..............!

☆☆☆

رت جگے

: تصوراول :

طویل تصور کے بیچوں بیچ ایک سوکھا ہوا دریا...... تصور کو دو حصوں میں تقسیم کر رہا ہے، دریا کے کنارے جھگی جھونپڑیوں کی قطاریں جن کے پیچھے شہر کی بلند و بالا عمارتیں، مل، کارخانوں کے مناظر جھانک رہے ہیں...... کارخانوں کی چمنیوں سے اٹھنے والے دھوئیں ہوا کے دوش پر ندی کے دوسرے کنارے تک پھیلتے جا رہے ہیں۔ دوسرے حصے میں جنگل کی پرچھائیاں پھیلی ہیں۔ آپس میں الجھے ہوئے درختوں کا ایک گھنا سلسلہ --- ٹیڑھے میڑھے راستے کہیں کہیں نظر آ رہے ہیں۔ شہری کنارے سے کہیں کہیں گندے نالے دریا میں گر رہے ہیں۔

دفعتاً سائرن کی آواز ابھرتی ہے اور اس کے ساتھ ہی بوڑھے اور جوان لوگوں کی مختلف ٹیمیں شہری کناروں پر نمودار ہونا شروع ہوتی ہیں۔ ان کے ہاتھوں میں قیمتی

اٹیچیاں ہیں اور جسم پر قیمتی لباس۔ کچھ لوگوں کے دانت باہر نکلے ہوئے۔ کچھ عجیب طرز کی زلفوں والے۔ کچھ دھوتی کرتے چندن ٹیکے والے۔ کچھ داڑھی والے' کچھ کلین شیوڈ۔ سب ایک دوسرے سے بے پرواہ اپنے اپنے راستے پر گامزن.............

اپنے اپنے انداز میں سوکھی ندی کو پار کرتے ہوئے لوگ......

دوسرے کنارے پر بسے جنگل کی جانب خراماں خراماں کمر بستہ!

منظر ساکت!

: تصور دوم :

مٹی کی ایک بوسیدہ جھونپڑی کا کھلا ہوا آنگن' ادھر ادھر بکھرے ہوئے خس وخاشاک۔ تنگ ٹیڑھی گلیاں۔ چاروں طرف مٹی کے بوسیدہ مکانات۔ ایک جھونپڑی کے آنگن میں کٹے پھٹے غبار آلود بورے پر لیٹی ایک معمر خاتون۔ اس کے پاس ہی لیٹا ایک دس سالہ بچہ۔ اس سے تھوڑی دور پر بیٹھا جھپکیاں کھاتا بیس اکیس سال کا لڑکا' فطری دیہاتی ماحول'

دفعتاً قدموں کی تیز ہوتی آہٹ کے ساتھ ایک ٹیڑھی میڑھی گلی سے دو تین شہری جھونپڑی کے آنگن میں داخل ہوتے ہیں۔ بڑا لڑکا چونک کر آہٹ کی طرف ترچھی نگاہوں سے دیکھنے لگتا ہے'

''بھوجی اوے بھوجی''

آنے والے آواز لگاتے ہوئے آنگن میں داخل ہو جاتے ہیں۔ عورت ہڑ بڑا کر اٹھ بیٹھتی ہے۔ سیٹھ نما شخص اپنے پیلے دانت باہر نکال کر مسکرانے کی کوشش کرتا ہے۔ ایک نوجوان سا چھوکرا اور ایک منشی صورت بوڑھا شخص سیٹھ کے ساتھ ہیں۔ عورت اپنے کھلے چہرے پر آنچل سے گھونگھٹ کا اوٹ بناتی ہوئی بوریئے کو جھاڑنے پوچھنے لگتی ہے۔

سیٹھ نما شخص'

''رہنے دو بھوَ جی۔کوئی بات نہیں۔بیٹھ بیٹھ کے تو ہم یہاں بور ہو گئے۔اور وہاں فیکٹری میں تالا پڑا ہے۔اور سب کو تو کہہ دیا ہے۔سب لوگ تیار ہیں۔صبح میں ٹھنڈے ٹھنڈے ہم لوگ نکل جائیں گے۔۔۔لاڈلا تیار ہے نا؟؟

سوئے ہوئے دس سالہ بچہ کی جانب سیٹھ گھورتا ہے۔بڑے لڑکے کی کھانسی شروع ہو جاتی ہے۔سیٹھ اس پر بھی ایک خفیف سی نظر ڈالتا ہے'

سیٹھ''ابھی تک ٹھیک نہیں ہوا یہ۔کوئی بات نہیں۔ہو جائے گا بھوَ جی۔بہت جلد ٹھیک ہو جائے گا۔اس کا حساب ابھی باقی ہے۔یہ ٹھیک ہو جائے تو خبر کرنا اور......''

وہ اپنی جیب میں ہاتھ ڈال کر کچھ روپے نکالتا ہے'

'لو یہ تم رکھ لو۔۔''

روپئے بوریئے پر پھینکتا ہے'

''اچھا تو ہم چلتے ہیں۔بہت سے کام ابھی باقی ہیں۔لاڈلا کو بھور میں تیار رکھنا۔دیکھو کوئی گڑبڑ نہ ہو''

سیٹھ جانے کو مڑتا ہے تو بوڑھا عورت کی طرف دیکھتے ہوئے لقمے دیتا ہے۔

''ٹھنڈے ٹھنڈے نکل جائیں گے تو اچھا رہے گا''

اور وہ لوگ دھیرے دھیرے گلی میں گم ہو جاتے ہیں۔

ان کے جانے کے بعد بڑا لڑکا اپنی جگہ سے اٹھ کر عورت کے پاس پہنچتا ہے۔پہلے برہم نگاہوں سے عورت کی طرف دیکھتا ہے پھر شدت جذبات سے اس کی آواز کانپ کانپ جاتی ہے'

''لاڈلا نہیں جائے گا۔نہیں جائے گا لاڈلا''

عورت''تُو کیسی بات کرتا ہے رے۔کتنے بھلے لوگ ہیں۔زندگی بنا دیتے

ہیں۔للّو کو دیکھا ہے؟ایک سال میں زمین، دوسرے میں گھر۔پھر کھیت، کھلیان، روپئے پیسے۔ارے کیا نہیں ہے اس کے پاس۔آدمی ہو گیا ہے آدمی"

لڑکا" دیکھ میں کہتا ہوں لاڈلا نہیں جائیگا تو نہیں جائے گا"

عورت "نہیں جائے گا تو یہاں بھوکوں مرے گا؟"

لڑکا"مرے گا تو مرے گا اور کیوں مرے گا۔یہاں بھی تو سب جیتے ہیں"

عورت "یہاں کوئی نہیں جیتا"

لڑکا" تو مرجانے دے۔یہیں مرجانے دے۔مگر وہاں مت بھیج۔مت بھیج وہاں۔"

لڑکے کی بندھی ہوئی مٹھیاں تھرتھراتی ہیں، یہاں تک کہ وہ کھانستے کھانستے بے دم ہو کر ایک جانب لڑھک جاتا ہے۔عورت گھبرا کر اس کی طرف لپکتی ہے اور تصور اندیشہ خیز موسیقی کے ساتھ اندھیرے میں ڈوبتا چلا جاتا ہے!

: تصور سوم :

طویل تصور پر ایک کارخانے کا منظر بکھرا ہوا ہے۔ایک کونے میں دو پھول مشینیں اپنی جھومتی برتی، اٹھتی بیٹھتی مرتب موسیقی کے ساتھ دھڑ دھڑا رہی ہیں۔دو بچے مشینوں پر کام کر رہے ہیں۔تصور کے بیچوں بیچ دو لمبے لمبے اڈے بچھے ہوئے ہیں۔ایک پر گلابی رنگ کی ساڑی تنی ہے، دوسرے پر کالی۔اڈوں کے چاروں طرف سات آٹھ دس بارہ سال کے بچے ایک قطار میں بیٹھے تنی ہوئی ساڑیوں پر زری ٹانکنے میں منہمک ہیں۔گلابی ساڑی پر کالی موتیوں کو زری کے ساتھ ٹانکا جا رہا ہے اور کالی ساڑی پر گلابی موتیوں کے ڈیزائن چمکتے دمکتے نظر آتے ہیں۔سبھی بچے ایک ہی رنگ کی لال ہاف پینٹ پہنے ہیں۔الجھے ہوئے بے ترتیب بال۔پسینے میں ڈوبا

بدبودار جسم، بہتی ہوئی ناک۔ میل سے اٹے ہوئے چہرے۔ کچھ چہروں پر چھوٹے چھوٹے زخم بہہ رہے ہیں۔ کچھ پر زخموں کے کریہہ نشانات ہیں۔ ٹیپ ریکارڈ کی گونج بھی جاری ہے۔ کچھ اونگھتے ہوئے لڑکے سر ہلا ہلا کر گانے کے بول کے ساتھ بدبدائے جاتے ہیں۔

کچھ بچے اڈّے پر جھکے ہاتھ میں سوئی لئے خراٹے لے رہے ہیں۔ ایک گوشے میں ایک پرانی گھڑی ٹک ٹک کر رہی ہے۔ تین بجنے میں دس منٹ باقی ہیں۔ دو بلب اور دو ٹیوب لائٹ بجلی کے جھولتے ہوئے ننگے تاروں کے جال پر دھواں دھواں سا جھول رہے ہیں۔ چاروں طرف کوڑے کرکٹ بکھرے ہوئے ہیں۔ جھولے، اٹچیاں، موٹریاں، موٹی موٹی گٹھریاں، ایک کونے میں پڑی ہیں۔ الگ الگ گوشے میں دو چھوٹے چھوٹے لکڑی کے دروازے۔ ایک دروازہ کے بعد گہری تاریکی پھیلی ہوئی ہے۔ دوسرے گوشے کے دروازے سے متصل دوسرے کارخانوں کے مناظر وقفے وقفے سے بدلتے رہتے ہیں۔ کبھی لیتھ مشینوں کے کڑکڑانے کی آوازیں آتی ہیں۔ کبھی ویلڈنگ کی چڑچڑاتی ہوئی چکا چوندھ کوند کوند جاتی ہے۔ کبھی لوہے پر ہتھوڑے کی متصادم گونج۔ کبھی کانچ، کبھی چوڑیوں اور کبھی مشینوں کے کھنکنے کی صدائیں۔ کبھی ربڑ، کبھی پلاسٹک، کبھی چمڑے کے جلنے بھننے اور ڈھلنے کی کریہہ بدبو پھیل پھیل جاتی ہے۔ کبھی سلائی مشینوں کی کھن کھن، کبھی لکڑیوں کی ٹھک ٹھک اور کبھی پھول مشینوں کی لرزہ بر اندام جھن جھن جھن......... '

تصور کے ایک گوشے میں چند میلے کچیلے لڑکے قطار میں کھڑے اونگھ رہے ہیں۔ ان کے سامنے غسل خانہ اور پائخانہ نما چھوٹی چھوٹی دیواروں پر پلاسٹک کے پردہ نما چیتھڑے لٹکے ہوئے ہیں۔ اندر والا باہر والوں کے حرکات وسکنات پر اور باہر والے اندر والے کے حرکات وسکنات پر نظر رکھتے ہوئے اپنے نمبر کے انتظار میں

کھڑے ہیں۔ غسل خانہ میں کوئی نہار ہا ہے۔ کیوں کہ پانی کے چھینٹے اڑ اڑ کر ادھر ادھر پڑ رہے ہیں۔ جب کسی اونگھتے ہوئے لڑکے کے چہرے پر چھینٹیں پڑتی ہیں تو وہ کسمسا کر آنکھیں کھولتا اور ایک بھدی سی گالی ہوا میں اچھالتا ہوا ایک گوشے میں ناگواری سے تھوک دیتا ہے۔

ادھر کچھ لڑکے جتنی تیزی سے اڈے پر ہاتھ چلا رہے ہیں اتنی ہی تیزی سے بیچ بیچ میں بیڑی بھی دھونکتے جا رہے ہیں۔ کوئی لڑکا پان غلغلا تا ہوا پان کی پیک کو بیچ سے اپنے بغل میں پھینکتا ہے اور بڑی بے پروائی سے اپنے کام میں مشغول ہو جاتا ہے۔

''خالی---خالی---خالی''

پائخانہ کے دروازے پر نمبر میں کھڑے لڑکوں کی آواز گونجتی ہے اور پائخانہ کے اندر کسمساہٹ شروع ہو جاتی ہے'

''خالی---

خالی--

ابے خالی--''

ہاف پینٹ کے بٹن لگاتا دھڑ پھڑاتا ہوا ایک لڑکا پائخانہ سے باہر نکلتا ہے اور اس سے پہلے کہ نمبر والا پائخانہ میں گھس جائے مشین پر کام کرتا ہوا ایک لڑکا جھٹ سے مشین کا بٹن بند کر کے پائخانہ کی طرف لپکتا ہے اور جوں ہی اس میں گھسنے لگتا ہے کہ پہلے نمبر والا بازؤں سے اسے پکڑ لیتا ہے'

پہلے نمبر والا ''باپ کا نمبر ہے کیا۔ پیچھے چل''

مخاطب لڑکا ''پیٹ خراب ہے میرا۔ جانے دے۔ چھوڑ۔ چھوڑ ارے'ارے'رے'رے---''

''بھر بھر بھر بھر''--پائخانہ کی بھر بھراہٹ'

پہلے نمبر والا''چھی چھی چھی! سالا حرامی پورے فیکٹری کا ناش کر دیا۔ اُف۔۔''
سبھی اپنی ناک سکوڑنے لگتے ہیں۔ کاٹ دار جملے' ملے جلے قہقہے اور گالیوں کی بوچھار'

''جا جا۔ جا باتھ روم میں گھس'' پہلے نمبر والا اسے باتھ روم میں ڈھکیلتا ہے۔ اسی وقت باتھ روم سے ایک لڑکا اچھلتا ہوا باہر نکلتا ہوا کہتا ہے''

''پانی کھلاس ہو گیا باپ''

پیٹ خراب والا لڑکا بے بسی سے دوسرے نمبر والے کی طرف دیکھتا ہے'

دوسرے نمبر والا''میرے کو کیا دیکھتا ہے بے۔ آں؟ پھوٹ پھوٹ۔۔۔''

تیسرا۔۔۔'' آنے دے بیٹا۔ آنے دے سیٹھ کو آج تیرے پیٹ کا علاج کراتا ہوں''

دفعتاً تاریک دروازے کے اندر سے ایک خوفناک شکل والا موٹا نمودار ہوتا ہوا دہاڑتا ہے،

موٹا''کیوں بے۔۔۔۔ سب مر گئے۔۔۔۔''

سبھی دھڑ پھڑا کر موٹے کی طرف ایسے متوجہ ہوتے ہیں جیسے ملک الموت آ گیا ہو۔ اور پھر سبھی اپنے اپنے کاموں میں بجلی کی سی سرعت کے ساتھ جٹ جاتے ہیں۔ موٹا باری باری سے سب کو گھورتا ہوا پوری فیکٹری کا معائنہ کرنے لگتا ہے۔ پیٹ خراب والا لڑکا دہشت سے کانپتا ہوا باتھ روم کے ایک گوشے میں دبک جاتا ہے۔ ایک لڑکا جو نیند سے بے حال ہو کر کوڑے کے ڈھیر کے قریب ہی لڑھک گیا ہے' اس کے پاس پہنچ کر موٹا ٹھٹھک جاتا ہے۔ ایک نظر بے خبر لڑکے پر ڈالتے ہی۔۔ اس کے چہرے پر زہریلی مسکراہٹ کوند جاتی ہے' دانت چمکنے لگتے ہیں۔ وہ اڈے پر جھک کر ایک سوئی اٹھاتا ہے اور بڑی بے پرواہی سے لڑکے کی چوتڑ میں گھسیر دیتا ہے۔ رونگٹے کھڑی

کر دینے والی چیخیں فضا میں گونجتی ہیں اور تصور اندھیروں میں ڈوبتا چلا جاتا ہے!
مختلف مشینوں کے گڑگڑانے کی متصادم گونج!

.

: تصور چہارم

طویل تصور پر ایک ہوٹل کا منظر'
ڈھابہ ٹائپ ہوٹل میں لوگوں کی بھیڑ امڈی ہے'

بچے بوڑھے نوجوان بیشتر مزدور۔ عجیب عجیب چہرے۔ چبوترہ نما جگہ پر گاؤ تکیہ کے ساتھ ایک سیٹھ نما شخص دراز ہے۔ اس کے سامنے تینوں طرف بڑی بڑی پتیلیاں رکھی ہوئی ہیں۔ ایک بیرا گھوم گھوم کر آرڈر لیتا ہے اور سامان پہنچاتا ہے۔ دوسرا آرڈر کے مطابق پتیلیوں سے سامان نکال نکال کر ایک طرف رکھتا جاتا ہے۔ سیٹھ کو پیسے کاٹنے سے فرصت نہیں۔ گاہک جب کھا پی کر کاؤنٹر پر پہنچتا ہے تو سیٹھ گھنٹی بجاتا ہے اور آرڈر والے بیرے کی آواز گونجتی ہے'

''آگے پندرہ پچھتر پیچھے بائس پچاس۔ چار آدمی سے انسٹھ پچیس---''

بعض جو کھاتا دھاری ہیں اپنے کھاتے پر لکھوا کر چل دیتے ہیں۔

گاہک سے ایک بیرا ''بولو صاحب کیا چاہئے قورمہ' کوفتہ' کلیجی' بھیجہ' بریانی' چانپ' پایہ' نہاری' مرغا' بکرا' مچھلی' کباب' دال' انڈا فٹافٹ---''

گاہک ''اور کچھ؟---''

بیرا ''بولا نا دال فرائی، پالک چھولے' گھیا چنا' مٹر پنیر---
اے صاحب کو پانی مار---''

دوسرا بیرا کاؤنٹر کی طرف آواز لگاتا ہے ''پیچھے چھتیس روپے آگے اٹھاسی---''

ایک ہنگامہ بپا ہے' عجیب گھٹن آمیز ماحول۔ آدمی پر آدمی سوار۔ بعض ہوٹل کے

نیچے کھڑے اپنے نمبر کا انتظار کر رہے ہیں۔

--وقفہ--

تھوڑی دیر میں رفتہ رفتہ بھیڑ چھٹنے لگتی ہے۔اور بالآخر دوکان میں دو چار گاہک رہ جاتے ہیں۔چند میلے کچیلے ادھر اُدھر گھوم رہے ہیں۔کچھ برتنوں کو دھو رہے ہیں۔کچھ اپنی ناک کریدر ہے ہیں۔ایک شخص کھانا کھا چکنے کے بعد پانی کے لئے گلاس کھڑکاتا ہے۔بیرے کی خاص پکار کوندتی ہے اور اندر سے ایک سرتا پا جھلسا ہوا شخص اپنے ہاتھ میں پانی سے بھرا جگ لئے نمودار ہوتا ہے۔جوں جوں وہ گاہک کی طرف بڑھتا ہے گاہک کے چہرے پر عجیب عجیب آثار نمودار ہونے لگتے ہیں۔یہاں تک کہ وہ اپنا منہ دوسری طرف پھیر لیتا ہے۔بیرا جگ کو ٹیبل پر رکھنے کے بعد جوٹھے پلیٹ اور کٹوروں کو سمیٹنے لگتا ہے.....؛

پلیٹ کٹوروں کو نیچے اوپر تہہ بہ تہہ مینار بنا کر اپنے ایک ہاتھ پر رکھتا ہے۔جوٹھن ادھر ادھر چونے لگتی ہے۔دوسرے ہاتھ سے میلے گیلے کپڑے کا ایک ٹکڑا ٹیبل پر پھیرتا ہے کہ گاہک اپنی جگہ سے اٹھ کر تیزی سے کاؤنٹر کی طرف لپکتا ہے..........؛

وہ جھٹ پٹ بل ادا کرتا ہے اور جیسے ہی ہوٹل سے باہر نکلتا ہے کہ ایک زوردار قَے اس کے اندر سے باہر ابل کر زمین پر چاروں طرف پھیلتی چلی جاتی ہے۔گاہک اسی حالت میں لڑکھڑاتا ہوا دیوار کے ایک گوشے میں گم ہوتا چلا جاتا ہے۔

--وقفہ--

دوسری طرف سے چند لوگ ہڑبڑاتے ہوئے ہوٹل میں داخل ہوتے ہیں اور خالی کرسیوں پر دراز ہو جاتے ہیں۔سبھی سفید کرتے پائجامے میں ملبوس۔

سفید داڑھی والا ایک معمر شخص بیرے کی طرف دیکھتے ہوئے؛

’’جلدی کر، جلدی، جو ہے لگا دے، فٹافٹ‘‘

بیرا کام کرنے والے بچوں کو اشارہ کرتا ہے اور خود آرڈر دینے والے معمر شخص سے مسکرا کر پوچھتا ہے'

''کیا بات ہے نیتا جی! بڑی جلدی میں لگتے ہیں۔ کچھ ہم لوگوں پر بھی خیال ہے کہ نہیں۔''

نیتا جی ''ارے پورا پورا۔ کیوں بیٹا۔ کوئی اور خیال رکھنے والا ہے کیا؟''

بیرا ''نہیں نہیں نیتا جی۔ وہ تو سب آپ ہی کی دعا ہے۔ ہم کو لگا کہ آج کچھ جلدی میں ہیں''

نیتا جی ''پردھان منتری سے ملنا ہے''

بیرا ''ہی ہی ہی.......... پردھان منتری سے؟''

نیتا جی ''اس سے وہ کروانا ہے۔ کیا کہتے ہیں۔ ارے وہی۔ بال مزدور والا کام۔''

بیرا ''وہ کیا ہوتا ہے''

نیتا جی ''دیش کا حال بہت برا ہے بیٹا۔ پردھان منتری نے پچھلے دنوں' یاد نہیں آرہا ٹھیک ٹھیک۔ خیر' جتنے فنڈ دئے، سب دھرتی نگل گئی۔''

بیرا ''دھرتی نگل گئی؟''

نیتا جی ''میرا دماغ مت چاٹ۔ جا۔ کھانا لگا جلدی۔''

دفعتاً ایک بچے کی چیخ بلند ہوتی ہے۔ سبھی چونک کر اس کی طرف دیکھتے ہیں۔ ایک بیرا ایک بچہ کے گال کو چٹکیوں سے مسلتا جا رہا ہے۔ اور بچہ بساط بھر ہاتھ پاؤں مار رہا ہے۔ دکاندار کی کڑی آواز گونجتی ہے۔

''ابے---''

بیرا جھٹکا دے کر بچے کو چھوڑ دیتا ہے۔ بچہ ڈھلتی ہوئی پلیٹوں پر جا کر گرتا ہے'

بیرا ''جب دیکھو سالا سوتا ہی رہتا ہے' کام کرنے کو کہو تو گالیاں دیتا ہے''

دکاندار۔ ''کیوں رے---''

بچہ ''نہیں، نہیں یہ جھوٹ بولتا ہے۔ جھوٹ--''

دکاندار ''ٹھہر ٹھہر آج تیرا علاج ہوتا ہے''

نیتا جی اپنے ساتھیوں کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور جانے لگتے ہیں۔

دکاندار ''کیا چل دیئے نیتا جی۔ کھانا نہیں کھانا''

نیتا جی ''یار آج ہم جلدی میں ہیں اور تم لوگ یہاں اپنی رام کہانی میں ہو۔''

بیرا ''بس لگ گیا حضور''

نیتا جی ''رہنے دے پہلے بال مزدور والا کام--''

ادھر نیتا جی چل دیتے ہیں ادھر حواس باختہ بچے کے گرد کامگار بچوں کی ٹولی جمع ہونے لگتی ہے، تصور پر رفتہ رفتہ پھیلتا گہرا اندھیرا!

: تصور پنجم :

نیم تاریکی،

کارخانے کے اندر کا وہی پہلا منظر۔ البتہ بچے صرف آرام کرر ہے ہیں۔ کوئی ادھر پڑا ہے کوئی اُدھر۔ کوئی دو مشینوں کی درمیانی جگہ کے اندر نیم بستر پر لیٹا ہے۔ کسی کا سر کسی کی جانگھ۔ سبھی نیم برہنہ پڑے ہیں------ اچانک موٹے کی آواز گونجتی ہے'

''کیوں بے------؟''

زیادہ تر بچے دھڑ پھڑا کر اٹھ بیٹھتے ہیں۔ اور جو اٹھ جاتے ہیں وہ سونے والوں کو جگانے لگتے ہیں۔ موٹا مسکراتے ہوئے،

''خوب چھٹی منالو۔ منالو--- اور یہ ٹیپ کیوں بند کرر کھا ہے' سنا کرو۔ گانے بھی

خوب سنا کرو۔ اور سنو! آج تم لوگوں کے لئے وی سی آر منگوا دیتے ہیں۔ چلے گا؟---

سبھی یک آواز ہو کر" چلے گا..........."

سیٹھ "اچھا بولو۔ کون کون سی فلم دیکھو گے؟"

بچوں کے چہروں پر حسرتیں تیرنے لگتی ہیں۔ ایک کچھ کہتا ہے، دوسرا کچھ، تیسرا کچھ اور،

سیٹھ "اے تم سب ایسے بولے جا رہے ہو کہ اگر سب کی ایک ایک فلم چل جائے تو بیٹے چار دنوں تک فلم ہی فلم دیکھتے رہ جاؤ اور کام کون کرے گا تمہارا--سنو دو فلم سے زیادہ نہیں"

ایک بچہ دانت کھوسٹا ہے'

"تین کم سے کم"

سیٹھ "بول دیا نا دو۔ چلو پیسے جمع کرو۔ جلدی"

سبھی قطار میں کھڑے ہو جاتے ہیں۔ موٹے کے ساتھ دو نو جوان چھوکرے اور ہیں۔ ایک کے ہاتھ میں رجسٹر ہے۔ موٹا رجسٹر والے کو اشارہ کرتا ہے۔ منشی نما چھوکرا رجسٹر کھولتا ہوا'

منشی "ہاں تو نمبر ایک --بیس روپے"

نمبر ایک: "بیس روپے کا ہے کے۔ ہم پچیس ہیں پانچ پانچ روپئے بہت ہیں"

منشی "بہت بولنے لگا ہے۔ سوا سو روپئے میں دو وی سی آر تو لائے گا کیا؟"

نمبر ایک: اور سیٹھ جو ہے"

سیٹھ: اچھا اچھا کوئی بات نہیں۔ چلو تم لوگ دس دس روپئے لکھا دو۔ ہم تم لوگوں کے کھانے پینے کا انتظام بھی کر دیتے ہیں۔ چلے گا؟"

سبھی ہم آواز: ''چلے گا!''

--تاریک وقفہ--

دھیرے دھیرے ٹمٹاتی روشنی میں تصور کے گوشے نمودار ہوتے ہیں،

کارخانے کے ایک گوشے میں کوڑے کے ڈھیر کے قریب ایک بوریئے پر ایک مزدور بچہ لیٹا ہوا ہے۔ بچہ کے قریب ہی پھاٹک نما ایک کواڑ ہے جگہ جگہ سے چھیدا ہوا۔ سوراخوں سے کواڑ کے اندر چلنے والے وی سی آر کے برانگیخت کرنے والے فلمی مناظر کے ساتھ ساتھ.......... ہوسناک موسیقی اور نیم تاریکی میں ڈوبی ہوئی تمام فضا۔ تصور کے ایک گوشے سے بدمست لڑکھڑاتا ہوا ایک شخص داخل ہوتا ہے۔ اس کے کاندھے پہ ایک چادر ہے۔ وہ بے سُدھ سوئے ہوئے ایک لڑکے کے قریب آکر رکتا ہے اور اسی طرح لڑکھڑاتا ہوا لڑکے کے بغل میں جگہ بنا کر اپنے کاندھے کی چادر کو کچھ اس طرح پھیلاتا ہے کہ دھیرے دھیرے اس میں سارا تصور تاریک ہوتا چلا جاتا ہے۔

: تصور ششم :

نیم تاریک کارخانہ کا منظر،

تتر بتر سامانوں سے بھرا ہوا۔ ایک گوشے میں سیٹھ نما نوجوان کسی پہلوان کی طرح نیم برہنہ لیٹا ہے۔ ایک لڑکا جھول جھول کر اس کی خدمت میں مصروف ہے۔ غالباً رات کا وقت ہے۔ سامنے کی دیوار گھڑی میں ایک بج کر دس منٹ ہونے والا ہے۔ گھڑی کے نیچے اسٹیل کی بڑی الماری ہے جس پر کچھ پرانے رجسٹر رکھے ہوئے ہیں۔ اس کے بغل میں ایک ٹیبل نما بکسے اور چھوٹی موٹی چیزیں رکھی ہوئی ہیں۔ اس کمرے سے متصل ایک گوشے میں بڑا سا ہال نظر آتا ہے، دھندلا سا نیم تاریک۔

نوجوان کے جسم پر صرف ایک جانگیہ ہے۔وہ ہاتھ پاؤں پھیلائے چت لیٹا ہے۔اس کا جسم نیم تاریکی میں بھی چمک رہا ہے جیسے خوب تیل مالش کی گئی ہو۔لڑکا اس کے جسم پر جھکا جھکا اونگھتا ہوا سا جھول رہا ہے۔'

سیٹھ ''ابے سو گیا کیا؟''

اونگھتا ہوا بچہ ''آں آ---''

سیٹھ ''ابھی تک بال کا نمبر نہیں آیا اور تو--''

بچہ ''کل ہی تو دس بال توڑے تھے''

سیٹھ ''ذرا پاؤں کا انگوٹھا پھوڑ''

بچہ ''بس چچا۔اب جانے دو''

سیٹھ ''ابھی نیند آرہی ہے بیٹا' آں--اور مچھلی کھانے میں بڑا مزہ آرہا تھا''

بچہ ''کتنے دن پر تو کھایا ہے''

سیٹھ ''چپ! جب میں نے کہہ دیا تھا کہ مہینے میں ایک دن مچھلی کھانا ہے۔اس سالے ہوٹل والے کو کل بتلاتے ہیں۔مجھ سے پوچھے بغیر دیا کیوں؟''

بچہ ''پندرہ دن پر تو کھایا ہے چچا''

سیٹھ ''پھر پندرہ دن۔مالک میں ہوں کہ تو؟ پیسے میں دیتا ہوں کہ تو؟ سالے دو مہینے تک تم کو مچھلی نہیں ملے گی اور تیسرے مہینے سے مہینے میں ایک بار''

بچہ ''ہم جائیں چچا''

سیٹھ ''پھر جائیں۔تم لوگ بیٹا کام نہیں سیکھ سکو گے۔استاد کی خدمت تم لوگ کیا جانو۔سنو جو میرے استاد تھے---''

بچہ ''پھر کیا ہوا''

سیٹھ ''ہاتھ چالو رکھ! ہاں تو ہم لوگ صبح چھ بجے کھڑے ہو جاتے تھے۔آدھے گھنٹے

سے پہلے فری۔ جھاڑو پوچھا سب کرنے کے بعد سارے مشین کی صفائی۔ پھر ایک کپ چائے اور بس جو بیٹھے مشین پر تو---اور جب تک دوسرے کاریگر ناشتہ کرکے آسکیں، آدھے دن کا کام تیار۔ تم لوگ سارے دن جھک مارتے ہو اور ایک ہم لوگ تھے کہ--ابے ہاتھ چالو رکھ! ہاں تو رات دس بجے کے بعد مشین چھوڑا۔ کھایا پیا۔ اگر نائٹ لگانا ہے تو پھر جم گئے۔ اور جانتے ہو چار بجے تک کام کیا۔ ساڑھے چار بجے سوئے اور پھر چھ بجے کھڑے ہیں اور تم لوگ--''نائٹ'' کے علاوہ شاید ہی کوئی ایسی رات ہو، کہ چاہے پتھر گرے چاہے اولے، جو استاد کی مالش شروع کرتے تو دو بجے تک!۔ پاؤں کی انگلی سے شروع کرتے تو سر کے بال تک کو خوش کرکے چھوڑتے۔ ارے دعا لیتے تھے استاد کی دعا۔ لیکن سن لو اتنا کرنے کے بعد بھی مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ دو سال کے بعد ہی جا کر مشین پر استاد نے بٹھایا تھا اور ایک تم لوگ ہو کہ چاہتے ہو آج آئیں اور کل نوٹ چھاپنا شروع کردیں۔ بال شروع کر--''

بچہ ''اب تو ایک بال بھی پکا ہوا نہیں ہے چچا۔''

سیٹھ ''سب ہے۔ لیکن نظر آئے تب نا۔ نظر کیسے آئے؟۔ ہر دو دن پر تو ہیروئینوں کی---دیکھنے میں آنکھ خراب کرتے ہو۔ ہم لوگ کبھی فلم دیکھتے؟ سال میں ایک آدھ بار۔ ہفتہ میں ایک روپیہ ملتا تھا تیل صابن کے لئے۔ اس میں سے بھی کچھ بچا لیتے تھے۔ ایک ایک پائی جوڑ کے، جی کو توڑ کے، کڑی محنت کرکے آج یہاں تک پہنچے ہیں کہ لاکھوں میں کھیلتے ہیں۔''

بچہ ''اچھا چچا۔ سنتے ہیں کہ آپ لوگ مہینے میں لاکھوں کا بل جمع کرتے ہیں۔''

سیٹھ ''یہ دیکھو۔ یہی خرابی ہے تم لوگوں میں۔ اپنا کام تو بگاڑتے رہتے ہو۔ نقصان تو ہمارا ہوتا ہے۔ اور کام بگڑے گا نہیں۔ سالے الائے بلائے ہی سوچتے رہتے ہیں۔ جانتے ہو تم لوگوں کی وجہ سے ابھی دو لاکھ کا گھاٹا ہوا ہے۔ اچھا کون بولا کہ مہینے

میں لاکھوں کا بل جمع کرتے ہیں؟''

بچہ ''نہیں چچا وہ تو ایسے ہی''

سیٹھ ''جان سے مار ڈالوں گا سالے ہم سے اڑتا ہے۔ کس نے بولا رے--''

بچہ ''وہ۔ وہ رت جگا بولتا تھا۔''

سیٹھ ''اس کو کہاں سے معلوم؟''

بچہ ''کل اس نے بل دیکھ کر پڑھ لیا تھا۔ کہتا تھا--''

سیٹھ ''مرمت بہت ضروری ہے اس کی۔ ضرور اسی نے وہ چیک کا بنڈل غائب کیا ہے۔ تبھی تو میں کہوں کہ وہ گیا کہاں۔ آیا تھا؟''

بچہ ''نہیں چار دن سے تو نہیں آیا۔''

سیٹھ ''کس کے پاس ہے۔''

بچہ ''اس کا کیا ٹھکانہ۔ دو دن یہاں دو دن وہاں۔ جب آئے گا بولے گا کام چھوڑ دیا ہے۔''

سیٹھ ''ایسے ہی مارا مارا پھرے گا۔ کوئی بھیلو ہے مارکیٹ میں اس کا۔ کسی کا سو' کسی کا پچاس' کسی کا------''

بچہ ''اس کی بات بڑی عجیب عجیب ہوتی ہے استاد!''

سیٹھ ''بکواس کرنے سے کیا ہوتا ہے۔ کتنے سالے بورا رہے ہیں۔ کوئی پوچھتا ہے۔ اس کے چکر میں مت رہا کرو۔ تم بہت گھسر پھسر کرتے ہو اس سے۔ سالے برباد ہو جاؤ گے۔''

بچہ ''کچھ بھی کہو استاد۔ کاریگر بڑا ٹاپ ہے۔''

سیٹھ ''سنا نہیں زیادہ قابل آدمی تین جگہ متھتا ہے۔ پھر نہیں توڑ رہا ہے بال--''

بچہ ''بال نہیں ہے استاد''

سیٹھ ''چل اٹھنی میں دو بال---لیکن بیٹے ہم کو دکھا کے۔''

بچہ ''پرسوں بھی ایسے ہی کہا تھا۔کہاں گئی اٹھنی''

سیٹھ ''بہت بک بک کرنے لگا ہے چل---''

بچہ ''نہیں استاذ''

سیٹھ ''ابے--'ہاں-- ہاٹھیک--ٹھیک--ٹھیک اور سن اگر وہ لونڈا آئے اس کو پکڑ کر رکھنا۔ٹھیک--اور یہ بھی بول دینا کہ یہ کوئی دھرم شالہ نہیں ہے۔چلا آتا ہے سونے' ایسے نہیں مانے گا---ہاں--آں--آ--''

سیٹھ کی آنکھ لگ جاتی ہے،

گھور سناٹا!

لڑکا چپکے سے اٹھتا ہے اور نیم تاریک ہال کی جانب دبے پاؤں بھاگتا ہے جیسے خدشہ ہو کہ کہیں استاد اٹھ نہ جائے'

--وقفہ--

وہ ہال کے اندر جیسے ہی قدم رکھتا ہے' ٹھٹھک جاتا ہے۔پورے ہال میں مشین' ساز و سامان' گندگی' کوڑے کرکٹ اور ان کے درمیان ایک طرف بھیڑ بکریوں کی طرح گھتم گھتا مزدور بچے سوئے پڑے ہیں۔نیم تاریکی کی وجہ نائٹ بلب ہے۔جو ایک کونے میں ٹمٹما رہا ہے اور اس کے ٹھیک نیچے ایک لڑکا کتاب آنکھوں کے نزدیک سٹائے پڑھنے کی کوشش کر رہا ہے'

بچہ چونک کر لڑکے سے پوچھتا ہے ''ارے تو--رت جگا''

رت جگا بھی چونک کر آواز کی طرف پلٹتا ہے'

رت جگا ''آجا۔آجا۔''

لڑکا لڑکھڑاتا سنبھلتا ہوا اس کی طرف بڑھتا ہے اور اس کے قریب پہنچ کر حیرت سے'

بچہ ''تم یہاں؟''

رت جگا مسکراتا ہے'

رت جگا '' کہیں نہ کہیں تو سونا ہے''

بچہ '' اگر استاد نے دیکھ لیا تو؟''

رت جگا '' تو اس میں اتنا ڈرنے کی کیا بات ہے۔ کیا کرے گا آں؟ سالا ہمارا کوئی حق نہیں ہے۔ ہم ان لوگوں کے لئے اپنا خون جلاتے ہیں---''

بچہ ''تم یہ سب کیوں کرتے ہو''

رت جگا '' کیا سب؟''

بچہ '' یہی کام نہیں کرنا۔ دو دن یہاں' دو دن وہاں۔ پریشان پریشان---''

رت جگا '' مقدر اپنا اپنا''

بچہ '' لیکن تم کچھ کرو گے جب نا''

رت جگا '' کون کہتا ہے کہ میں کچھ نہیں کرتا۔''

بچہ '' سنو ایک غلطی ہو گئی''

رت جگا '' کیا؟''

بچہ '' ابھی استاد کے سامنے میرے منہ سے نکل گیا کہ تم نے لاکھوں روپئے لکھا دیکھا ہے۔ سالے نے بات پکڑ لی۔ تم پر بہت غصایا۔ بولا جب بھی آئے پکڑ کے رکھنا۔''

رت جگا '' اس کی تو ایسی کی تیسی، تو چنتا مت کر، سو جا، مجھے ابھی پڑھنا ہے۔''

لڑکا ہکا بکا کسمسا کر کسی طرح جگہ بناتا ہے اور تھوڑی ہی دیر میں اس کے خراٹے گھڑ گھڑانے لگتے ہیں۔

: تصور ہفتم :

ایک گوشے میں ایک پان کی دکان اور ایک چھوٹا سا چائے کا ہوٹل ہے۔ زیادہ تر مزدور لوگ ادھر ادھر بیٹھے ہیں۔ کچھ چائے پی رہے ہیں کچھ پان کی دوکان پر۔ پان کی دکان کے سامنے بنچ پر ایک سفید پوش کھچڑی داڑھی والا شخص بیٹھا ہے۔ جیب میں اس کی قلم اور ہاتھ میں ایک میگزین ہے، جسے پڑھنے میں مصروف ہے۔ دفعتاً ایک کونے سے ''رت جگا'' نمودار ہوتا ہے۔ اور معمر شخص کے قریب آ کر رک جاتا ہے۔ معمر شخص نظر اٹھا کر اسے دیکھتا ہے،

''آداب ماسٹر جی''

''ہوں!''۔ وہ سوالیہ نظروں سے رت جگا کو گھورتا ہے،

رت جگا ''آپ ہی کی خدمت میں آیا ہوں۔ آپ تو بہترین استاد ہیں۔''

ماسٹر جی ''تو؟''

رت جگا ''بات یہ ہے ماسٹر جی کہ میں بھی آپ سے ٹیوشن پڑھنا چاہتا ہوں''

ماسٹر جی ''اچھا؟؟''

رت جگا ''جی ہاں۔ سچ مچ''

ماسٹر جی ''ایسا ہے کہ میرے پاس تو ٹائم ہی نہیں ہے۔''

رت جگا ''میں دل و جان سے آپ کی خدمت کروں گا۔ اور جہاں آپ کا حکم ہو حاضر ہو جاؤں گا''

ماسٹر جی ''لیکن تم پڑھ کر کیا کرو گے رت جگا۔ میرا مطلب ہے تم کیوں اس چکر میں پڑتے ہو۔ اچھا بھلا کام کر رہے ہو۔ یہ پڑھنا لکھنا سب۔۔''

رت جگا ''بات یہ ہے سر کہ بغیر پڑھے مجھے نیند ہی نہیں آتی۔ دھیان کام میں بھی رہتا ہے اور کہیں اور بھی۔ ہر چیز کو اچھی طرح سمجھنے کی دھن سوار رہتی ہے۔ پڑھنا ایک طرح کی مجبوری ہے میری۔''

ماسٹر جی ''وہ تو سب ٹھیک ہے۔لیکن میرے پاس ٹائم ہی نہیں۔ بالکل بھی نہیں''

رت جگا ''کیوں؟ کیا میں کسی بڑے آدمی کی اولاد نہیں اس لئے یا پھر---''

ماسٹر جی ''کیا بکواس کرتا ہے---''

ماسٹر جی میگزین کو وہیں پٹک کر آگے نکل جاتے ہیں۔ رت جگا مایوس ہوکر، ماسٹر جی کو جاتے ہوئے دیکھنے لگتا ہے۔

ایک اور معمر شخص جو ایک گوشے میں الگ بیٹھا ان باتوں کو دلچسپی سے سن رہا تھا اپنی سگریٹ کو جھاڑتا ہوا مسکرا اٹھتا ہے اور مسکرا کر ایک مصرعہ رت جگا کی طرف اچھالتا ہے

''مایوس نہ ہو، دامن کو پکڑ، زنجیر ہلا''

رت جگا چونک کر اس کی طرف پلٹتا ہے'

رت جگا ''جی--''

معمر شخص ''میں نے کہا بیٹے۔ ہزار برف گرے لاکھ آندھیاں اٹھیں
وہ پھول کھل کے رہیں گے جو کھلنے والے ہیں''

رت جگا ''کیسے چچا؟''

معمر شخص ''سمجھ لے تو نے پڑھ لیا''

رت جگا ''لیکن وہ ماسٹر جی''

معمر شخص ''ارے ان کی مت پوچھ۔ وہ شاید اس مشین کا پارٹ ہیں جس میں ہمارے ہیروں کو پتھر بنانے کا کام کیا جاتا ہے۔تو تو اتنے میں پریشان ہو گیا۔ یہاں تو انسان کے آگے پیچھے ہزاروں حیلے ہیں لاکھوں بہانے۔روٹی کماؤ۔ خود کو پالو۔ اور پالتے پالتے مرجاؤ۔ ہماری گذر اس کے سوا کہیں نہیں۔ خیر'خیر'تو ان باتوں کو چھوڑ۔ جا کتاب وغیرہ لے آ اور بس ابھی سے شروع!''

رت جگا اس غیر متوقع کرم فرمائی پر حیران وممنون نگاہوں سے معمر شخص کو دیکھتا ہے'

روشنی کے جھماکے!

منظر ساکت!

: تصور ہشتم :

کسی گہری سوچ میں مستغرق خوبصورت برآمدے میں ایک شخص ٹہل رہا ہے۔ چاروں طرف خوبصورت جھاڑیاں۔ پھولوں کے باغات۔ دور دور تک بکھری ہوئی خوبصورتی۔ ایک بڑا سا احاطہ۔۔۔دفعتاً وہ شخص ایک لمحہ ٹھہر کر اپنے آپ ہی چونکتا ہے۔ جیسے کوئی اہم چیز یاد آ گئی ہو۔ دوسرے ہی لمحہ اس کی سنجیدگی پر سرشاری کی کرنیں جیسے پھوٹ پڑتی ہیں اور وہ ہو بہو اس کے اظہار میں مستغرق.........'

؎ اگر خدا دل فطرت شناس دے تجھکو

سکوت لالہ وگل سے کلام پیدا کر

سکوتِ لالہ وگل سے---

وہ ایک لمحہ توقف کرتا ہے، پھر پہلے ہی کی طرح جھومتا ہوا'

؎ مرا طریق امیری نہیں فقیری ہے

خودی نہ بیچ غریبی میں نام پیدا کر

خود کلامی'

''مرا طریق امیری نہیں فقیری ہے''

وہ ایک لمحہ کیلئے رکتا ہے۔ پھر آپ ہی مسکراتا ہے اور مسکراتے ہوئے پھر ایک شعر پڑھتا ہے ؎

شیشۂ ہست میں کیا ہے کہ نہیں بھرتا دل

تیری شمشیر میں کیا ہے کہ چمن چھاتی ہے...........

شعر پڑھتے پڑھتے کیف و سرور میں ایسا ڈوبتا ہے کہ شعر کو جھوم جھوم کر دہراتا ہے، عالم وجد میں کئی لمحوں تک غرق رہتا ہے۔ کچھ لمحوں بعد جب ذرا ہوش میں آتا ہے، جھومتا ہوا پلٹتا ہے کہ دفعتاً گیٹ سے اندر داخل ہو رہے رت جگے پر نگاہ ٹھٹھک جاتی ہے، پوچھتا ہے،

''کون ہو بھئی۔۔''

رت جگا ''جی، آداب عرض کرتا ہوں۔ محترم ذوالفقار چچا نے آپ کے پاس بھیجا ہے۔''

پرفیسر صاحب ''او۔ اچھا اچھا۔ کیا بات ہے''

رت جگا ''مجھے ایک کتاب کی مدد چاہیے''

پرفیسر صاحب ''کتاب؟''

رت جگا ''جی، انہوں نے بتایا کہ آپ کی لائبریری میں وہ کتاب ہے۔ آپ کے پاس تو علم کا خزانہ ہے''

پرفیسر صاحب ''ارے یہ خزانہ بانٹنے کیلئے تھوڑے ہی ہے۔ بھئی ذوالفقار میاں بھی خوب ہیں۔ جانتے ہیں کہ ہم۔۔۔''

رت جگا ''مجھے صرف ایک ہفتہ کے لئے خزانہ جاسوسی چاہئے انکل''

پرفیسر صاحب ''آخر ہونا کیا ہے اس کا''

رت جگا ''خفیہ ایجنسیوں کے بارے میں دیکھنا ہے''

پرفیسر صاحب ''تم دیکھو گے؟''

رت جگا ''ہاں''

پرفیسر صاحب ''پڑھتے ہو''

رت جگا ''جی''

پرفیسر صاحب ''کہاں''

رت جگا ''کہیں نہیں''

پرفیسر صاحب ''کیا مطلب؟''

رت جگا ''اپنے طور پر پڑھتا ہوں''

پرفیسر صاحب ''پھر بھی''

رت جگا ''ذوالفقار صاحب پڑھاتے ہیں''

پرفیسر صاحب ''او اچھا اچھا۔ خیر۔ کس کلاس میں پڑھتے ہو''

رت جگا ''دسویں''

پرفیسر صاحب ''تو تمہیں خزانہ جاسوسی کی کیا ضرورت ہے بھائی''

''میں بتاتا ہوں'' ذوالفقار صاحب کی آواز آتی ہے اور وہ بھی گیٹ سے اندر داخل ہوتے ہیں۔

پرفیسر صاحب ''آؤ۔ آؤ بھائی ذوالفقار۔ کیا معاملہ ہے''

ذوالفقار صاحب ''معاملہ یہ ہے حضور کہ یہ مزدور لڑکا جو آپ کے سامنے کھڑا ہے۔ جاسوسی کے نئے نئے خود ساختہ فارمولے بناتا رہتا ہے۔ ظاہر ہے اسے آگے پیچھے کنفرم کرنا ہوگا۔''

''اچھا!'' پروفیسر صاحب حیرت سے اسے سرتا پا دیکھنے لگتے ہیں' پھر از راہ مزاح فرماتے ہیں'

''یہ تو سرتا پا مذاق ہے بھائی۔ نام کیا ہے اس کا۔''

ذوالفقار صاحب ''رت جگا''

پروفیسر صاحب ''رت جگا؟ یہ کیا نام ہے؟''

ذوالفقار صاحب ''یہی اس کا نام ہے۔ شاید یہ ان لوگوں نے رکھا ہو جنہوں نے

اسے ہمیشہ بلکہ راتوں میں بھی جاگتے ہوئے دیکھا ہو۔اور عاجز آ کر اس کا نام ہی رت جگا رکھ دیا۔"

پروفیسر صاحب "گھر کا کوئی نام تو ہوگا۔"

ذوالفقار صاحب "نام سے گھر والوں کو کیا لینا۔بیچارے مزدور لوگ ہیں۔اتنی فرصت ہے سوچنے کی۔پچھلے مہینے آئے تھے۔ان کے مسائل۔ان کی صعوبت ناک زندگی۔اور ان کی آرزوئیں---میں نے بہت ڈانٹا کہ کیوں نہیں مان لیتے کہ خاندان کا ایک فرد مر گیا سمجھو۔کتنا بھلا ہو جاتا ہے آپ لوگوں کا اور اس معمولی مزدوری کے بدلے آپ کا بڑا بڑا انعام آئے دن ہاتھوں سے نکلا جاتا ہے۔مگر موٹی موٹی باتیں بھی وہ نہیں سمجھتے۔وہ تو یہ سمجھتے ہیں کہ پڑھنے لکھنے سے کچھ نہیں ہوتا۔پڑھ کر آدمی بیکار اور دوسروں پر بوجھ ہو جاتا ہے۔اس سے بہتر تو یہ ہے کہ آدمی کام سیکھے۔خود کھائے اور دوسروں کو بھی کھلائے----"

پروفیسر صاحب "بھائی ذوالفقار۔تم بہت جذباتی ہو گئے ہو۔پہلے تو ایسے نہیں تھے۔"

ذوالفقار صاحب "پہلے بازوؤں میں برا رس تھا صاحب۔اب تو سب نچوڑا جا چکا ہے۔اب تو صحرائے بے آب و گیاہ ہیں"

پروفیسر صاحب "بس بس۔دیکھو بھائی ذوالفقار۔تمہاری دوا تو خیر میں کیا ہو سکتا ہوں البتہ اس بچے کے لئے اس غریب خانے کا دروازہ اب کھلا رہے گا بلکہ یہ میرے ساتھ ہی رہے گا۔اور اپنے نام کے قافیہ پر اس کا نام رکھ دو 'انتظار'"

رت جگا "محترم کے تعاون کے لئے میں ان کا ہمیشہ احسان مند رہوں گا لیکن جس ماحول میں گذر کرنے کے سبب میرے اندر یہ بے چینی پیدا ہوئی ہے۔اس کی حفاظت بھی ضروری ہے۔کیا محل کی عشرت میں کھو کر خود کو آرام پسند بنا لینا خود کو ضائع کرنے

کے برابر نہیں ہوگا۔''

محترم حیرت سے اسے دیکھتے ہیں۔

رت جگا ''اور میرے لئے جو آپ کا قیمتی وقت ضائع ہوگا' آپ کے وقار کو جو ----''

پروفیسر صاحب ''وقار تو مجھے اب حاصل ہوگا۔ جس پر کئی نسلیں فخر کرسکتی ہیں اور رہی دولت کی بات تو اگر یہ جائداد بھی ایسے نیک کاموں میں ختم ہوجائے تب بھی خود کو دنیا کا امیر ترین انسان سمجھنے سے باز نہ آؤں گا۔ تم ہم جیسے سرپھروں کو ابھی کہاں جانتے --- ؎

بس جائیں تو صحرا ہیں اجڑ جائیں تو دنیا
ہم لوگ ہیں کچھ خانہ خراب اور طرح کے''

منظر ساکت!

: تصور نہم :

تاریک تصور پر ٹمٹماتے ہوئے جگنوؤں کا ایک قافلہ سا نمودار ہوتا ہے اور کارخانے کے حسب سابق مگر خوابیدہ ماحول میں اونگھتے رت جگا کا ہیولا چمکنے لگتا ہے۔ وہ کارخانے کے فرش پر لیٹا ہے۔ اس کے ہاتھ میں ایک کتاب اور کچھ کاغذات ادھر ادھر بکھرے ہوئے ہیں۔ دفعتاً کھڑکیوں کے پٹ کھلنے کی آواز ابھرتی ہے۔ آواز کی جانب جگنو لپکتے ہیں اور جگنوؤں کی جلتی بجھتی روشنی میں کھڑکیوں سے جھانکتے چند چہرے نظر آتے ہیں۔ سبھی آنکھیں بڑے تجسس اور سبھی چہرے بڑی حسرت سے نیم غنودگی کے عالم میں لیٹے بچے کی جانب ملتفت ہیں۔ پھر کواڑ کے چڑ چڑانے کی ہلکی گونج ابھرتی ہے اور رت جگا ایک دم سے چونک کر اٹھ بیٹھتا ہے۔ ایک جگنو کواڑ کی

جانب بھی لپکتا ہے۔ ذوالفقار صاحب اندر داخل ہوتے ہیں اور قریب آ کر بدبداتے ہیں۔'

ذوالفقار صاحب ''ہم تو سمجھے تھے کہ تم سو گئے ہو گے''

رت جگا ''نہیں تو۔ وہ بتی کسی نے بجھا دی ہے''

ذوالفقار صاحب ''خیر کچھ آرام بھی کرنا چاہئے اور کتنی بار کہا ہے کہ میرے پاس آجایا کرو۔ وہاں چارپائی ہے آرام سے سوؤ گے۔''

رت جگا ''نہیں یہاں بھی ٹھیک ہی ہے''

ذوالفقار صاحب ''کچھ لوگ باہر تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔ میں نے بہت سمجھایا مگر نہیں مانے۔ کہتے ہیں دن میں کسی کو وقت کہاں ملتا ہے۔ آؤ ذرا''

رت جگا ''بات کیا ہے''

ذوالفقار صاحب ''آؤ تو سہی''

وہ ہاتھ پکڑ کر اٹھاتے ہیں۔ جگنوؤں کا قافلہ ارد گرد طواف کرنے لگتا ہے۔ ذوالفقار صاحب دبی آواز میں بتاتے ہیں۔

ذوالفقار صاحب ''تم 'لوگوں کے لئے عجوبہ بنتے جا رہے ہو۔ باہر دیکھنا کتنے لوگ تمہارے منتظر ہیں۔''

جگنوؤں کا قافلہ مسلسل ان کے سروں پر جگمگا رہا ہے۔ چند لمحوں بعد محسوس ہوتا ہے جیسے دونوں ایک بہت بڑی بھیڑ کے درمیان کھڑے ہوں۔ کوئی آواز آداب کے لئے لپکتی ہے۔ مصافحہ کو کچھ ہاتھ بڑھتے ہیں۔ کوئی فرط جذبات سے کانپتا ہوا رت جگا کو گود میں اٹھا لیتا ہے۔ کوئی اس کی ننھی سی جیب میں روپے ٹھونس دیتا ہے تو کوئی قلم۔ کوئی کچھ تو کوئی کچھ۔ کچھ لوگ کھانے پینے کی چیزیں اسے پیش کر رہے ہیں اور

ہر بار وہ‘

رت جگا ’’نہیں نہیں ---- ان کی کوئی ضرورت نہیں۔ ان کی تو ----‘‘

کوئی ہے کہ بلائیں لئے جاتا ہے۔ سب کی آنکھوں میں مگر چمکتی ہوئی بوندیں صاف نظر آ رہی ہیں۔

وہ لوگوں سے پوچھتا ہے‘

رت جگا ’’آج کیا ہو گیا ہے، آپ لوگوں کو۔ آخر بات کیا ہے بھئی؟‘‘

سبھی ذوالفقار صاحب کی طرف دیکھتے ہیں۔

رت جگا ’’اوہ! تو محترم نے یہ سب گل کھلائے ہیں --- میں آپ لوگوں کے لئے جیسا تھا آج بھی ہوں اور ہمیشہ رہوں گا۔ وہ تو سب آپ لوگوں کی دعائیں ہیں ورنہ مَیں ---‘‘

ایک نوجوان اس کی پیٹھ تھپتھپاتا ہوا‘

’’تو اپن سب کا گُرور ہے باپ۔ تیرے بارے میں جان کر اپن سب کا کلیجہ پھول گئے لا رے --‘‘

دوسرا نوجوان‘

’’اور کچھ چاہئے تو بند اس بولنے کا۔ سالا جان حاضر ہے کیا‘‘

جذبات سے مغلوب ماحول، تر آنکھیں.............‘

اور دھیرے دھیرے اپنی سمت کو نکلتے جگنوؤں کے قافلے!

: تصور دہم :

تصور پر پلیٹ فارم نمبر چار کا ایک منظر!

پلیٹ فارم پر ایک ٹرین کھڑی ہے جس کے ایک بورڈ پر لکھا ہے---شرم جیوی ایکسپریس نئی دہلی---پٹنہ۔لاؤڈ اسپیکر پر بار بار اعلان گونج رہا ہے'

''شرم جیوی ایکسپریس پلیٹ فارم نمبر چار سے کچھ ہی دیر میں روانہ ہونے والی ہے۔جو نئی دہلی سے چل کر---ٹکٹ بلیک کرنے والوں سے بچیں' اپنی حفاظت آپ کریں---''

پلیٹ فارم پر مسافروں کا ایک سیلاب سا ہے۔نفسی نفسی کا عالم۔ہر شخص جلدی میں دھڑ پھڑایا ہوا اپنے سامان اور بال بچوں کے ساتھ ادھر ادھر بھاگ رہا ہے۔کچھ ریزرویشن چاٹ پر ٹوٹ پڑے ہیں۔

کچھ مسافر پلیٹ فارم کے بینچوں پر بے فکری سے اونگھ رہے ہیں۔سامنے ایک جنرل بوگی کا منظر۔عجیب وغریب قسم کا شور برپا ہے۔لوگوں کے سروں پر ان سے دوگنے قد وقامت کے موٹرے' بڑے بڑے بکسے۔دور دور تک ختم نہ ہونے والی قطار۔گیٹ پر پہنچتے ہی ہر کوئی پہلے اندر گھس جانے کو بے قرار۔تین تین چار چار آدمی یکبارگی گیٹ میں گھس جانا چاہتے ہیں۔اندر بھی ٹھسم ٹھس ہے۔سپاہی ڈنڈے کھڑ کاتے اور کبھی کبھی قطار والوں پر برساتے ہوئے ادھر ادھر رینگ رہے ہیں۔مسافر جیسے ہی گیٹ پر پہنچتا ہے' سپاہی زور سے ڈنڈا کھڑ کاتا ہوا کرخت انداز سے مسافر کو گھورتا ہے'

سپاہی ''نکال۔جلدی کر---''

جیسے تیسے مسافر اپنی جیب ٹٹول کر پیسے نکالتے ہیں اور سپاہی کو تھماتے ہی فوراً اندر لپکتے ہیں' ڈبے کی کھڑکیوں سے قلی اندر جھانک رہے ہیں۔کچھ اندر ہی وصول کر رہے ہیں'

ایک قلی ایک مسافر سے ''لاؤ جلدی لاؤ''

دوسرا قلی دوسرے مسافر سے ''دس روپے؟ ارے ابھی ایک ایک سیٹ کے پچاس پچاس روپے لئے ہیں۔ جلدی اٹھو یا پھر جلدی نکالو---''

دفعتاً ایک ہنگامہ سا ہوتا ہے۔ قطار ٹوٹ چکی ہے۔ اور لوگ سپاہیوں کو لگ بھگ ڈھکیلتے ہوئے، ان کے ڈنڈوں اور گالیوں کی پرواہ کئے بغیر دروازے پر ٹوٹ پڑے ہیں۔ گیٹ میں پھنسے ہوئے اجسام' ایک کا چہرہ دوسرے کا تلوا' کسی کی چھاتی' کسی کی لات۔ دروازے کے اندر کسی کے بکسے کے کونے سے کسی کا بازو چھلا جا رہا ہے۔ کسی کے سر سے خون بہہ رہا ہے' کسی کا دم گھٹنے کو ہے۔ لوگوں کی جانگھ کمر پاؤں' چہرے' عورتوں کی چھاتیاں' ان کی کمر-- ایک کو دوسرا بڑی بے رحمی سے مسل رہا ہے۔ موٹریوں۔ جھولوں' تھیلوں' اٹیچیوں' اور بڑے بڑے بکسوں کے علاوہ دوسری آڑی ترچھی چیزوں کے ساتھ جگہ پانے کی جنگ! دفعتاً ایک دلخراش چیخ بلند ہوتی ہے۔ گیٹ میں پھنسا ایک اپاہج شخص شاید آخری سانس لے رہا ہے۔ اس کی آنکھوں کا چشمہ چور ہو کر اس کی پیشانی میں نسب ہو چکا ہے۔ ایک ہاتھ مکمل بیکار ہے جو نیچے کی طرف لٹکا ہوا ہے جسے چوٹ سے بچانے کی خاطر وہ طرح طرح سے کوششیں کر رہا ہے۔ کبھی اپنے جسم کو کیچوئے کی طرح سکوڑ لیتا ہے' کبھی دم گھٹنے پر پھیلانے کی کوشش کرتا ہے۔ گردن مکمل طور پر جھکی ہوئی۔ اپنے پورے جسم کو وہ اپاہج ہاتھ پر جھکائے اسے چوٹ سے بچانے کی ناکام کوشش میں ہنوز کراہتا ہوا----''

دفعتاً وہ پوری طاقت سے چیختا ہے اور اس کی چیخ کے ساتھ ہی اس کا پاؤں اڑاتا ہوا ڈبے سے باہر نکل جاتا ہے'

اپاہج شخص ''ماردیا رے---ماردیا، مار----''

لیکن گتھم گتھا لوگوں کے ہجوم کے شور میں اس کی آواز دبتی چلی جاتی ہے اور گاڑی کھل جاتی ہے۔

کچھ لوگ گیٹ میں پھنسے ہوئے گاڑی کے ساتھ دوڑتے جا رہے ہیں'
پلیٹ فارم پر عجیب طرح کی بھگدڑ کے درمیان ہاتھ ہلا ہلا کر اپنے لوگوں کو وداع
کرتے ہوئے لوگ---!

---تاریک وقفہ---

تیز رفتار ٹرین کی تیز ہوتی گونج۔ روشنی کی کرنیں دھیرے دھیرے پھوٹنے لگتی ہیں۔ ڈبے کے اندر دوسرے مزدوروں کے علاوہ کارخانے والے لڑکے گٹھری موٹری کی طرح کسے ہوئے ہیں۔ نیچے اوپر' آگے پیچھے ایک دوسرے پر سب لٹکے ہوئے ہیں۔ گھٹن کی انتہا' گرمی کا عجیب عالم۔ سانس لینا محال--- مزدور زیادہ تر عالم بدحواسی میں۔ اکثر مزدور دھبے دار معمولی کپڑوں سے تن ڈھانپے ہوئے ہیں۔ عورتیں میلی چادر لپیٹے ہوئیں۔ گندے چہرے' پیلے پیلے دانت' بڑے بڑے میلے ناخن' جٹا دھاری بال۔ زیادہ تر لڑکے شرٹ پینٹ میں ملبوس۔ کسی نے موٹی سی بیلٹ لگا رکھی ہے۔ کسی نے کھلونوں سی گھڑی۔ کسی کی آنکھ پر رنگین چشمہ ہے۔ مفلسی چہرے اور حلیہ سے مگر نہیں چھپتی۔ کوئی بیڑی کے دھوئیں اڑا رہا ہے۔ کوئی سگریٹ کے مزے لے رہا ہے۔ کوئی تمبا کو جھاڑ رہا ہے۔ کوئی چھینکتا ہے' کوئی کھانستا ہے کوئی "آخ تھو!"

ایک آدمی "ابے دیکھ کے نہیں چھینکتے"

دوسرا "دیکھیں کدھر؟"

تیسرا "تو تھوکتا کیوں ہے' پی جا"

کسی کو قئے ہو رہی ہے۔ کوئی غش کھا کر بے ہوش ہو چکا ہے۔ ایک دھوتی والا تمبا کو جھاڑتا ہوا باتھ روم کی طرف بڑھنے کی کوشش کرتا ہے'

دھوتی والا "بھائی صاحب آپ لوگ ذرا سائڈ ہو جائیں گے"

چوتھا "کدھر سے ہو جائیں گے۔ کیا ہمارے سر پہ ہو کر جاؤ گے"

دھوتی والا" جانا تو پڑے گا ہی۔ باتھ روم جانا ہے"

پانچواں" بے کھا کے کیوں آتے ہو ٹرین میں۔ اور باتھ روم ہے ہی کدھر۔ اس میں تو سب ٹھنسے پڑے ہیں سالے۔"

دھوتی والا" لیکن بھیا۔۔۔"

پانچواں" ارے کہہ دیا نا ایک بار"

"بھر بھر بھر بھر بھر بھر۔۔۔۔"

چھٹا" ارے کیا دھوتی ہی میں کر دیا۔"

کچھ لوگ" مارو، مارو۔۔۔۔۔"

-وقفہ-

دفعتاً پولیس والے اندر داخل ہوتے ہیں اور لوگوں کے جسموں پر اپنے جوتے رکھتے ہوئے ڈبے کا معائنہ کرتے ہیں'

ایک مزدور سے ایک سپاہی'

"کہاں جائے گا رے۔۔۔"

مزدور" "مغل سرائے حضور!"

سپاہی پاس پڑی گٹھری کو لاٹھی سے ٹٹولتا ہے'

سپاہی" اس میں کیا ہے"

مزدور" کپڑے لتے مائی باپ"

سپاہی" دکھا سالا۔۔۔"

مزدور کانپتے ہاتھوں سے اپنی موٹری کھولتا ہے'

سپاہی" ای کا ہے۔۔۔"

مزدور" بچے کے لئے ریڈیو ہے سرکار"

سپاہی ''رسید دکھا---''

مزدور ''رسید تہ!--

سپاہی ''ٹکٹ دکھا--''

مزدور ''ای لیجئے---''

سپاہی ''ای تہ پسنجر ٹرین کا ہے رے''

مزدور ''نہیں حضور؟''

''تڑاخ تڑاخ'' سپاہی مزدور کے گالوں کو لال کر دیتا ہے۔ مزدور تھر تھر کانپنے لگتا ہے۔ پورے بوگی پر دہشت طاری ہو جاتی ہے۔ مزدور مٹھیوں میں روپئے لئے سپاہی کے سامنے گڑگڑانے لگتا ہے۔ دو سپاہی دوسری جگہ پیسے وصول کر رہے ہیں۔ ان میں سے ایک سپاہی لوگوں کو مخاطب کرتا ہے'

''اور تم سب سن لو۔ یہ فوجی ڈبہ ہے آگے اسٹیشن پر سب خالی کر دینا۔''

سب چہ میگوئیوں میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ ایک لڑکا ہکلاتا ہے۔

''اور پیسے جو ابھی لئے--''

ایک سپاہی اس پر اس طرح جھپٹتا ہے کہ وہ گیٹ سے باہر گرتے گرتے بچتا ہے!

منظر ساکت!

: تصور یازدہم :

کھیتوں کے درمیان چوڑ کا ایک منظر،

ایک جانب کھیت کھلیان، باغ باغیچے، دوسری جانب جگہ بہ جگہ شفاف تالاب،

کھیتوں کی آڑ پر قطاروں کی شکل میں چلتے ہوئے وہی ٹرین والے لڑکے اور لوگ!

ان کے ہاتھوں میں اور کاندھوں پر ان کے سامان جھول رہے ہیں۔ کچھ بچے شرارت

کرتے جارہے ہیں۔ کچھ مغموم مغموم بڑی بے دلی سے اپنا بوجھ ڈھوتے ہوئے۔ کچھ کھانستے کھنکارتے ڈگمگاتے ہوئے سے چل رہے ہیں۔ اوران سب کو اندھیروں کا ایک بہت بڑا ہالہ اپنے حصار میں محصور کئے جیسے ان کے ساتھ ساتھ چل رہا ہے۔

ایسا لگتا ہے کہ اندھیروں کے چیچک زدہ دھبے سایوں کی شکل میں مزدوروں کے جسم سے نکل نکل کران کے بیمار اور تھکے ہوئے چہروں کو ہنوز داغدار اور چیچک زدہ بنائے جارہے ہیں۔ جہاں جہاں سے یہ قافلہ گذرتا ہے۔ خوبصورت ہریالی اور جھلمل فضا بھی ان کے دھبے دار سایوں میں ڈوب جاتی ہے۔ دھیرے دھیرے فضا میں ناقابل برداشت قسم کی بدبو پھیل جاتی ہے۔

--وقفہ--

مزدور لڑکوں میں سے ایک شریرلڑکا اپنے قافلہ سے الگ ہوتا ہے اور اچھلتا کودتا ہوا اپنے چیچک زدہ سایوں کے حصار کے ساتھ ایک تالاب کے کنارے آکھڑا ہوتا ہے۔ اپنا تھیلا کاندھے سے اتار کر زمین پر رکھتا ہے، اپنے کپڑے اتارتا ہے اوراپنے بالکل ننگے مگر لاغر جسم کے ساتھ ادھرادھر نظریں دوڑا کر فضا کو سونگھنے کی کوشش کرنے لگتا ہے ۔جب وہ سانس اندر لیتا ہے تو معلوم ہوتا ہے جیسے شفاف فضا اس کے اندر حلول ہورہی ہواور جب وہ سانس چھوڑتا ہے تو نظر آتا ہے کہ چیچک زدہ اندھیروں کے دھبے اس کے منہ سے نکل کر فضا میں تحلیل ہورہے ہیں۔ کچھ دیر فضا کو اسی طرح سونگھتا ہے ،لطف اندوز ہوتا ہے اور تقریباً سرشار ہوتا ہوا سامنے کے شفاف تالاب میں چھلانگ لگادیتا ہے۔

پورے تالاب کے شفاف پانی پر دھیرے دھیرے اندھیروں کے چیچک نما بلبلے نمودار ہونا شروع ہوجاتے ہیں۔

منظر ساکت!

تصور دوازدہم :

تصور پر چاروں طرف دھند پھیلی ہوئی ہے'

سناٹی رات کا سماں، کتوں کے بھوکنے کی آواز، بوسیدہ جھونپڑیاں، خس وخاشاک سے بھری ہوئی آڑی ترچھی گلیاں۔ تالاب والا لڑکا ایک گلی سے نمودار ہوتا ہے اور بڑے احتیاط کے ساتھ قدم سنبھال کر رکھتا ہوا ایک جھونپڑی کے دروازے تک پہنچتا ہے۔ ٹوٹے پھوٹے کواڑ کو دھیرے سے کھسکاتا ہے۔ ہلکی سی 'چیں'' کے ساتھ دروازہ کھل جاتا ہے۔ اندر ٹمٹماتی چراغ کی لو میں ایک دیہاتی عورت بڑی بے فکری سے سوئی ہوئی ہے۔ اپنے کانپتے جسم اور تھرتھراتے قدموں کے ساتھ لڑکا اس کی طرف بڑھتا ہے اور عورت کے نیم برہنہ نشیب وفراز کی طرف جھک جاتا ہے'

چراغ کی روشنی گل ہوجاتی ہے' مکمل اندھیرا---'

تاریکیوں سے ایک نسوانی آواز ابھرتی ہے'

نسوانی آواز ''کون ہے' کون ہے----''

مردانہ آواز ''ش شش' ش---'' جیسے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر خاموش رہنے کا اشارہ کیا جا رہا ہو'

نسوانی آواز ''ارے چھوڑا تو ہے! اتنی رات گئے۔ کیا بات ہے---''

مردانہ آواز ''اوہ! بولا نا چپ رہنے کا---''

نسوانی آواز ''کیا کر رہا ہے، پاگل ہوگیا ہے کیا؟''

مردانہ آواز ''شش، شش---''

نسوانی آواز ارے پاگل میں تیری----''

مردانہ آواز ''ہا---تم لوگ گاؤں میں رہ کر کچھ بھی نہیں جانتی۔ شہر میں تو---اور

وہ فلم دیکھی ہے تم نے ......اور تیرا مرد سالا شہر میں کہاں کہاں نہیں ......اور ایک تم لوگ......''

گھور سناٹا!

: تصور سیز دہم :

تصور کے ایک گوشے میں ایک مندر نظر آتا ہے۔ باقی جگہ سنسان۔ ہریالی میں ڈوبے ہوئے راستے۔ وہی شریر لڑکے مندر کے کنارے چبوترے پر بیٹھ کر گپ ہانک رہے ہیں، ٹھہاکے لگا رہے ہیں۔ اندھیروں کے چیچک زدہ دھبے ان کے ارد گرد منڈلا رہے ہیں۔ کوئی بیڑی پی رہا ہے۔ کوئی تمبا کو مل رہا ہے، کوئی ---'' آخ تھو!''

ایک لڑکا دوسرے سے '' ارے سالو۔ شریفوں کی طرح رہو تم لوگ۔ گاؤں میں بہت کانا پھونسی ہونے لگی ہے۔ جانتے ہو کیسی کیسی باتیں کر رہے ہیں سب''

دوسرا '' ارے ان کی ایسی کی تیسی ---''

تیسرا '' نہیں یار مجھے تو خطرے کی بو آنے لگی ہے۔ سالے کہتے ہیں کہ شہر سے ہم بیماری لے کر آرہے ہیں۔ ان کی تو ---''

چوتھا '' اور وہ پنڈت کا چیلا کہتا تھا، اپن سب کے یہاں آجانے سے اگنی جل اور پون تینوں بھرسٹ ہوگئے ہیں ---''

دوسرا '' اور وہ جو خود گاؤں کی استریوں کو منتر پڑھاتا رہتا ہے ---''

تیسرا '' سالے کی چال ڈھال دیکھی ہے پکا حرامی کارخانے دار لگتا ہے''

پہلا '' تو بلیڈ مار نیکی کیا ضرورت تھی اس کو۔ کہیں کچھ ہو جاتا تو۔ اب پنچایت ہوگی بیٹا ---''

چوتھا '' اور تو نے شام میں بنئے کا بٹوا اڑایا تھا۔ وہ تو کہتا ہے کہ شکل ہی نہیں دیکھی

ورنہ---"

دوسرا "بے دیکھ، دیکھ کیا ببال ہے باپ---"

ایک عورت پوجا کے تھال لئے مندر کی طرف سے آ رہی ہے۔ سبھی گھور گھور کر اسے دیکھنے لگتے ہیں اور جب وہ ان کے قریب سے گذرتی ہے،

چوتھا "گوری چلو نہ ہنس کی چال زمانہ دشمن ہے"

دوسرا چوتھے کی لے پوری کرنے لگتا ہے-----"

عورت پلٹ کر تیز نگاہوں سے ان کو دیکھتی ہے تو یہ اپنے گندے دانتوں کے ساتھ مسکرا دیتے ہیں۔ اسی وقت ایک مفلوک الحال بوڑھا لاٹھی کے سہارے اپنے تھرتھراتے جسم کو سنبھالے ان کے قریب آتا ہے اور نشے میں شرابور ایک لڑکے سے منتیں کرنے لگتا ہے،

بوڑھا "بابو آج دے رہے ہونا---"

لڑکا "کیوں؟"

بوڑھا "لالہ آیا تھا کہہ رہا تھا آج نہیں دیا تو سود چوگنا ہو جائے گا۔"

لڑکا "تو؟"

بوڑھا "تو----تو----"

دوسرا لڑکا "کیا بات ہے بے"

پہلا "کچھ نہیں، اس کا پوتا گیا تھا نا بمبئی۔ سالے کو ٹی بی ہو گیا۔ اس کو خبر ملی تو اس نے علاج کے لئے پیسے بھجوائے مگر تب تک چندہ کر کے وہ گاؤں پہنچ گیا"

دوسرا لڑکا "اب کیا حال ہے"

بوڑھا "ابھی بھی بستر ہی پر ہے بیٹا"

دوسرا "تو پیسے کا کیا چکر ہے۔"

پہلا ''ارے جب وہ نہیں تھا تو کوئی نہ کوئی پیسے چھڑاتا ہی نا۔ وہ تو میں نے چھڑالیا ورنہ---اور یہ بڈھا ہے کہ سر پہ چڑھا جاتا ہے۔''

بوڑھا ''نہیں بابو وہ سود---''

دوسرا ''مان لو۔ اگر یہ نہیں چھڑاتا تو کیا کرتے۔ پوسٹ مین کھا جاتا۔ واپس تھوڑے ہی دیتا۔ ارے جب ہم لوگ بھیجتے ہیں اور پیسہ نہیں پہنچتا تو کیا کرلیتے ہیں۔ کیوں بے---''

پہلا ''اور کیا۔ میں نے بھیجا بھی تھا''

بوڑھا ''بھیجا تھا؟''

بڈھا حیرت کا مجسمہ بنا انتہائی کرب ناک نگاہوں سے چھوکروں کو دیکھتا ہے ۔ چھوکرے پھر اپنے گندے دانتوں کے ساتھ مسکرا پڑتے ہیں۔

: تصور چہاردہم :

گہری رات کا سناٹا'

بوسیدہ جھونپڑیوں کے دروازے کھڑکیاں سب بند'

دفعتاً ایک جیپ دھڑ دھڑاتی ہوئی اندر داخل ہوتی ہے اور ایک جھونپڑی کے قریب جا کر بند ہو جاتی ہے'

چند سپاہی اور ایک داروغہ نما شخص جیپ سے باہر نکلتا ہے اور جھونپڑی کے دروازے کی زنجیر ہلاتا ہے' (کچھ توقف کے بعد)

کھانسنے کی آواز کے ساتھ ہی کواڑ جھرجھراتی ہوئی کھلتی ہے۔ ایک بوڑھا شخص برآمد ہوتا ہے۔ اپنے سامنے سپاہیوں کو دیکھ کر گھبرا جاتا ہے'

بوڑھا ''کیابات ہے حضور!''

''بات یہ ہے جمن میاں کہ--- دیش میں بہت دیش دروہی ہو گئے ہیں۔لڑکے آتنگ وادی ہو رہے ہیں۔آتنک وادی یہاں وہاں حملے کر رہے ہیں۔یہ سب تو جانتے ہی ہو تم--- کئی گاؤں میں چھاپہ مار مار کر ہم نے لڑکوں کو پکڑا ہے۔خیر ---کسی نے بتایا کہ تمہارے لڑکے بھی شہر سے آئے ہیں' ذرا ملواؤ تو ہمیں---''

جمن میاں ''وہ--- وہ بات یہ ہے حضور کہ وہ آنے والے تو تھے مگر اب نہیں آئیں گے۔کام جو بہت ہے۔کسی کو غلط فہمی ہوئی ہوگی۔اگر حضور کو کوئی تکلیف نہ ہو تو آنے پر ملوا دیں گے؟''

داروغہ ''ہمیں کیا تکلیف ہوگی جمن۔تم ہوشیار رہنا۔''

کہتا ہوا داروغہ اپنے سپاہیوں کے ساتھ پلٹ جاتا ہے!

--تاریک وقفہ--

رات کا آخری پہر'

آنگن میں خراٹے لیتے ہوئے بچے'

وقفے وقفے سے کتوں کی گونجتی ہوئی بھونک اور آنگن میں لاٹھی کے سہارے چلتا ہوا ایک سایہ'

سایہ دھیرے دھیرے سوئے ہوئے بچوں کے قریب پہنچتا ہے اور انہیں ہلا ڈلا کر جگانے لگتا ہے۔بوڑھے کے جھنجھوڑے پر سوئے ہوئے بچوں میں سے ایک آنکھیں ملتا ہوا اٹھ کر بیٹھتا ہے اور جیسے خواب میں بڑبڑاتا ہے'

بچہ ''کیا ہے بابا۔سونے دو نا---''

بوڑھا ''اب گاڑی میں ہی سو لینا۔''

بچہ ''گاڑی میں؟--''

بوڑھا ''جلدی اٹھ۔بھور ہو جائیگا تو کس کس کو جواب دیتے پھریں گے''

بچہ ''ہوا کیا؟--''

بوڑھا ''ارے پورا گاؤں چوپٹ ہو گیا ہے۔ہم نے تو خط لکھ دیا تھا کہ مت آنا۔خط نہیں ملا کیا''

بچہ ''کہاں ملا۔''

بوڑھا ''اچھا تو جلدی کر بیٹا۔گاؤں کی حالت خراب ہے۔رات پولیس والے آئے تھے۔ابھی جس پر شک ہوتا ہے اسے اٹھا لے جاتے ہیں اور سب کو بھی جگا۔جلدی کر---''

بچہ ''دو چار دن تو رہنے دے بابا۔''

بوڑھا ''نہیں بیٹا۔بات سمجھ۔رہنے کے لئے تو گھر ہی تیرا ہے۔پر کیا کریں۔اور تو کیا سمجھتا ہے ہم لوگوں کے دل پر کیا بیتے گی۔مگر بیٹا جان کے جبال میں نہیں پڑنا چاہیئے۔آج نہ کل سب ٹھنڈا ہو جائے گا تب بلا لیں گے۔جب تک جی چاہے رہنا----''

کہتے کہتے بوڑھے کی گھگھی بندھ جاتی ہے اور تاریکی اور گہری ہوتی چلی جاتی ہے۔

--وقفہ--

کچھ توقف کے بعد صبح کے جھلملاتے اجالے دھیرے دھیرے پھیلنے لگتے ہیں' جھونپڑی کے باہر جھلملے میں ایک تانگہ کھڑا ہے۔چند بکسے اور کچھ موٹریاں رکھی ہیں۔تین چار بچے آگے لدے ہیں، تین چار بچے پیچھے۔رات والا لڑکا بھی موجود ہے۔عورتیں بچیاں اور ایک چھوٹا سا کتا کچی دیوار تلے کھڑے تانگے کی طرف ایک ٹک دیکھے جا رہے ہیں۔آنکھیں سب کی آبدیدہ۔بوڑھا جو تانگے کے قریب ہی کھڑا

ہے اپنے جھریوں بھرے ہاتھ بچوں کے سروں پر پھیرنے لگتا ہے۔ایک انتہائی ضعیف عورت بے خود ہوکر آگے بڑھتی ہے اور بے تحاشہ بچوں کی بلائیں لئے جاتی ہے۔بچوں کے سروں پر اپنا آنچل پھیرتی زاروقطار رونے بلکنے لگتی ہے اور تانگہ ---کہ بڑھا ہی چلا جاتا ہے۔چند قدموں کے بعد ایک بچہ جو آنسوؤں سے تربتر ہے' اپنے پاس والے بچے سے رندھی ہوئی آواز میں ہکلا ہکلا کر کہتا ہے۔

''اگر اللہ میاں ہمارے پاس آتے تو ہم ان سے پوچھتے کہ وہ صبح کیوں بناتا ہے؟''

تانگہ بڑھتا ہی چلا جاتا ہے یہاں تک کہ دھیرے دھیرے نظروں سے اوجھل ہوجاتا ہے۔

بھیگے ہوئے چہرے اور کانپتی ہوئی پلکوں سے آسمان کی جانب دیکھتے لوگ۔

ضعیفہ اور بچیوں کے کانپتے ہاتھ'

جانبِ فلک'

دعا کو اٹھتے ہوئے......!

گہری تاریکی..........'

-وقفہ-

نیم تاریکی..........'

جھلملے میں بڑھتا ہوا تانگہ۔اگلی پچھلی سیٹ پر لدے ہوئے مزدور بچے۔پچھلی سیٹ پر سر جھکائے بیٹھا ہوا بوڑھا۔بچوں کی مانند رنجیدہ وغم دیدہ۔اور کچھ کچھ فکر مند ......معاً سامنے پولیس کی ایک جیب آکر رکتی ہے۔بوڑھا اندر تک کانپ جاتا ہے۔

داروغہ جیپ سے کود کر اترتا ہوا..........'

داروغہ ''کیوں جمن، ہم نے کہا تھا نا ہوشیار رہنا؟ چلو اب ان چھوکروں کے ساتھ تم بھی جیل کی سیر کرنا''

''ح...... حضور، حضور......'' بوڑھا لڑکھڑاتا ہوا داروغہ کے سامنے فریاد کرتا ہے۔

بوڑھا ''ہم ڈر گئے تھے۔ بہت ڈر گئے تھے حضور۔ ہمارے بچے، مزدور کے مزدور بچے ہیں حضور۔ اگر انہیں کچھ ہو گیا تو ہمارا تو خاندان ہی مٹ جائے گا۔ ہم پر رحم کیجئے''

داروغہ سپاہیوں کو اشارہ کرتا ہے کہ بچوں کے ساتھ بوڑھے کو بھی جیپ میں ڈال دے۔

وقفہ،

سبھی کو جیپ میں ڈالنے کے بعد رونے بلکنے کی صداؤں کے ساتھ ہی جیپ انجانی سمت کو روانہ ہو جاتی ہے۔

تاریکی............'

-وقفہ-

نیم تاریکی............'

جنگلی شاہراہوں سے گزرتی ہوئی جیپ............'

معاً، جگمگاتی لال بتی کی سائرن کی آواز کے ساتھ ہی ایک امیسڈر کار جیپ کے سامنے آ کر رک جاتی ہے۔ کار کا دروازہ کھلتا ہے اور ایک اعلیٰ افسر کے ساتھ چند آفیسر نمودار ہوتے ہیں۔ آفیسروں کی ٹیم جیپ کی طرف کچھ اس طرح لپکتی ہے کہ داروغہ بھی سہم جاتا ہے۔ آفیسروں میں سے ایک داروغہ سے سخت لہجہ میں پوچھتا ہے'

''کیوں داروغہ جی، ان لڑکوں کے ساتھ اس بوڑھے کو کس جرم کی سزا دینے لے جا رہے ہو؟''

داروغہ: ''حضور! یہ آتنک وادی بھاگنے کی کوشش کر رہے تھے؟ مگر حضور آپ لوگ؟''

افسر اعلیٰ خود آگے بڑھتے ہوئے،

افسر اعلیٰ: ہم خفیہ و بھاگ سے ہیں۔اور ہمارا یہ بھی فرض ہے کہ ہم امن اور دہشت میں فرق سمجھتے ہوئے امن کی حفاظت کریں۔کیا آپ کا بھی یہی فرض نہیں؟''

داروغہ ''جی،جی جناب......جناب......!''

افسر اعلی بڑی اپنائیت سے'' دیکھئے داروغہ جی،ہمارا ایک ایک شہری ہمارے لئے اہم ہے۔ہمیں ہر ایک کی پوری رسپکٹ کرنی چاہئے۔ہمیں ہر ممکن کوشش کرنی چاہئے کہ ہمارے کسی ایکشن سے کسی ایک انسان کی بھی توہین نہ ہو۔کسی بے قصور کا ہم سے کوئی نقصان نہ ہو بلکہ ہم ہر ایک شہری کے کچھ کام آسکیں،ان کی کچھ مدد کرسکیں۔جو بھٹکے ہوئے ہیں یا بھٹک گئے ہیں ان کی بھی ہر ممکن اصلاح ہو اور وہ بھی راہ راست پر آجائیں۔''

داروغہ بھی سعادت مندی سے''جی،جی جناب......!''

افسر اعلی اسی اپنائیت کے ساتھ ''آپ تو جانتے ہی ہونگے کہ سزا یافتہ مجرموں کے قلوب بھی ہماری رحم دلی اور ہمارے حسن سلوک کی وجہ سے اکثر پاک وصاف ہوجایا کرتے ہیں۔بدل جایا کرتے ہیں۔تاریخ گواہ ہے کہ یہی حسن سلوک ہے،جس نے دنیائے انسانیت پر ہمیشہ احسان عظیم کیا ہے۔لہٰذا اسی سلوک کی آج ہمیں سب سے زیادہ ضرورت ہے۔دیش دنیا میں امن وامان کے لئے اور ترقی کے لئے یہ بہت ضروری ہے۔یہ بہت ضروری ہے کہ ہماری کارکردگی اور ہمارے رویہ کے سبب سسٹم سے لوگ بیزار نہ ہوں بلکہ سسٹم پر لوگوں کا وشواس بڑھتا ہی چلا جائے۔''

افسر اعلی کے یہ الفاظ داروغہ کے کانوں میں اس طرح گونجتے ہیں کہ ان کا چہرہ انکے ضمیر کے جاگ اٹھنے کی علامت بن جاتا ہے اور ایسا لگتا ہے کہ ان کی آنکھیں بھر آئی ہوں۔

افسر اعلی اسی ملائمیت کے ساتھ''اب میں آپ ہی سے پوچھتا ہوں،دل پر ہاتھ رکھ کر کہئے گا،کیا آپ کی یہ گرفتاری سہی ہے؟''

داروغہ جلدی سے''سر،سر میں انہیں ابھی رہا کر دیتا ہوں۔''

افسر اعلیٰ دارو غہ جی کی پیٹھ تھپتھپاتے ہوئے مزدور بچوں کی طرف بڑھتے ہیں اور مزدور بزرگ کے پاس بہ نفس نفیس پہنچ کر نوٹوں کا ایک بنڈل بزرگ کے حوالے کرتے ہوئے مخاطب ہوتے ہیں؛

افسر اعلیٰ ''بابا، آپ لوگوں کو جو پریشانی ہوئی ہے اس کے لئے ہمیں افسوس ہے۔ اس رقم کو آپ رکھ لیجئے اور ان بچوں کو کام پر لگانے کی بجائے انہیں تعلیم پر اس طرح لگایئے کہ آگے چل کر یہ اپنے سماج اور ملک کے علاوہ پوری دنیا میں روشنی پھیلا سکیں۔''

بوڑھا، اس مہربان آفیسر کو انتہائی حیرانی، مسرت اور پھر دعائیہ نگاہوں سے بغور دیکھنے لگتا ہے ....اچانک...... اچانک اس کے چہرے پر اس مہربان کے لئے پرانی شناسائی کے نشان روشن ہونے لگتے ہیں۔ جبکہ فضا میں ادھر اُدھر ''رت جگا'' کا چہرہ وسراپا جگمگانے لگتا ہے۔ یہاں تک کہ شناسائی کی مسرور کن کیفیات سے لبریز........... اس کی کپکپاتی زبان سے ہلکی آواز میں ''رت جگا'' نکل ہی جاتا ہے۔ افسر اعلیٰ بھی ایک لمحہ کو چونکتے ہیں۔ چونک کر وہ بھی بزرگ کو بغور دیکھنے لگتے ہیں کہ اک ذرا سی مسکراہٹ ان کے ہونٹوں پر بھی تیر جاتی ہے۔ مگر اس سے قبل کہ دوسرے کچھ سمجھ سکیں وہ اپنی گاڑی میں جا کر دراز ہو جاتے ہیں۔

نیم تاریکیوں میں کھلتے گلاب؛
شکر گزار چہرے؛
مسکراتا ماحول؛
اور منظر ساکت!!

☆☆☆

خوش آمدید

: تصورِ سماعِ اول :

پتوں کی سرسراہٹ اور تڑتڑاہٹ،

انسانی خراٹے کی گونج،

گھنٹے کی آواز۔ایک، دو تین، چار..........،

رات کے گہرے سناٹے کے بطن سے ابھرنے والی صبح کا مدھم مدھم احساس،

پرند و چرند کی ہم آہنگ خوش الحانی،

اور دھیرے دھیرے انسانی قدموں کی ابھرتی آہٹیں؛

رفتہ رفتہ قدموں کی ابھرتی آہٹیں قریب تر ہوتی چلی جاتی ہیں۔پھر کواڑ کے کھلنے چڑ چڑانے کی آواز ابھرتی ہے جیسے کمرے کے اندر ہڑ بڑاتا ہوا کوئی داخل ہو رہا ہو،

آزاد "ارے چار بج گئے بھائی اور یہ صاحب ابھی تک سوئے ہی ہیں۔اٹھو بھائی چھوٹو، اے چھوٹو.........."

خراٹے چونکنے کی آواز میں تبدیل ہوتے ہیں اور چھوٹو جیسے ہڑ بڑا کر اٹھ بیٹھتا ہے،

"کیا ہوا، کیا ہوا، کون ہے بھائی؟ کیوں دھڑ دھڑائے چلے آرہے ہو۔اُف! سونے بھی نہیں دیتے"

''آہ آہ!'' (انگڑائیاں)

آزاد ''سوتے سوتے مرجاؤ گے کیا۔ زندگی بھر سوتے رہنے کے سوا کچھ اور بھی کیا ہے تم لوگوں نے؟ اب تو جاگو۔ سویرا ہونے والا ہے۔''

چھوٹو ''اوہ!۔ پھر وہی موٹی موٹی باتیں۔ ابھی تو رات ہی ہے اور تم............''

آزاد ''رات نہیں ہے۔ باہر نکل کے دیکھو سُجھائی نہیں دیتا۔ بھور ہونے والا ہے۔ اور بھول گئے۔ ہمیں سورج نکلنے سے پہلے مکھیا جی کے پاس جانا ہے۔''

چھوٹو ''میں تو کہتا ہوں آزاد بھائی تم بھی سو جاؤ چادر تکیہ ہے میرے پاس۔ مکھیا جی سے مل کر کیا کروگے؟ کیوں اپنے ساتھ ساتھ میری نیند بھی۔''

آزاد ''ارے او کلو۔ کلو'' دور سے کلو کی آواز' سامانوں کی ڈھنمناہٹ کے ساتھ'

کلو ''آیا بھیا۔''

آزاد ''بیل گاڑی تیار ہے؟''

کلو ''ابھی کرتا ہوں!''

آزاد ''یہ دیکھو یہاں سب کو اپنے اپنے سونے کی پڑی ہے۔ کوئی کام پہلے کر کے نہیں رکھ سکتے۔ رات میں کہیں گے کہ ہاں ہاں اور صبح آؤ تو۔ اور یہ صاحب ارے اٹھتے ہو کہ نہیں۔ (ڈنڈا کھڑکنے کی آواز جیسے آزاد کے ہاتھ کوئی ڈنڈا آ گیا اور وہ ڈنڈا بجاتا ہوا چھوٹو کی طرف بڑھ رہا ہو۔ چھوٹو ڈنڈے سے بچنے کے لئے دوسری طرف بھاگ کھڑا ہوتا ہو)

آزاد ''ٹھہر! ٹھہر ابھی سلاتا ہوں تجھے۔ بھاگتا کہاں ہے۔ آ آ۔''

دور ہی سے کلو کا قہقہہ ابھرتا ہے اور دھیرے دھیرے شانت ہوتا چلا جاتا ہے۔

-وقفہ-

کچھ لمحوں بعد جیسے بیلوں کے گلے میں بندھی ڈولتی گھنٹی کی آواز ابھرتی ہے۔ بیل

گاڑی کے چلنے اور کلو کے بیل ہانکنے کی ہونکار سنائی پڑتی ہے۔ پرندو چرند کے من موہک شور جیسے ثابت کر رہے ہوں کہ صبح کے حسین مناظر میں بیل گاڑی کا سفر جاری ہے۔ اچانک چھوٹو کی آواز ابھرتی ہے۔

چھوٹو ''ارے، ایسے کیوں سرپٹ ہانکے جا رہا ہے کلو! راستے ابر کھابڑ ہیں۔ ذرا سنبھل کر بیٹا۔ کہیں تیرے آزاد بھائی کا نازک بدن کھیاجی تک پہنچتے پہنچتے چور نہ ہو جائے۔''

کلو ''ایسی بات نہیں ہے چھوٹو بھیا۔ تمہاری طرح نازک نہیں ہیں آزاد بھائی کہ بیل گاڑی کے ہچکولے بھی برداشت نہ کر پائیں۔''

آزاد ''کیا بات کہی ہے کلو۔''

کلو ''رہی بیلوں کی رفتار سو وہ بھی تمہاری طرح نہیں ہیں کہ منٹوں کا کام گھنٹوں میں کریں' ہاہاہاہا''

چھوٹو ''تیری تو--- مجھے کام چور سمجھتا ہے' ٹھہر---''

آزاد ''ارے ارے ارے' بس! بس چھوٹو! بچارے کلو پر کیوں اپنی نیند کا غصہ جھاڑ تا ہے۔ اس نے کچھ غلط تھوڑے ہی کہا ہے۔ کبھی تو سچائی قبول کیا کر!''

چھوٹو ''تو کیا میں کام چور ہوں؟''

آزاد ''نہیں' اب ایسا بھی نہیں ہے مگر یہ کہ تو ہے ذرا آرام پسند! بھائی جب راستے ہی خراب ہیں تو چوٹ تو لگے گی ہی۔ اور کلو گاڑی تیز چلا رہا ہے تو ہمارے لئے ہی اچھا ہے۔ جلدی پہنچیں گے تو ہمارا ہی فائدہ ہے۔''

چھوٹو ''کیا فائدہ ہے۔ کیا راستے پلین ہو جائیں گے ہوائی پٹی کی طرح؟''

آزاد ''ہو بھی سکتے ہیں۔ اگر ہم چاہیں''

چھوٹو ''ہمارے چاہنے سے کیا ہوا ہے اب تک؟''

آزاد ''جو کچھ ہوا ہے ہمارے چاہنے ہی سے ہوا ہے اور آگے بھی وہ ہوگا جو ہم چاہیں گے''

چھوٹو ''کیا بات کررہے ہیں آپ بھی آزاد بھائی۔ہم تو چاہتے ہیں کہ ہماری زندگی جنت ہو جائے تو کیا ہو جائے گی؟''

آزاد ''نہیں، تم نہیں چاہتے۔لوگ نہیں چاہتے۔سچ تو یہ ہے کہ ہم نہیں چاہتے۔ چاہنے کی بات تو دور ہم لوگ سوچتے بھی نہیں۔ورنہ سچی چاہت تو مردہ پہاڑیوں سے پھل پھول اگا لیتی ہے۔دودھ کی نہر نکال لیتی ہے۔دریاؤں میں راستہ بنا لیتی ہے۔ سچی چاہت تو----''

چھوٹو ''تو کیا گلا پھاڑ کر کہیں یا سینہ چیر کر دکھائیں کہ ہماری بات سچی ہے؟''

آزاد ''نہیں! گلا پھاڑنے یا سینہ چیرنے کے بجائے کچھ کر کے دکھانے کی ضرورت ہے۔تم ایمانداری سے سوچو کہ تم نے اپنے گھر کے پاس کے نالے کو صاف اور جاری رکھنے کے بجائے کیا ہمیشہ کے لئے اسے بند نہیں کر دیا ہے۔کیا تم نے اس پر اپنا گھر نہیں بنا لیا ہے۔کیا تم نے' کیا ہم نے' کیا ہم سب نے گندگی' غلاظت اور کیڑے مکوڑے سے بچاتے ماحول کو اپنے ہاتھوں سے اپنے اوپر مسلط نہیں کر لیا ہے''

چھوٹو '' تو کیا چاہتے ہو۔میونسپلٹی والوں کا کام ہم کیا کریں؟ کیا ہریالی؟ نکاسی، تعمیر اور صاف صفائی کی ذمہ داری ہماری ہے؟''

آزاد ''کیوں نہیں!''

چھوٹو ''اور سرکاری کرمچاری کیا کریں۔گھر بیٹھے تنخواہ اٹھائیں؟''

آزاد ''دیکھو' جب تم جاگو گے انہیں بھی جاگنا پڑے گا۔جب تمہیں سو جاؤ گے تو وہ تو خراٹے لیں گے ہی۔''

چھوٹو ''یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔''

آزاد'' یہی بات ہے ۔بات یہی ہے پیارے۔اب دیکھو جب کوئی سرکاری کرمچاری یا کوئی ٹھیکیدار تمہارے پاس آتا ہے تو تم اس کی کیا مدد کرتے ہو؟ تم اس سے کوئی مطلب ہی نہیں رکھتے یا پھر اس سے ناجائز امیدیں کر بیٹھتے ہو۔ یا پتہ نہیں کیا کیا وسوسہ اپنے دل و دماغ میں پالے ہوئے دور ہی سے نظارہ کر لینے میں اپنی عافیت سمجھتے ہو۔ جب وہ چلا جاتا ہے تو ان کے کئے کرائے میں کیڑے البتہ ضرور نکالتے ہو۔''

چھوٹو'' تو کیا کریں۔ ان پر پھول مالا چڑھائیں یا ان کی تعریف میں قصیدے پڑھیں''

آزاد'' یہ بھی غلط! نہ ان پر پھول مالا چڑھانے کی ضرورت ہے اور نہ انہیں پتھر مارنے کی۔ضرورت اس بات کی ہے کہ ان سے کام لینے کا سلیقہ سیکھو۔مل جل کر آگے بڑھنے کا طریقہ اپناؤ۔ جاگنے اور جگانے میں وشواس کرو۔ یہاں تو معاملہ یہ ہے کہ ہم لوگ بجلی چوری کرتے ہیں۔ نالے پر مکان بناتے ہیں۔کوڑے کرکٹ سے اپنے اور دوسروں کے لئے پریشانی پیدا کرتے ہیں۔اور اپنے پاپ کی گٹھری دوسروں کے سروں پر لاد کر خود چین کی بنسی بجانا چاہتے ہیں۔ میں پوچھتا ہوں کرپشن کون کرتا ہے؟ سرکاری کرمچاریوں سے اپنے مفاد میں ناجائز اور غیر قانونی کام کون کراتا ہے؟ اور کرمچاریوں، آفیسروں کو کرپشن میں شامل ہونے پر مجبور کون کرتا ہے؟ کون انصاف کی بات کرتا ہے۔کون انصاف پر چلتا ہے۔ سبھی تو انصاف کو روند کر آگے بڑھنا چاہتے ہیں۔ میں پوچھتا ہوں تم میں سے کتنے لوگ ہیں جو یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ وہ ظالم نہیں ہیں مگر ان پر ظلم کیا جاتا ہے۔ وہ بے ایمان نہیں ہیں مگر ان کے ساتھ بے ایمانی کی جاتی ہے۔ وہ بے قصور ہیں پھر بھی ان کا استحصال ہوتا ہے۔''

چھوٹو'' کوئی نہیں۔ شاید کوئی نہیں۔ سو تو ہے۔۔۔۔''

آزاد'' تم دیکھو ابھی ہمارے دیش میں ایک بہت بڑا مسئلہ نوکری کا ہے۔ سرکاری

نوکری کا۔ کچھ گمراہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ چونکہ لوگ رشوت دے کر نوکری میں آتے ہیں اس لئے بعد میں رشوت لے کر اس کی بھرپائی نہ کریں تو کیا کریں۔ ایسی باتیں رشوت لینے اور دینے والوں کے ناپاک بہانے ہیں۔ گناہوں پر پردہ ڈالنے والے بہانے! میں کہتا ہوں اگر کوئی رشوت دینے والا ہی نہ ہو، اگر کوئی پیروی کرنے والا ہی نہ ہو تو کیا بحالیوں کو بند کر دیا جائے گا؟ کیا دیش کو ملازموں کی ضرورت نہیں رہ جائے گی۔ کیا بغیر پیروی کے بحالیاں نہ کی جا سکیں گی۔ سوچو اور ذرا اس دن کے بارے میں سوچو، جب نوکریوں کے لئے سرکار بلائے گی، بار بار خوشامد کرے گی، مگر ان کی طرف کوئی دیکھنے والا بھی نہ ہوگا۔ کیسا مزہ آئے گا؟ کہاں ہوگا، کیسے ہوگا یہ کرپشن''

چھوٹو ''مگر کب آئے گا وہ دن؟----''

آزاد ''صبر کرو! صبر کرنا سیکھو۔ ساری گڑبڑی اسی عجلت، اور بے صبری سے پیدا ہوئی ہے۔ تمہاری اسی بے صبری اور بے اطمینانی کا فائدہ اٹھایا ہے خاص لوگوں نے۔ اب تو صبر و تحمل کو اپناؤ۔ قناعت کو اپناؤ۔ پاپ کا گھڑا تو بھر ہی چکا ہے۔ بس لوگوں کو ذرا جاگنے جگانے کی ضرورت ہے۔ جس دن وہ جاگ گئے............''

چھوٹو ''تم تو ایسے کہہ رہے ہو کہ اگر اس پر عمل ہو جائے تو دنیا ہی سدھر جائے۔''

کلو ''مگر تم نہیں سدھرو گے چھوٹو بھیا۔''

چھوٹو ''تیری تو......''

آزاد ''نہیں نہیں چھوٹو۔ ایسے نہیں۔ تم کلو کو، لوگوں کو، پورے گاؤں کو اس بات کا وشواس دلاؤ کہ چھوٹو چھوٹا نہیں ہے۔ چھوٹو بڑا ہے۔ چھوٹو بہت کچھ بڑا کر سکتا ہے۔ بہت کچھ کر سکتا ہے۔ تم کر کے دکھاؤ۔ اور بہت صبر کے ساتھ اطمینان کے ساتھ۔ بہت محنت سے، بہت لگن سے۔ پھر دیکھو یہی لوگ تمہاری قدر کریں گے اور ایک وقت ایسا بھی آئے گا کہ تم جیسا کہو گے ویسا ہی کریں گے۔ یہ تو ایک دم سامنے کی بات ہے۔''

چھوٹو ''ارے کوئی نہیں سنتا آزاد بھائی !''

آزاد ''ایسے کیسے سنیں گے‘ ایسے کیوں سنیں گے‘ میں نے کہا نا تم کچھ کر کے تو دکھاؤ ۔مکھیا بھی تمہیں سلام کریں گے۔''

چھوٹو ''ہی ہی ہی---کیا بات کرتے ہو''

آزاد '' چلو ابھی سے شروع ہو جاؤ۔مکھیا جی سے میں بات نہیں کروں گا، تم ہی کرنا۔''

چھوٹو ''سچ ؟---''

آزاد ''بالکل سچ !تم اپنے آپ کو پہچانو چھوٹو۔ بدل دو اپنے آپ کو۔ابھی سے یہ مان لو کہ تم ایک دم سے ایک نئے چھوٹو ہو۔''

بیلوں کے گلے میں ڈولتی گھنٹیوں کی آواز‘ بیل گاڑی کی چڑ مراہٹ اور کلو کی ہونکار۔۔

''آ گیا۔آ گیا بیٹا۔آ گیا مکھیا جی کا گھر۔بس‘ بس‘ ہا‘ ہا----''

-وقفہ-

کچھ لمحوں بعد مکھیا جی کی آواز ابھرتی ہے‘

مکھیا جی ''کیوں بھائی آزاد !تم لوگوں نے چھوٹو کو اگوائی کے لئے چنا ہے کیا؟''

آزاد ''بات یہ ہے مکھیا جی کہ چھوٹو بہت بدل چکا ہے۔وہ آپ سے کچھ کہنا چاہتا ہے۔مل جل کے کچھ کرنا چاہتا ہے۔''

مکھیا جی ''اچھا'' (حیرت بھری آواز)

آزاد ''ہاں بولو۔بولو چھوٹو۔مکھیا جی کو بتاؤ کہ تم کیا سوچتے ہو۔''

چھوٹو ''پہلے تو نہیں سوچتا تھا سرکار۔لیکن جب سے سرکار نے نئی ترقی کے بارے میں سوچا ہے‘ ہم بھی سوچنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ہم نے سوچا ہے، ہمیں بھی نئے انداز

میں سوچنا چاہئے۔ کچھ کرنا چاہئے۔''

مکھیا جی ''واہ واہ واہ واہ، کیا بات ہے۔ آگے کہو۔''

چھوٹو ''م۔ مم۔ میرا مطلب یہ ہے کہ بات تو ہمارے ہی بھلے کی ہے نا۔ ہمارے گاؤں میں روشنی آئے گی۔ کھیتوں کو پانی ملے گا۔ بیج اور کھاد آسانی سے لیں گے۔ ہمارے کھیت لہلہا اٹھیں گے۔ فصل اچھی ہوگی۔ اس کی قیمت اچھی ملے گی اور ہمارے جیون میں ہریالی ہی ہریالی ہوگی۔ سارے دلدر دور ہوں گے۔ نئی منڈی اور نیا بازار لگے گا۔ نئے بیوپاری اور نیا بیوپار ہوگا۔ تو ہم جو اپنے گاؤں سے کھیتوں سے اوب چکے ہیں پھر سے اپنی دنیا سے جڑ جائیں گے۔ سنا ہے یہاں مل اور کارخانے بھی لگ رہے ہیں۔ طرح طرح کے کام۔ طرح طرح کے سامان۔ سب چیزیں ہمارے یہاں پیدا ہوں گی۔ کوئی بے کار نہ ہوگا۔ ہمیں کچھ باہر سے لینے کی ضرورت نہ ہوگی۔ کوئی پنجاب، کوئی دلی، ممبئی، کلکتہ کی ٹھوکریں نہیں کھائے گا۔ کوئی ----''

''آہاہاہا ---- آداب مکھیا جی ----'' (پروفیسر اور صحافی ''آداب'' کے ساتھ ہی محفل میں داخل ہوتے ہیں)

''آفتاب' او آفتاب ---- کتنی دیر کردی بھیا۔ دو کپ اور بڑھا دینا۔'' مکھیا جی کی کھلکھلاتی آواز

پروفیسر ''آپ خواہ مخواہ تکلف کرتے ہیں۔''

مکھیا جی ''نہیں صاحب! تکلف نہیں بلکہ خوب جمے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے سب!''

''آہاہاہاہا ---- آہاہاہاہا ----'' (سبھی ٹھہاکے لگاتے ہیں)

مکھیا جی ''تو پروفیسر صاحب۔ ان لوگوں کا کہنا ہے کہ سرکار ترقی کے بارے میں سوچ رہی ہے۔ مل کارخانے کے بارے میں سوچ رہی ہے۔ انڈسٹری اور بزنس کے

بارے میں سوچ رہی ہے---"

پروفیسر" دیکھئے مکھیا جی! ترقی کی مخالفت تو کوئی نہیں کر سکتا۔لیکن ہمیں یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ ہم اپنے ہی پاؤں پر کھڑے ہو رہے ہیں کہ نہیں۔سوال یہ بھی ہے کہ ہماری دھرتی، ہماری پرکرتی اور ہماری سنسکرتی کا کیا ہوگا؟"

مکھیا" ہوں...... بات تو یہ بھی اہم ہے۔"

پروفیسر" اور آپ یہ بھی دیکھئے کہ ہماری دھرتی دنیا کی اتنی اپجاؤ اور رنگارنگ دھرتی ہے۔ہماری دھرتی کی کوکھ میں کھنیج سمپداؤں کا اتنا وشال بھنڈار ہے کہ کیا کہنے۔سوال یہ اٹھتا ہے کہ ہمارے یہاں ہی زیادہ تر اپج کیوں نہیں ہوتی؟ اگر ہوتی ہے تو وہ کہاں جاتی ہے؟ ہماری کھنیج سمپداؤں کا کیا ہوتا ہے؟ اسی طرح ہمارے یہاں ودوانوں اور گیانیوں کی ایک وششٹ پرمپرا رہی ہے اور آج بھی ہمارے پاس بہترین دماغوں کی کوئی کمی نہیں۔تو سوال اٹھتا ہے کہ ہم کیوں نہیں اپنے یہاں اپنے دماغوں سے دنیا کی ٹکنالوجی، سائنس اور فلسفہ وادب کا جواب تیار کر پاتے ہیں؟ دنیا میں جتنی طرح کی انڈسٹری ہے اس کا بدل ہم اپنے یہاں کیوں نہیں پیدا کر سکتے؟ ایک دیا سلائی سے لیکر ہوائی جہاز تک ہم خود کیوں نہیں بنا سکتے؟ ہماری دھوتی اور لنگی کی تقلید دنیا نے کیوں نہیں کی، ہم ان کی بنائی ہوئی سگریٹ اور شراب کیوں پیتے ہیں۔ہمارا پان ان کے لئے قابل استعمال کیوں نہیں۔ہم ان کے بنائے ہوئے قانون کو اپنے معاشرے پر لاگو کرتے ہیں۔ہم نے ایسا سماجی قانون کیوں نہیں بنایا جس کی تقلید ساری دنیا کر سکے۔ آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ کام تو ہزاروں ورشوں میں ہوتا ہے۔ہمارے پرجوں نے ایسے نظام کی بنیاد ڈالی تو ضرور تھی مگر افسوس کہ...... خیر! آج تو آپ عالمی ترقی کے ریس میں شامل ہونا چاہتے ہیں۔تو پھر آج بھی خود اپنی محنت' اپنی کھوج' اپنی تپیا سے، اپنی ضرورت کی چیزیں کیوں نہ تیار کیجئے اور اس خوبصورتی سے کیجئے کہ دنیا میں آپ

ہی سب سے زیادہ امیر ہوں اور سب سے زیادہ امیر ہونے کے باوجود آپ ہی دنیا کی ہر طرح سے مدد کر سکیں اور بلا تعصبِ مذہب وملت اور ذات وطبقات کے کر سکیں، نہ کہ ہمیشہ دنیا ہی سے مدد لیتے رہیں۔ انسان جہاں سے جاگے وہیں سے سویرا ہوتا ہے۔ اگر کر سکتے ہیں تو اسے کر کے دکھائیے۔ اگر ترقی ہے تو یہ ہے۔ اگر انقلاب ہے تو یہ ہے' اگر ــــــــــ''

آفتاب ''چائے لیا جائے سرکار!''

مکھیا جی ''ارے لاؤ' لاؤ ــــــ لیجئے' لیجئے بھائی' آپ لوگ بھی لیجئے۔ اور پترکار جی آپ بھی لیجئے نا ــــــ''

صحافی چائے کی زوردار گھونٹ لیتے ہوئے'

''دیکھئے بھائی پروفیسر صاحب! بات تو آپ کی اچھی ہے مگر ہمارا خیال ہے کہ یہ سب خواب کی باتیں ہیں۔ ارے بھائی' جب ہم اپنے محلوں کی نالی انصاف کے ساتھ صاف نہیں کر سکتے تو اتنی بڑی ذمہ داری کیسے پوری کر سکتے ہیں۔ یہاں راشٹر سے زیادہ، کائنات سے زیادہ، لوگوں کو اپنا مفاد پیارا ہے۔ انسانیت سے زیادہ تجارت عزیز ہے۔ فطرت سے زیادہ مصنوعیت میں کشش ہے۔ اپنے قبیلے' اپنی نسل' اپنی برادری' اپنی قوم کے الگ الگ مفاد ہیں۔ یہاں زمانہ قدیم سے ہی ''ورن ویوستھا'' رہی ہے۔ دیش کی زیادہ تر آبادی صرف غریب ہے۔ اور دیش کی مٹھی بھر آبادی صرف امیر ہے۔ کوئی صرف حاکم، کوئی صرف محکوم۔ کوئی صرف دھوبی ہے' چمار ہے' ڈوم ہے' کھیری ہے، چوڑی ہارا ہے' کنجڑا ہے' جولاہا ہے اور کوئی صرف پنڈت ہے' راجپوت ہے' بھومی ہار ہے' سید ہے' شیخ ہے' پٹھان ہے اور اب تو اس میں ایک دو باتیں اور شامل ہو گئی ہیں کہ کچھ لوگ صرف ہندو ہیں اور کچھ لوگ صرف مسلمان اور کچھ تو صرف بیوپاری ہو کر رہ گئے ہیں۔ اسی طرح کچھ لوگ صرف بہاری ہیں' بنگالی

ہیں، یوپی وال ہیں، دلی وال ہیں، مراٹھی ہیں، پنجابی ہیں، کشمیری ہیں، راجستھانی ہیں، گجراتی ہیں۔ یہاں معاملہ صرف یہ نہیں ہے کہ ہم ایک اچھے ہندوستانی بنیں، ہم ایک اچھے انسان بنیں، ہم ایک اچھے ہندو اور ایک اچھے مسلمان بنیں۔ ہم ایک اچھے انصاف پسند شہری بنیں۔ ہم حقیقی معنوں میں سیکولر بنیں۔ جینیس بنیں۔ ترقی چاہیں۔ ہمیں صرف امن وامان اور عدل وانصاف اور ارتقائے جہان ومعاشرہ سے مطلب ہو۔ یہاں مزدور اور پونجی پتی ایک ہی چٹائی پر سر جوڑ کر انسانیت کے مفاد میں، دنیا کی ترقی کے مفاد میں نہیں سوچ سکتے۔ یہاں بھید بھاؤ، حدوسرحد اور تعصب ونفرت سے اوپر اٹھ کر آج کوئی بھی کسی کی مدد کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ جہاں شیر اور بکری ایک گھاٹ پر پانی نہیں پی سکتے وہاں مل جل کر اتنی بڑی ترقی اور کرانتی کی بات سوچنا دیوانے کا خواب نہیں تو اور کیا ہے۔''

پروفیسر'' تو کیجئے مانگے کا اجالا۔ رہئے ہمیشہ غیروں کے احسان مند۔ چلئے ودیشوں کی بچھائی ہوئی بساط پر۔۔۔''

''دنیا بہت بڑی ہے انسان مختصر ہے
ساری ہوس کا حاصل اے جان مختصر ہے
ساری ہوس کا حاصل اے جان
ساری ہوس کا حاصل۔۔۔۔۔۔''

شعر گنگناتے ہوئے ادیب صاحب محفل میں داخل ہوتے ہیں،

کھیاجی'' آیئے آیئے۔۔ آیئے بھائی ادیب صاحب۔۔ آفتاب، او آفتاب۔۔ ایک کپ اور لانا بھیا۔ آج تو مزہ ہی آگیا!''

پروفیسر'' کیا حال ہے بھائی آپ کی ساہتیہ کا؟''

ادیب'' میری ساہتیہ؟ ساہتیہ آپ کی نہیں ہے کیا؟ اور یہ میری کیا اور آپ کی کیا۔

اِن کی کیا اور اُن کی کیا۔ ساہتیہ تو ہم سب کی ہے۔ یہ کہئے کہ ہماری ساہتیہ کا کیا حال ہے۔ تو حال ٹھیک ہے۔ ترقی میں ہے۔ خوب ترقی میں۔ یہاں میری اور آپ کی طرح بحث کرنے والے بھی خوب ہیں لیکن کام کرنے والے بھی کم نہیں ہیں۔ خوب کام ہو رہا ہے۔ ترقی ہو رہی ہے۔ اور ترقی اس لئے ہو رہی ہے کہ یہاں کوئی صرف یہ نہیں سوچتا کہ روشنی کہاں سے آرہی ہے۔ چین سے آرہی ہے۔ ایران سے آرہی ہے۔ عرب سے آرہی ہے۔ یونان سے آرہی ہے۔ افغانستان سے آرہی ہے۔ جاپان سے آرہی ہے۔ انگلستان سے آرہی ہے۔ اور یہ بھی سن لیجئے کہ کوئی یہاں یہ بھی نہیں دیکھتا کہ روشنی بہار سے آرہی ہے' بنگال سے آرہی ہے' ہندوؤں سے آرہی ہے یا مسلمانوں سے آرہی ہے۔ یہاں ذات نہیں۔ مذہب نہیں۔ علاقہ نہیں۔ روشنی جہاں کہیں سے بھی آرہی ہے' ہم اسے قبول کرتے ہیں۔ اس کا سواگت کرتے ہیں اور اسے اپنے اپنے طور پر ڈیولپ کر کے اپنے اپنے رنگ میں رنگ لیتے ہیں اور یہ بھی سن لیجئے پروفیسر صاحب کہ اس کا اثر نہ ہماری سنسکرتی پر پڑتا ہے، نہ ہماری پرکرتی پر۔ سنسکرتی اور پرکرتی اپنی جگہ اور یہ نئی روشنی' نیا گیان اپنی جگہ۔ آپ دیکھئے' ودیشی انقلابوں اور تحریکوں کی طرح جو انقلاب اور تحریکیں یہاں پیدا ہوئیں' جتنے بڑے بڑے رائٹرس پیدا ہوئے' جتنا Relevent یا کارآمد ادب' جتنے شاہکار فن پارے یہاں وجود میں آئے' جس انداز میں نئے نئے تناظر میں' نئی نئی ادبی تکنیک' نئے نئے ادبی تجربے رچے گئے' نئی نئی ایجادات واختراعات کے اضافے ہوئے تو کیا آپ یہ کہیں گے کہ یہ ساری ترقی' یہ نئے نئے انقلابی کارنامے ہمارے رائٹرس کے نہیں ہیں؟ بھائی زمین ہماری' محنت ہماری' مسائل ہمارے اور سب سے بڑھ کر ترقی یافتہ تکنیک کو قبول کرنے' گرہن کرنے اور انہیں نئے سرے سے اگانے والی' پھیلانے والی ذہنیت ہماری --- تو کیا یہ ترقی ہماری ترقی نہیں اور کیا ہم ترقی یافتہ نہیں؟ کیا

ہمارے رائٹرس عالمی ایوارڈ اور نابل پرائز حاصل کرنے والے نہیں ؟ اور آپ یہ بھی اچھی طرح جانتے ہوں گے کہ ہمارے آرٹ، کلچر اور ہماری پیداوار سے دنیا نے بھی استفادہ کیا ہے۔فیض اٹھایا ہے اور اب بھی بھرپور فیض اٹھا رہے ہیں۔ گاڑی اسی طرح چلتی ہے۔ یہ دنیا ہے اور دنیا میں سارے کرشمے یا چمتکار کسی ایک علاقے، ایک ہی قوم یا ایک ہی خاندان کے سپرد نہیں کئے گئے۔ یہ ہو بھی نہیں سکتا۔ یہ ایک دم سے غیر فطری اور ناممکن سی بات ہے۔ اس لئے اس انداز میں مت سوچئے۔ سب سے اچھا انداز سوچنے کا یہ ہے کہ سب کے لئے خیر، سب کے لئے رحمت اور سب کے لئے روشنی و ترقی جہاں سے بھی دستیاب ہوتی ہو اپنے گھر سے یا باہر سے بغیر کسی بھید بھاؤ کے قبول کیجئے اسے مل جل کر اپنے لئے، اپنے طور پر اپنایئے اور مل جل کر اس سے فائدہ اٹھائیے۔"

صحافی "واہ واہ صاحب! آپ نے تو دماغ کا پٹ کھول کے رکھ دیا۔ بھئی واہ۔"

پروفیسر "ترقی کے راستے اتنی آسانی سے نہیں کھلتے جتنی آسانی سے انہوں نے دماغ کے پٹ کھولے ہیں۔ جہاں قدم قدم پر اندھیرا ہے، مایوسی ہے، ناکامی ہے، نفرت ہے، دہشت ہے، دہشت کی سیاست ہے، دہشت کا کھیل ہے، دہشت کی جنگ ہے، دہشت کی دکانیں ہیں، تعصبات ہیں، سازشیں ہیں، تخریب کاری ہے، خانہ جنگی ہے، ظلم و بربریت ہے، نسل کشی ہے، قوم کشی ہے، انسان کشی ہے، کرپشن ہے، کھلی بے ایمانی اور کھلی ناانصافی ہے، سفید جھوٹ ہے، دجالیت ہے، تو ان کے رہتے یا انہیں ختم کئے بغیر ترقی کو لانا یا ترقی کا آنا کیا معنی رکھتا ہے؟"

ادیب "تنزلی کو ختم کرنے کے لئے نئی ترقی کو لانے کی کوشش کی جارہی ہے۔ اب ایک بات میں آپ سے کہتا ہوں۔ آپ کسی سے یہ نہیں کہہ سکتے کہ پہلے ساری برائیوں کو چھوڑ دو پوری طرح پاک ہو جاؤ تب پوجا کرو یا تب تمہاری پوجا پوجا

ہوگی۔ اس لئے کہ یہ ممکن ہی نہیں ہے۔ اس دنیا میں یہ ممکن ہی نہیں ہے۔ البتہ یہ ضرور ہوسکتا ہے کہ آدمی نیکی کرتے کرتے فطری طور پر پاک ہوجائے۔ دھیرے دھیرے ساری برائیوں سے دور ہوجائے اور یہی ہوتا بھی ہے۔ یہ نظام فطرت ہے۔ آپ نیکی کی طرف آیئے۔ برائیاں خود بخود چھوٹتی چلی جائیں گی۔ آپ ودیشوں میں سے کسی ملک کو لیجئے۔ جب تک وہ انڈسٹری میں، بزنس میں، ترقی کے شعبوں میں مشغول نہیں ہوئے تھے تب تک ہر جگہ وہی تعصب وتحفظ، تنگ نظری و بددیانتی، بے ایمانی وناانصافی، ظلم، بھوک، دردرتا، اندھکار اور کرپشن تھا جو آج آپ کے یہاں بھی ہے۔ مگر آج جب وہ ترقی یافتہ ہوچکے ہیں تو ان کے یہاں وہ چیزیں آج بہت کم ہیں۔ آپ اپنے ہی دیش میں مہانگروں کی بہ نسبت چھوٹے شہروں یا گاؤں یا قصبوں کو دیکھیں۔ بہت فرق نظر آئے گا۔ یہ فرق انڈسٹری یا بزنس کے سبب بھی ہے۔ یہ فرق نظام حکومت اور معیشت کی کشش کے سبب بھی ہے۔ البتہ ترقی دوطرح کی ہوتی ہے۔ ایک اچھی ترقی ایک بُری۔ آپ برائی میں ترقی مت کیجئے بلکہ ہر ترقی کی اچھائیوں کواپنائے اور ہر ترقی کی برائیوں پر لعنت بھیجتے رہئے۔ اصل میں اچھائیوں کی ترقی ہی ترقی ہے۔ جو جتنا ترقی یافتہ ہوگا وہ اتنا ہی مصروف ومشغول ہوگا۔ برائیوں اور کمزوریوں سے بھی اتنا ہی دور ہوگا۔

خربوزہ کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے۔ جب سچی ترقی آئے گی تو ہمیں متوجہ کرے گی ہی۔ متاثر کرے گی ہی اور ہم دیکھتے دیکھتے فضولیات کو چھوڑ کر اس کی طرف بھاگیں گے۔ مرکز اصل کی طرف بھاگیں گے۔ اسی لئے میں کہتا ہوں کہ اچھی ترقی جہاں کہیں سے بھی آپ کے دروازے پر دستک دے، جس انداز سے بھی آپ کی اصلاح چاہے اسے گلے لگایئے۔ اس کا استقبال کیجئے۔ اس کے ساتھ تعاون کیجئے۔ اسے خوش آمدید کہئے۔ مبینؔ کا شعر ہے۔

آپ جاگیں گے تو جاگے گا نصیبا آپ کا
اور ہوجائے گا دشمن بھی حبیبا آپ کا"

سبھی "واہ۔واہ۔واہ۔واہ"

اچانک مکھیا جی کے ہچکنے کی آواز "آ،آ،آ،آ،"

ادیب "کیا ہوا مکھیا جی' یہ اچانک؟"

مکھیا جی "ہونا کیا ہے بھائی صاحب۔ایسا بے چین کیا ہے آپ لوگوں نے کہ مجھے ایک کپ چائے کی خواہش اور ہورہی ہے۔مگر مشکل یہ ہے کہ اکیلے تو پی نہیں سکتا اور سب کو ایک ایک کپ اور----"

سبھی "ہاہاہاہاہا۔آہاہاہاہا۔ہاہاہاہاہا---"

مکھیا جی 'آفتاب او آفتاب۔۔لے آؤ بھیا ایک ایک کپ اور----"

سبھی "آہاہاہاہا۔آہاہاہاہا----"

صحافی "واہ،واہ،واہ......"

مشترکہ،ہم آہنگ قہقہوں کی گونج در گونج

-- وقفۂ عظیم --

☆☆☆

بطنِ گیتی سے

تصور اول :

کچھ نیم تاریک تصور،
کچھ تھرتھراتے اجالے،
کچھ جا بہ جا کھنڈر پہاڑیوں کے نقوش،
کچھ جا بہ جا کیمپوں کی قطاریں،
ان کے علاوہ......
گنجینۂ اسرار سناٹے،
غبار آلود آباد ویرانے،
اندیشہ خیز موسیقی کی لہریں،

کیمپوں کے دروازوں پر پردوں کی پھڑ پھڑاہٹ کے ساتھ آوارہ ہواؤں کی چھیڑ چھاڑ اور کیمپوں کے کمروں میں تانک جھانک کی سازشوں میں مشغول آوارہ ہواؤں کے قدم بقدم ساکت ہوتے نظارہ اندرون!

------------،

-------------،

کچھ لمحوں بعد جب روشنی کی شعائیں سورج کی لاتعداد کرنوں کی مانند پھیلنے لگتی ہیں اور تصور رنگین شعاؤں کے جھلمل جھرنوں میں نہا اٹھتا ہے تو کیمپوں کے دروازوں پر جھولتے ہوئے پردوں کے پیچھے فرش پر جھلملاتے مناظر ناظرین کی متجسس بصیرت کو ازخود اپنی جانب مبذول کرنے لگتے ہیں۔ نظارہ اندرون درج ذیل ہیں،

کچھ منہدی رچے کومل، موہک، کسمساتے، تھرتھراتے مردانہ پاؤں سے متصادم زنانہ پاؤں---

کچھ گڈمڈ کراہیں،

بے ترتیب آہیں،

اور کچھ خوف زدہ، حریف سسکیاں،

باقیات کے بطور،

پھڑ پھڑاتے پردے

تھرتھراتے اجالے

بوالعجب موسیقی کی بوالعجب لہریں

اور دھیرے دھیرے ساکت ہوتی ظہور پذیر ماورائیت!

: تصور دوم :

تیز روشنی کے جھلملے میں،

کھنڈر پہاڑیوں اور خموش کیمپوں کی جانب،

دھیرے دھیرے آگے بڑھتے،

گھوڑسواروں کے قافلے---

-وقفہ-

گھوڑوں کے ٹاپوں کی ہلکی ہلکی گونج!

لال پوشاک میں ملبوس' لال لال آنکھوں والے خونخوار سپاہی نما گھوڑسواروں میں سردار نما ایک سپاہی اپنے ایک ہم قدم سے مخاطب ہوتا ہے۔

''ہاں تو وہ ایک کہانی تھی جو ختم ہوئی اور اب یہ دوسری کہانی شروع ہونے والی ہے۔ چونکہ ہماری منزل ہمارے سامنے ہے لہذا اس سے قبل کہ اس نئی منزل کی کہانی شروع کی جائے ضروری ہے کہ میں تم لوگوں سے سوالات کرلوں۔ کیوں؟''

سبھی یک آواز ہوکر۔ ''ضرور، ضرور،''

سردار اپنے ایک ہم قدم کی طرف مخاطب ہوتا ہے۔

''ہاں تو میں سب سے پہلے تم سے پوچھنا چاہوں گا کہ--تمہارے کتنے ہوسکتے ہیں''

''ایک سے زیادہ کیا ہوگا سردار!''

دوسرے سے ''تمہارے؟''

دوسرا ''دو تو یقیناً---''

تیسرے سے ''اور تمہارے''

تیسرا' ''تین سردار!'' (سب مسکرا کر اسے دیکھتے ہیں)

چوتھے سے' ''تمہارا کیا خیال ہے''

چوتھا' ''چار سردار!''

سردار زوردار ٹھہاکے لگاتا ہے

ہم آہنگ ٹھہاکوں کی گونج در گونج کے ساتھ ہی پردۂ نیم تاریک گرتا ہے..........

: تصورسوم :

نیم روشن تصور پر گھوڑوں کی ہم آہنگ ہلکی ہلکی ٹاپیں ابھر رہی ہیں......'

رفتہ رفتہ گھوڑوں پر سوار سپاہیوں کا ایک قافلہ تصور پر سجے کیمپوں کے دروازوں تک جا پہنچتا ہے۔ یہاں تک کہ روشنی پوری طرح صاف ہو جاتی ہے۔صاف روشنی میں قافلے کا سردار گھوڑے سے نیچے اترتا ہے اور کسی ہنگامہ خیز طوفان کے گزرنے کے بعد کے ٹھہرے ہوئے سمندر کی مانند شانت کیمپوں کے گنجینہ اسرار سناٹوں کا جائزہ لینے لگتا ہے۔کیمپوں کے ساتھ اس کے اردگرد کی فضا حیرت انگیز طور پر اتنی سکوت افزا ہے کہ ان پر کاغذی پیراہنوں اور ساکت خیالی قمقموں کا گمان گزرتا ہے۔

ہوا نرم سیر'

موسیقی سبک رو'

سردار بھی کچھ لمحوں کے لئے ان سکوت افزا مناظر میں جیسے کھو جاتا ہے۔پھر اسی کھوئے کھوئے انداز میں وہ ایک کیمپ کے دروازے کی جانب بڑھتا ہے کہ موسیقی ایک جھناکے کے ساتھ لرزہ براندام ہو اٹھتی ہے......اندر بڑی بے ترتیبی سے کچھ سامان ادھر ادھر بکھرے ہوئے ہیں۔اور ایک جوان عورت اپنے گلے میں کپڑے کا پھندہ لپیٹے کیمپ کی چھت سے ٹنگی ہوئی نظر آتی ہے۔اس کے ٹھیک نیچے چیتھڑوں میں لپٹا ایک خوبصورت نوزائیدہ بچہ سویا ہوا نظر آتا ہے۔ایک لمحہ کے لئے گمان گزرتا ہے جیسے گدڑی پر لعل رکھا ہوا ہو۔سردار تقریباً دوڑتا ہوا بچے تک پہنچتا ہے۔بچے کو ہلاتا ڈلاتا ہے۔ٹٹولتا ہے۔ہونکارلگاتا ہے۔مگر جوں جوں سردار کی کرخت آنکھیں نرم پڑتی ہیں محسوس ہوتا ہے گویا گدڑی پر لعل نہیں بلکہ لاش رکھی ہوئی ہے۔سردار گھور کر اوپر ٹنگی عورت کو دیکھتا ہے اور بے تحاشہ اس کی زبان سے نکلتا چلا جاتا ہے۔---

''باسٹرڈ---باسٹرڈ---باسٹرڈ!''

وہ اٹھ کر ننگی ہوئی عورت کو ایک زوردار ٹھوکر مارتا ہے اور کمرے سے باہر نکل جاتا ہے۔

وہ کیمپ کے دوسرے دروازے کی جانب بڑھتا ہوا----پردے کو ایک جھٹکے کے ساتھ کھینچتا ہے اور---اتنی لمبی سانس اس کے گلے سے نکلتی ہے جیسے برسوں کے بعد اس نے چین کی سانس لی ہو۔

اندر ایک عورت اپنے نوزائیدہ بچے کو گود میں لٹائے خود بھی محو خواب ہے۔ مگر سردار کی غیر متوقع آمد اسے چونکائے بغیر نہیں رہتی۔ کلیجے سے اپنے جگر ٹکرے کو چمٹائے وہ ہڑبڑا کر بستر سے اٹھتی ہے اور سردار پر نظر پڑتے ہی سہمی ہوئی نگاہوں سے دروازے کی طرف دیکھنے لگتی ہے۔ جبکہ سردار اس کی معصومیت پر مسکرا اٹھتا ہے۔ آنکھوں ہی آنکھوں میں عورت کی دہشت زدگی سے لطف اندوز ہوتا ہوا ایک ادا کے ساتھ دھیرے دھیرے عورت کی طرف بڑھتا ہے۔ عورت متعجب، متجسس، اٹھ کر کھڑی ہوتی ہے اور احتیاط و اندیشہ کی ملی جلی نگاہوں سے سردار کو بغور دیکھنے لگتی ہے۔ سردار پر نظر رکھتے ہوئے احتیاطاً وہ اپنے گود کے بچے کو بار بار ہاتھوں سے ٹٹولتی ہے۔ جیسے بچے کے وجود کو سردار کی نگاہوں سے اوجھل رکھنا چاہتی ہو۔ جبکہ سردار اس کے اس احتیاط کو نظر انداز کرتا ہوا بچے کی جانب لپکتا ہے۔ مگر وہ اچھل کر ایک قدم پیچھے ہٹ جاتی ہے۔

بچے کے رونے کی آواز کے ساتھ عورت کی للکار فضا میں گونجتی ہے۔

''آگے مت بڑھنا۔ خبردار آگے مت بڑھنا۔ خبر..........''

کسی بے چین ہرنی کی مانند ایک لمحہ میں وہ اپنے روتے ہوئے بچے کو اپنے پیچھے فرش پر ڈالتی ہے اور خود آگے بڑھ کر سردار کے سامنے پہنچ جاتی ہے گو اس کا سامنا کرنے۔

مگر سردار کے چہرے کی مسکان تب تک غائب ہوچکی ہوتی ہے اور وہ شعلہ بار نگاہوں سے عورت کو گھورتا ہوا آگے بڑھتا ہے۔عورت جب پھر بھی درمیان میں حائل ہوتی ہے تو اسے دھکے دیکر دوسری طرف اچھالتا ہوا وہ بچے کی طرف لپکتا ہے اور روتے ہوئے بچے کو اپنے ایک بازو میں دبا کر تیزی سے دروازے کی جانب بڑھتا ہے۔مگر عورت اتنی دیر میں پھر سے سنبھل چکی ہوتی ہے اور تیزی سے باہر نکلتے ہوئے سردار کی قمیص پیچھے سے کھینچنے لگتی ہے اور کبھی آگے لپک کر سردار کے بازوں میں جھولتے اپنے بچے کو سردار کی گرفت سے چھڑانے کی کوشش کرتی ہے۔اسی کشمکش کے دوران سردار اپنی جیب سے پستول نکالتا ہے اور عورت کی پیشانی پر رکھ کر ٹریگر دبا دیتا ہے۔ایک دھماکے کی آواز گونجتی ہے اور عورت خون میں لت پت فرش پر ڈھیر ہوتی چلی جاتی ہے......'

کمرے سے باہر نکل کر سردار بچے کو سپاہیوں کی جانب اچھالتا اسی تیزی سے کیمپ کے تیسرے کمرے کی جانب لپکتا ہے۔

تیسرے کمرے کے اندر'

اسی سابق بے ترتیبی کے ساتھ'

ایک لڑکی بستر پر نظر آتی ہے۔چہرے کو ہاتھوں کی ہتھیلیوں میں چھپائے ہوئے اور سر کو ٹخنوں پر جھکائے مانند کسی مجسمے کے دوزانوں بیٹھی ہے۔متزلزل موسیقی کے ساتھ سردار کمرے میں داخل ہوتا ہے مگر لڑکی کے جسم میں جنبش تک نہیں ہوتی۔

سردار اور آگے بڑھتا ہے۔لڑکی کی اوٹ میں چھپے غالباً دو جڑواں بچوں کو مال غنیمت کی طرح اپنے دونوں بازوؤں میں بھر کر واپس ہوتا ہے کہ معاً وہ چونکتی ہے۔جیسے ساکت پتھروں کی مورت میں اچانک ہلچل برپا ہوگئی ہو......'

ذہنی و قلبی تصادم سے دوچار انتہائی پر ملال نگاہوں سے اپنے بچھڑتے ہوئے بچوں

کو دیکھتی ہوئی بستر سے اٹھتی ہے اور لاشعوری طور پر کانپتے تھرتھراتے اپنے سراپے کے ساتھ دروازے سے جالگتی ہے۔مگر زبان سے کچھ نہیں کہتی۔ نہ کوئی فریاد۔ نہ کچھ احتجاج کہ اگر چہ اس کے صبر کا پیمانہ ٹوٹ کر بکھر بھی گیا ہے تو بھی ٹوٹے ہوئے ٹکڑے اس کی روح میں پیوست ہیں۔وہ دروازے کا پردہ ذرا سرکاتی ہے اور اس حوصلہ کے ساتھ کہ اور کیا کچھ ہوسکتا ہے' باہر کے مناظر کا جائزہ لینے لگتی ہے۔

سردار اپنے سپاہیوں کے ساتھ چپکے چپکے کچھ مشورے کر رہا ہے۔اس وقت تمام سپاہیوں کے ہاتھوں میں ایک ایک روتا بلکتا ہوا بچہ نظر آتا ہے۔ایک سپاہی جو سردار کے ہم راہ کھڑا ہے' اپنے ہاتھوں میں دونوں جڑواں بچوں کا معائنہ کرتا ہوا سردار سے مخاطب ہوتا ہے۔

سپاہی ''سردار! ان دونوں جڑواں بچوں میں ایک لڑکا تو ہے مگر ایک لڑکی بھی ہے۔''

سردار ''یہ تو اور اچھی بات ہے۔ ہم اسے اپنے کیمپ لے جائیں گے اسے جوان کریں گے۔اسے---''

سپاہی ''جوان تو یہ یہاں بھی ہو سکتی ہے' اس لئے کہ ان کی ماؤں کو ابھی اور بچے ہمیں دینے ہیں۔سو بہتر یہ ہے کہ بیٹی ماں کے پاس رہے اور...................''

''اور جوان ہمارے ساتھ!''

زوردار انداز میں سردار جملہ پورا کرتا ہوا بچی کو سپاہی سے اپنے ہاتھوں میں لیتا ہے اور پردے کی اوٹ میں کھڑی اس کی ماں کی جانب بڑی بے دردی سے اچھال دیتا ہے'

سردار ''لو!......ابھی تم جیسوں کی موت مجھے منظور نہیں۔ابھی تو تم جیسوں کو اور بیٹے ہمارے لئے پیدا کرنے ہیں۔اپنی آنکھوں کے ان چھلکتے ہوئے آنسوؤں کو پوچھ

ڈالو کہ یہ ہمارے کسی کام کے نہیں۔ البتہ ہمارے انتظار میں ہمارے وصال کے گیت گا گا کر خود کو خوش رکھنے کی تمہیں پوری پوری آزادی ہے۔''

وہ اچھل کر اپنے گھوڑے پر سوار ہو جاتا ہے۔ سارے سپاہی اس کی تقلید کرتے ہوئے اپنے اپنے گھوڑوں پر سوار ہو جاتے ہیں۔ جیسے ہی سردار اپنے گھوڑے کو کیمپ کی مخالف سمت میں دوڑاتا ہے سارے سپاہی اپنے گھوڑوں کو اسی سمت دوڑا دیتے ہیں۔ سپاہیوں کے ہاتھوں میں پھڑ پھڑاتے بچوں کی چیخیں ہم آہنگ ہو کر گونجنے لگتی ہیں......'

ہر سپاہی نے ایک ہاتھ میں گھوڑے کی لگام اور دوسرے میں بچوں کو تھام رکھا ہے۔ بچے سپاہیوں کے ہاتھوں میں ایسے پھڑ پھڑاتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں جیسے پرندے شکاریوں کے شکنجوں میں-----'

پس منظر سے اڑتے ہوئے گھوڑوں کے ٹاپوں کی گونج برسنے لگتی ہے۔ عورتیں اپنے دروازوں سے باہر نکل آتی ہیں۔ کبھی وہ جاتے ہوئے قافلے کی طرف دیکھتی ہیں، کبھی اپنی گود کی بچیوں پر اور کبھی کھلے آسمان کی جانب!

کھلے آسمان کے لامختتم ویرانے کو اشک آلود نگاہوں سے ٹٹولتی بے چین نگاہیں......

'اڑتے ہوئے گھوڑوں کے ٹاپوں اور بلکتے ہوئے بچوں کی ہم آہنگ گونج......'

اور لرزہ بر اندام موسیقی!

: تصور چہارم :

چاروں طرف سے کھلے ہوئے زمینی تصور پر خوفناک رات کی دھند آمیزی'

کہیں دور سے بجتے ہوئے گھنٹے کی آواز'

رات کے تیسرے پہر کا اعلان'

جانوروں کی خوفناک آوازیں'

اور کڑکڑاتی ہوئی موسیقی'

رات کی خوفناکی میں مسلسل اضافہ کرتی ہوئی'

رفتہ رفتہ وقفہ، سکوت!

وقفہ، سکوت کے بعد،

موہوم سی مدھم روشنی تصور میں پھیلتی ہے۔ جس کے ذریعہ زمینی تصور پر نصب الیکٹرانک میپ کا وجود رفتہ رفتہ سر ابھارتا ہے...... میپ میں ایک جانب جا بجا وہی کھنڈر پہاڑیوں کے نقوش' سنگلاخ راستے اور میدان میں کیمپوں کی وہی قطاریں ہیں۔ تو درمیان میں جنگل کی نیرنگی پھیلی ہوئی ہے۔ کیمپ میں دوسری جانب سیاہی مائل دھند کے درمیان سے ایک قطار میں جگنوؤں کی مانند ٹمٹماتی اور مسلسل کیمپوں پر پڑنے والی مدھم روشنی بھی تیز سے تیز تر ہوتی جاتی ہے۔

: تصور پنجم :

ناظرین کی اگلی صف سے قریب، ایک کیلومیٹر لمبا اور قریب دو سو میٹر چوڑا تصور پوری طرح تاریکیوں میں ڈوبا ہوا ہے۔ تصور کچھ اس طرح ہے کہ اگلی صف سے قریب پانچ سو میٹر دور کے حصوں میں پانچ بڑے بڑے دائرے بنے ہوئے ہیں۔ ہر ایک دائرے کے اندر کئی چھوٹی موٹی پہاڑیاں اور جنگلات ہیں۔ ان کے کنارے کنارے راستے کچھ اس طرح بنائے گئے ہیں کہ ایک دائرے کے نصف حصے تک راستہ ہے جب کہ نصف پر پہاڑیاں۔ ہر دائرے کے کنارے راستے ایک

دوسرے سے متصل ہیں۔مگر ایک دائرے کے داہنے حصے پر راستہ نکلتا ہے تو دوسرے دائرے کے بائیں کنارے پر۔ اس طرح پانچوں دائروں کے درمیان راستہ لہراتا ہوا نکلتا ہے۔

ان پانچوں دائروں کو سر کرنے کے بعد ہی جگنوؤں کی مانند ٹمٹماتے مشعل بردار گھوڑسواروں کا قافلہ ناظرین کی نشست گاہ سے متصل تصور کے تاریک ترین حصے تک پہنچ سکتا ہے۔تصور کے آخری سرے پر اڑتے ہوئے گھوڑوں کی ٹاپوں کی ہلکی ہلکی گونج ابھر رہی ہے...... پھر روشنی کی مدھم مدھم کرنیں ایک قطار میں پہلے دائرے کو پار کرتی ہوی نظر آتی ہیں۔ جیسے جیسے جگنوؤں کا قافلہ پہلے دائرے سے نکل کر دوسرے دائرے میں داخل ہوتا ہے' مشعلوں کی جگنونما روشنی میں پھیلاؤ اور گھوڑوں کے ٹاپوں کی گونج میں بتدریج اضافہ ہوتا ہے---- اسی طرح جب وہ دوسرے دائرے کو سر کرتے ہوئے ایک سو اکیس سکنڈ پر تیسرے دائرے میں داخل ہوتے ہیں تو نہ صرف مشعل بردار گھوڑسواروں کا نیم روشن سراپا روشن ہو اٹھتا ہے بلکہ گھوڑوں کی ہنہناہٹ اور ان کے ٹاپوں کی گونج سے تصور دہلنے لگتا ہے۔حتی کہ روشنی کی کرنیں پھیل کر ناظرین کی نشست گاہ سے متصل تصور کے تاریک ترین گوشوں پر پڑنے لگتی ہیں جہاں پہلے مکمل تاریکی میں اور اب نیم تاریکی میں ڈوبے ہوئے کیمپوں کی قطاریں سجی ہوئی ہیں۔

وہی پرانے مگر بوسیدہ بوسیدہ سے کیمپ۔ اردگرد کے وہی پرانے مگر ہنوز ڈھہتے ہوئے مناظر۔ وہی جھاڑیاں۔ وہی پھیلے ہوئے ٹیڑھے میڑھے راستے۔ وہی کیمپوں کے دروازوں پر جھولتے ہوئے برسوں پرانے پردے----

گھوڑوں کی ہنہناہٹ اور بچوں کے رونے کی متصادم' متزلزل گونج پر کیمپوں کے بند دروازے یکے بعد دیگر کھلنے لگتے ہیں......'

کیمپوں کے اندر سے زیادہ تر معمر عورتوں اور بچیوں کی ایک بھیڑ باہر نکل کر جمع ہونے لگتی ہے۔ وہی پرانے چہرے، وہی معمر ہو چکی عورتیں اور بالغ ہو چکی ان کی بچیاں۔ کسی نئی آفت کی آمد اور انجانے اندیشوں کے خوف سے گھبرائی ہوئیں۔ کچھ لمحوں تک متذلزل نگاہوں سے کیمپوں کی جانب بڑھتے ہوئے مشعل بردار قافلے کو دیکھتی ہیں۔ پھر جلدی جلدی اپنی کمسن بچیوں کو کیمپوں کے اندر ادھر ادھر چھپانے لگتی ہیں۔ بالآخر انہیں کمروں کے اندر چھپا کر باہر سے کمروں کو تالے لگا دیتی ہیں۔ اور حالات کا مقابلہ کرنے کی غرض سے بھیڑ کی شکل میں خود آگے بڑھنے لگتی ہیں۔ اس وقت تک گھوڑسوار چوتھے دائرے کو بھی پار کر چکے ہوتے ہیں۔ اب وہ پانچویں یعنی آخری دائرے میں داخل ہو رہے ہیں۔ مگر جوں جوں مشعل برداروں کے روشن سراپے پانچویں دائرے کو پار کر رہے ہیں، عورتوں کے چہروں کی گھبراہٹ حیرت میں تبدیل ہوتی جا رہی ہے،

عورتیں متحیر، متجسس، ایک ٹک انہیں دیکھے جا رہی ہیں جیسے اپنے ہی لاشعور کے سوکھے ہوئے پھولوں سے دفعتاً پھوٹ پڑنے والی خوشبوؤں کو محسوس کرنے اور ان پر قابو پانے کی کوشش میں حیران و پریشان ہوں۔

وہی پرانے راستے،

وہی پرانا ماحول،

گھوڑوں کی وہی پرانی ہنہناہٹ،

گھوڑسواروں کا وہی طوفانی انداز،

گھوڑوں کے ٹاپوں کی گونج کے ساتھ ہی بچوں کے رونے بلکنے کی وہی پرانی متصادم گونج اور پانچویں دائرے سے نکل کر کیمپ کی جانب چھلانگتے گھوڑوں پر سوار وہی پرانے انداز کے مگر نئے تمتماتے چہرے............،

دوسری نسل !............'

نیا قافلہ عورتوں کی بھیڑ کے قریب پہنچ کر گھوڑوں کی لگام کو اس انداز میں کھینچتا ہے کہ گھوڑے ہنہناتے ہوئے کئی فٹ اوپر اٹھتے ہیں اور ان کے ٹاپوں کی ہم آہنگ طوفانی گونج کے ساتھ ہی فضا دھول دھول ہو جاتی ہے۔

چند لمحوں بعد جب دھند آمیز غبار دھرتی کی آغوش میں پناہ گزیں ہونے لگتا ہے' نئے قافلے کا جواں سال سردار اپنے تمتماتے ہوئے چہرے کے ساتھ دھیرے دھیرے آگے بڑھتا ہوا عورتوں کی بھیڑ میں سب سے آگے کھڑی ایک معمر خاتون کے قریب پہنچ کر اس کی آنکھوں میں جھانکتا ہے۔ خاتون اب تک جواں سال سردار کے چہرے پر اپنی نگاہیں مرکوز کئے ایک ٹک اسے دیکھے جا رہی تھی۔ دفعتاً سردار کی آواز گونجتی ہے'

سردار "ایسے کیوں گھورے جا رہی ہو؟"

سردار دوبارہ "میں نے کہا ایسے کیوں--"

خاتون اپنے آپ میں واپس آتی ہوئی "ہاں!--میں تمہاری آواز سن سکتی ہوں'
اور محسوس بھی کر سکتی ہوں--"

سردار "تو یہ بھیڑ کیوں لگا رکھی ہے۔ کیا تم لوگوں کو موت سے ڈر نہیں لگتا؟"

خاتون "تم لوگوں کو--(خاتون کی پر وقار آواز) تم لوگوں کو جنم دینے کا خیال آ گیا

ورنہ موت آج بھی ہم پہ فخر کرتی ہے بیٹے!"

"بڑھیا---" (سردار دہاڑتا ہے)

خاتون "بیس سال قبل میں تجھے جنم ہی نہ دیتی اگر یہ جانتی کہ تُو--جوان ہو کر یوں اپنی ماں سے مخاطب ہوگا، تو پیدا کر کے بھی مَیں تجھے---"

''بڑھیا----'' (سردار کی وہی دہاڑ)

خاتون ''اور وہ---جس کے ناپاک حکم سے تو یہاں آیا ہے کیا اس نے تجھے یہ نہیں بتایا کہ تو اسی کی ناجائز اولاد ہے۔ اور یہ (کیمپ میں چھپی لڑکیوں کی جانب اشارہ)---یہ کیمپوں کے اندر چھپائی گئی' ڈری سہمی، معصوم و بے قصور، تیری ہم شیر' تیری بہنیں ہیں؟؟؟''

سردار'' کیا بکتی ہے'...... سچ سچ بتا تیری بیٹیاں کہاں چھپی ہیں''

سردار آگ بگولہ ہو کر عورتوں کی بھیڑ کو روندتا ہوا آگے بڑھتا ہے۔ کیمپوں کے دروازوں کی سمت---مگر اس سے قبل کہ وہ کیمپوں تک پہنچ جائے معمر خاتون بھاگتی ہوئی اس کے سامنے جا کھڑی ہوتی ہے۔

خاتون ''نہیں' نہیں' نہیں .... بیٹے نہیں، یہ ظلم، یہ گناہ، یہ گناہِ عظیم نہیں----دیکھ! میری طرف دیکھ! مجھ پہ ترس کھا، ارے میں نے تجھ پہ نو مہینے ترس کھایا ہے''

سردار'' میں کہتا ہوں ہٹ جا میرے سامنے سے ہٹ----''

سردار بندوق کے کندے سے خاتون پر ایک وار کرتا ہے اور آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔

خاتون لڑکھڑا کر زمین پر گر جاتی ہے مگر پھر پلٹ کر دہاڑتی ہے'

خاتون'' میں نے سنا تھا کہ حرامی سے حرامی آدمی بھی اپنی ماؤں اپنی بہنوں کا احترام کرتا ہے۔ تو کیسا حرامی ہے کہ اپنی بہنوں اپنی ماؤں کے ساتھ------''

اور اس سے قبل کے خاتون کا جملہ پورا ہو' انتہائی غصہ سے کانپتا ہوا سردار خاتون کی جانب پلٹتا ہے اور نیم لمحاتی لمحہ سے بھی قبل خاتون کو نشانہ بنا کر اپنے بندوق کی بیشتر گولیاں اس کے سینے میں اتارتا چلا جاتا ہے.........

گولیوں کی گونج سے تصور لرزہ براندام ہو اٹھتا ہے۔ خاتون کے جسم سے ابلتے ہوئے خون

کے چھینٹوں سے دھرتی سرخ ہو جاتی ہے۔ تڑپ تڑپ کر ساکت ہوتے اس کے جسم کو دیکھ کر کچھ لمحوں کے لئے سردار کے چہرے پر بھی کرب کی لہریں دوڑ جاتی ہیں۔ لاشعوری طور پر اپنے گھوڑے کو ایڑ لگاتا ہوا وہ خاتون کی لاش کے قریب جا پہنچتا ہے۔ کچھ لمحوں تک عجیب وغریب انداز میں خاتون کی لاش کو دیکھتا ہے پھر جذبات سے متصادم ہوتا اور شعوری طور پر تقریباً کانپتا ہوا کیمپوں کی جانب بڑھتا ہے مگر اس سے قبل کہ وہ کیمپ کے دروازے تک پہنچ جائے، خاتون کے جملے فضا میں گونجنے لگتے ہیں،

''نہیں نہیں بیٹے۔ نہیں۔ یہ ظلم۔ یہ گناہ۔ یہ گناہِ عظیم----''

''مجھ پہ ترس کھا۔ میں نے تجھ پہ نو مہینے ترس کھایا ہے۔''

''حرامی سے حرامی آدمی بھی-----------------''

سردار کے تمتماتے سرخ چہرے پر رنگوں کے کئی سائے لہرانے لگتے ہیں یہاں تک کہ کیمپ کے ایک دروازے تک پہنچ کر دروازے سے پردے کو ہٹانے کے لئے اپنا کانپتا ہوا ہاتھ آگے بڑھاتا ہے کہ پھر وہی گونجتے ہوئے جملے..........'

وہ خاتون کی لاش کی طرف پلٹتا ہے اور وہی جملے.....................'

وہ سپاہیوں کی جانب دیکھتا ہے اور وہی جملے.........................'

وہ دروازے کے پردے کو اپنی تھرتھراتی مٹھیوں میں جکڑ کر زور سے کھینچ دینا چاہتا ہے مگر وہ اتنے ہی جنون کے ساتھ پردے کو ہوا میں اچھالتا ہوا سپاہیوں کی جانب پلٹ کر دہاڑتا ہے'

''واپس چلو!''

طوفان کی طرح آتی جاتی لہریں اس کے چہرے پر کوندر ہی ہیں۔ تصادم خیز للکار کی ہزار ہارنگ آمیزی اس کے سراپے سے پھوٹ رہی ہے۔

سپاہیوں کا قافلہ بھی ان حالات پر حیران وششدر ہے۔

ایک سپاہی آگے بڑھ کر سردار سے ''لیکن اگر ہم یہاں سے خالی ہاتھ لوٹے تو سردار عظیم

.........سردار عظیم......(وہ ہکلانے لگتا ہے)''

سردار غصہ سے کانپتا ہوا اپنے ہم عمر سپاہی کو انتہائی غضب ناک نگاہوں سے کچھ لمحوں تک دیکھتا ہے اور بالآخر ایک فیصلہ کن انداز میں اپنے بندوق کی بچی ہوئی ساری گولیاں سپاہی کے سینے میں اتارتا چلا جاتا ہے!

سپاہی کے ڈھیر ہو جانے کے بعد وہ نگاہیں اٹھا کر بقیہ سپاہیوں کی جانب دیکھتا ہوا پوچھتا ہے،
''کسی اور کو کچھ کہنا ہے؟''

ایک سپاہی۔''ہم لوگ تہہ دل سے آپ کے ساتھ ہیں سردار۔لیکن وہ---وہ سردار عظیم ؟سردار عظیم......(وہ بھی ہکلانے لگتا ہے)''

یکبارگی سردار دہاڑتا ہے،

''سردارِ عظیم!......آج ہم سردارِ عظیم سے پوچھیں گے،پوچھیں گے کہ بتا! کیا تو اپنی بیٹیوں کے ساتھ زنا کرنے کے لئے اپنے بیٹوں کا استعمال کرنا چاہتا ہے؟؟؟''

اور سردار اچھل کر اپنے گھوڑے کو ایڑ لگاتا ہوا طوفانوں کی سی تیزی کے ساتھ اڑان بھرتا ہے۔سارے سپاہی اس کی تقلید کرتے ہیں۔گھوڑوں کی ہنہناہٹ اور ان کے ٹاپوں کی گونج سے تصور ایک بار پھر لرز اٹھتا ہے۔

اس بپھرتے ہوئے طوفان کو محسوس کر کے بچیاں کمروں سے نکل آتی ہیں۔اپنے کمروں سے نکل کر وہ بھی اس بپھرتے ہوئے طوفان کو دیر تک محسوس کرتی ہیں؛

بالآخر آنچلوں میں لپٹے ہوئے انکے ہاتھ غیر ارادی طور پر جانبِ فلک جیسے بلند ہونے لگتے ہیں؛

......

وقفہ،

بعد وقفہ کے،

ایک جانب بطنِ گیتی سے؛

سنسناتے سورج کی لاتعداد کرنیں،

دوسری طرف اڑتے ہوئے گھوڑ سوار'

گھوڑوں کے ٹاپوں کی اڑتی ہوئی گونج..........'

اور تیسری سمت کیمپوں کی قطاروں کے درمیان سے'

جانبِ فلک'

بلند ہوتے ہوئے'

معصوم دستِ دعا!

☆☆☆

(مقدمات)

مقدمہ اول

حالیہ کی شعریات

کیا ہم کہہ سکتے ہیں کہ تحریر میں زندگی نہیں ہوتی؟ تحریریں قوت وصلاحیت، صورت و کیفیت، رس رنگ اور آواز سے عاری ایسی بے جان لکیریں ہیں جن میں اشیاء کا وجود نہیں ہوتا؟ پھر ان میں دنیا بھر کی ایسی ترجمانی کہاں سے پیدا ہوتی ہے جو جیتی جاگتی دنیا کو تہہ وبالا کرنے کی تاریخ سے بھری پڑی ہے۔ تحریر کے بجائے بولی، زبان، کلمہ، لفظ اور تصور کے بارے میں بھی ایک آواز کی خاصیت کو چھوڑ کر کیا ہمارا استدلال یہی ہوگا؟ مگر ذرا ٹھہریئے!

اب یہ بات تقریباً صاف ہوتی جارہی ہے کہ پرنٹ میڈیا سے جس طرح قارئین دور ہوتے جارہے ہیں اور الیکٹرانک میڈیا کے ناظرین وسامعین میں جس تیزی سے اضافہ ہورہا ہے وہ پرنٹ میڈیا کیلئے تشویشناک ہے۔ پرنٹ کی اہمیت وافادیت کا گراف اس تیزی سے روبہ زوال ہے کہ یہ خدشہ کہ ممکن ہے آئندہ یہ میوزیم کی چیز بن کر رہ جائے، فطری ہوتا جارہا ہے۔ کم ازکم یہ تو قبول کرنا ہی چاہئے کہ الیکٹرانک میڈیا فی الحال حاوی میڈیا ہے۔ کہہ سکتے ہیں کہ عملی میڈیا میں پڑھے لکھے اور ناخواندہ سب شامل ہوتے ہیں جب کہ پرنٹ میڈیا کے شرکاء صرف پڑھے لکھے ہی ہوسکتے ہیں۔ اس نکتے کی رو سے عملی میڈیا پر پرنٹ میڈیا کو اب بھی فوقیت حاصل ہے۔ ہوسکتا ہے آئندہ کبھی کوئی جاہل ہی نہ ہو یا عملی میڈیا کے ناظرین وسامعین صرف پڑھے لکھے ہی رہ جائیں کہ امکانات و

انقلاب کے سہارے ہی قدیم مسلمات میں ترمیم و تنسیخ بلکہ حیرت انگیز اضافے ہوتے رہے ہیں۔ فی الوقت، آڈیو، ویژول میڈیا اپنی مختلف شکلوں میں دیگر ذرائع ابلاغ پر حاوی کہے جاسکتے ہیں۔ اس حد تک معاشرے کی باگ ڈور بے پڑھوں کے ہاتھوں میں ہے اور اس بات کا تعلق بیک وقت دونوں باتوں یعنی دیکھنے اور سننے سے ہے۔

پہلے زمانے میں اسٹیج مشاعرے یا نشستیں ہوا کرتی تھیں۔ موجودہ زمانے میں یہ چیزیں موجود تو ہیں مگر ترجیح آڈیو ویڈیو پر مرکوز ہے۔ تصور کسی بھی میڈیا کی بنیاد ہے مگر حقیقی لطف موصول اور تصوراتی لطفِ موصول کا فرق بھی ملحوظ ہے۔ میڈیا خواہ الیکٹرانک ہی کیوں نہ ہو، ناموجود کو فی الحال موجود نہیں کرسکتی۔ ناموجود کا عکس یا نقل محض پیش کرسکتی ہے لیکن جسمانی میڈیا میں ناموجود کو زندہ اجسام یا مادی وطبیعاتی شکلیں بھی فراہم ہوجاتی ہیں۔ آپ چاہیں تو جسمانی میڈیا سے کردارِ پسندیدہ کو بلا کران سے سلوک وروابط بھی کرسکتے ہیں جب کہ تصویری میڈیا سے ایسی امید فی الحال تو نہیں کی جاسکتی۔ گو، دوسری میڈیا کی رسائی زندہ اجسام یا پسندیدہ بہروپ کی تصویر کشی تک محدود ہے، جسمانی میڈیا کی طرح زندہ جسم پر من چاہے بہروپ کی کاوش نہیں ہے۔ اور اس معنی میں جسمانی میڈیا کو اصل سے ایک منزل دور کہا جاسکتا ہے۔ لیکن معاملہ اتنا آسان بھی نہیں ہے جتنا بظاہر نظر آتا ہے۔ کیوں کہ کسی شئے کا زندہ وجود بھی محض استعاراتی وعلاماتی یعنی فرضی بھی ہوسکتا ہے۔ میں نے اسی لئے عرض کیا کہ تصور کسی بھی میڈیا کی بنیاد ہے اور پرنٹ میڈیا یا تحریر کا تعلق بھی بہر حال زندہ میڈیا یا زندہ اجسام سے ہے کہ دونوں ایک دوسرے سے الگ معلوم ہوتے ہوئے بھی، لازم وملزوم ہی ہیں۔ الیکٹرانک میڈیا میں چونکہ فلم کے ذریعہ سوانگ کو دکھایا جاتا ہے یعنی آواز، حرکت، منظر وغیرہ عین سوانگ ہی ہوتے ہیں مگر چونکہ وناموجود کی عکاسی ہیں لہذا جسمانی میڈیا سے بظاہر ایک منزل دور اور اصل سے دو منزل کی دوری رکھتے ہیں۔ پرنٹ میڈیا میں چونکہ جسم، آواز، رنگ، کیفیت، حرکت وغیرہ

کی جگہ صرف تحریر سے کام لیا جاتا ہے چنانچہ یہ مان لیا جا سکتا ہے کہ یہ الیکٹرانک میڈیا سے ایک منزل، جسمانی میڈیا سے دو منزل اور اصل سے تین منزل دور ہے۔ قابل غور ہے کہ الیکٹرانک میڈیا نے سوانگ کے بعد کا جو درجہ حاصل کیا ہے وہ پرنٹ میڈیا کو حاصل تھا۔ بعد میں پیدا ہونے والی اس تیز رفتار میڈیا نے اپنی پیدائش کے ساتھ ہی پرنٹ میڈیا کو ایک منزل پیچھے دھکیل دیا۔ مگر اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ پرنٹ میڈیا محض خیالی یا ذہنی ہے۔ اسے محض خیالی یا ذہنی کہنے کے بجائے ''تحریری'' کہنا زیادہ موزوں ہے۔ کیوں کہ تقریری یا مکالماتی میڈیا بھی موجود ہے جو کہ اس اعتبار سے دیگر میڈیا پر فوقیت رکھتی ہے کہ اس میں آواز و اجسام زندہ و موجود ہوتے ہیں۔ اس لئے وہ الیکٹرانک میڈیا پر بھی فوقیت رکھتی ہے اور سوانگ پر بھی۔ اگر اس کے ذریعہ شاعری، داستان یا سوانگ کے بجائے انتظامی، اخلاقی یا علمی امور کو پیش کیا جاتا ہے تو وہ نسبتاً قریب الاصل ہو جاتے ہیں۔ یہاں بھی یہ نزاکت اپنی جگہ ملحوظ ذہنی چاہئے کہ تمام موجودات میں اصل و نقل اور حقیقت و وہم کا امتزاج پایا جاتا ہے۔ یعنی خیال میں بھی اصلیت ہو سکتی ہے اور اصلیت میں بھی خیالیت ہوتی ہے، اگر چہ تمام حالات میں اور بظاہر ایسا نہیں ہوتا۔ مثلاً کائنات، ملک، سرحد، سیاست، حکومت، جنگ، دستاویز اور رپورٹ میں، مقدمات اور فیصلوں میں، محکمات و قوانین و تجاویز میں، سائنس اور ٹکنالوجی میں اصل و فن کا امتزاج پایا جاتا ہے۔ مگر سائنس، ٹکنالوجی، حکومت و سیاست یا تاریخ و صحافت کی اصلیں یہاں موضوع بحث نہیں ہیں بلکہ یہاں اصنافِ ادب ہی ہمارا مرکز و محور ہے۔

یہ کہنا آسان نہیں ہے کہ فن براہ راست کا خاصہ یہ ہے کہ اس میں اصل یا نقل جو کچھ ہے وجودی طور پر زندہ و مجسم اور واقعاتی طور پر قطعی ہوتا ہے۔ کیوں کہ یہ بھی نقل کی ہی ایک شکل ہے، یعنی حقیقت نہیں ہے بلکہ بقول افلاطونؔ حقیقت سے تین منزل دور ہے۔ ایک بار پھر یاد کیجئے، افلاطونؔ کی اس بصیرت کو کہ فن حقیقت سے تین منزل دور ہے،

کبھی رد نہیں کیا جاسکا۔ سوائے اس تاویل کے کہ فن کی بھی اپنی اہمیت ہے اور بس۔ تو فن میں بھی حقیقت کی جھلک ہو یہ ممکن ہے مثلاً فن میں چاند کی تصویر تو ممکن ہے مگر تصویر میں خود چاند؟ البتہ یہ دلچسپ ہے کہ فن ہمیشہ سے حقیقت کو متوجہ و متاثر کرنے کی ازلی خصوصیت سے عبارت ہے۔ آدمی یا سماج حقیقی ہیں مگر فن اپنے وسیع تر معنوں میں جس میں سائنٹیفک عملی و تکنیکی اقدام بھی شامل ہیں، آدمی یا سماج کو بحسن و خوبی متاثر کرتا رہا ہے۔ اگر میں یہ عرض کروں کہ حقیقتوں کی ریاست میں فنون اور فنون کے علاقوں میں حقیقتیں بھی ہیں تو آپ کو متعجب نہیں ہونا چاہئے۔ دینیات کی رو سے بھی کائنات کے تمام منظرنامے اور لمحات ایک پلاٹ کے تحت مقرر ہیں۔ چاند کی مجال نہیں کہ سورج کو جالے اور سورج کی کیا مجال کہ دوسرے سیاروں کو خلل پہنچائے۔ سبھی اپنے اپنے دائروں میں تیر رہے ہیں۔ ہر شئے کی عمر اور ادا مقرر ہے حالانکہ عمر کی عمر اور ادا کی ادا بھی طے شدہ ہے۔ چیزیں بنتی اور مٹتی رہتی ہیں جیسی کہ وہ مقرر ہیں اور بالآخر تمام چیزیں جو کہ فانی ہیں اپنی فنا کو پہنچ جاتی ہیں۔

تو کیا پوری کائنات ایک فن پارہ ہے؟ وہ فن پارہ، جس کی ایک ابتدا ہوتی ہے، ایک انتہا اور بالآخر ایک اختتام۔ نہیں، کیوں کہ کائنات ایک ٹھوس حقیقت ہے۔ یعنی کائنات وہ ٹھوس حقیقت ہے کہ اگر اپنی تخلیقی ترتیب کے لحاظ سے ایک فن پارہ کے مصداق ہے تو اس لحاظ سے کائنات کے تمام فن پاروں اور شاہ کاروں کا مولد و مسکن بھی ہے۔ تو کیا حقیقت کے اسی احساس و ادراک سے سوانگ کی عقل آئی؟ بے شک فنون نقل حقیقت ہیں لیکن ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ فنون وہ نقل حقیقت ہیں جو حقیقت ازلی میں شامل اور اس کا حصہ ہونے کے سبب عناصر حقیقت بھی ہیں۔ حالانکہ ارسطو کی دانشوری (بس اتنی تھی) کہ فن کی اہمیت و افادیت بھی مسلم ہے، نتیجہ خیز اور ثمر آور تو ہے مگر پھر بھی یہ افلاطون کا جواب نہیں ہے۔ ظاہر ہے راقم الحروف سے قبل افلاطون کی تردید تقریباً ناممکن رہی ہے۔

حالاں کہ افلاطونؔ کے ضمن میں وہائٹ ہیڈ نے یہاں تک محسوس کیا تھا کہ ''مغرب کا سارا فلسفہ افلاطونی فلسفہ پر محض فٹ نوٹ کی حیثیت رکھتا ہے''۔ (شعریات۔ از شمس الرحمٰن فاروقی)۔

اب میں آپ کو ایک واقعہ سناتا ہوں۔ فرض کیجئے، ایک شخص دوسرے شخص کو رلانے یا ہنسانے کی غرض سے ایک سوانگ کرتا ہے۔ سوانگ میں اپنے فن کا بخوبی استعمال کرتا ہوا وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو کر اپنی شکل اصل میں لوٹ آتا ہے۔ اس کے سوانگ کو ایک تیسرا شخص ایک گوشے میں چھپ کر دیکھتا رہتا ہے جو کہ خود ایک فنکار ہے اور بعد میں اس سوانگ کو اپنے افسانے میں اس طرح پیش کرتا ہے کہ ہُو بہ ہُو اس کی عکاسی ہو جاتی ہے۔ یعنی جب تک وہ متعلقہ سوانگ کا ناظر رہا، ایک واقعہ کا شاہد و ناظر رہا مگر جب اس نے واقعہ کے متعلق عکاسی کی تو گویا سوانگ کی عکاسی کی، واقعہ کی نہیں۔ اس لئے بھی کہ جس واقعہ کا وہ چشم دید گواہ ہے وہ خود ایک سوانگ ہے۔ فرض کیجئے اس افسانہ کی بنیاد پر کوئی شاعر ایک نظم بھی لکھ دیتا ہے۔ اب آپ اس نظم کے بارے میں کیا کہیں گے؟ اور اس نظم یا افسانہ کی بنیاد پر اگر کوئی فلم بن جائے تو اسے آپ کیا کہیں گے؟ نقل کی نقل کی نقل؟ یعنی نقلچیوں کے درجات بنتے جائیں گے۔ مگر کیا ضروری ہے کہ آخری نقال پر آخری ہی درجے کا اطلاق ہو۔ ممکن ہے اپنے تصور و تخیل یا بہترین فنی شعور کے سبب آخری نقال نقالِ اول کے برابر رتبے کا مستحق ہو یا بعض اوقات اس سے بھی بہتر و برتر قرار پائے۔ اس کے باوجود یہ امر ناممکن ہے کہ بہترین یا ترقی یافتہ نقل بھی اصل کا درجہ حاصل کر سکتی ہے۔ یعنی توصیفی طور پر نقلچیوں میں رتبہ کا فرق تو ہو سکتا ہے مگر نقل کو اصل قرار نہیں دیا جا سکتا اور نہ نقل کبھی اصل کی برابری ہی کر سکتی ہے۔ آیئے، اب اس پر غور کریں کہ جس طرح اصل کی نقل ہوتی ہے، نقل کی اصل بھی ہوگی۔ ایک فنکار اپنے فن میں تشدد یا احسان کی بعض بے نظیر مثالیں قائم کرتا ہے یا مستقبل کے لئے ایسے بہترین

تصورات پیش کرتا ہے جو حیرت انگیز ہی نہیں تقریباً نایاب قسم کے ہیں۔ ناظرین و سامعین نہ صرف اس سے محظوظ ہوتے ہیں بلکہ پیش کردہ تصورات یا ایجاد کردہ احسان کے نئے طریقوں کو اپنی زندگی میں اصلاً دہراتے بھی ہیں۔ اس طرح اگر نقل وفن کو حقیقت میں بدل دیں کہ ایسا ہونا کچھ غیر ممکن یا غیر فطری نہیں تو آپ نقل کی اس اصل کو نقل کی نقل کہیں گے یا نقل کی اصل؟ یہاں بھی یہ نکتہ ذہن نشیں رہے کہ نقل کی جتنی بھی شکلیں پیش کی جائیں خواہ سبق کی نقل، رونے ہنسنے، بولنے چلنے کی نقل، خط اور اسلوب کی نقل، زبان و بیان و عادات و خصائل کی نقل کہ جن کے ذریعہ پختگی یا اصل تک رسائی کی منطق پیش کی جائے، یعنی نقل کی خوبیوں اور اس کی ضرورت و اہمیت پر جس قدر بھی بیان کیا جائے اور بیان کرنے والے خواہ افلاطون و ارسطو ہی کیوں نہ ہوں اس حقیقت سے فرار ممکن نہیں کہ نقل کی حیثیت بالآخر یا بہر طور نقل ہی ہے۔ اصل یہ ہے کہ اصل کے موجود ہوتے ہی یا اصل کی موجودگی میں نقل کی تمام حیثیتیں از خود ختم یا معدوم یا ثانوی ہو جاتی ہیں۔

نقل کی اصل کے ضمن میں غور کرنے کا ایک اور طریقہ بھی ہے۔ مثلاً مذکورہ بالا تشدد یا احسان کے سلسلے میں بعض نایاب یا بالکل نئے اعیان کسی کے تصور میں آئے۔ انہیں کسی بھی فن کے ذریعہ پیش کیا جا سکتا ہے جیسا کہ کیا گیا۔ لیکن اگر انہیں تقریر، مضمون یا براہ راست گفتگو میں پیش کیا جاتا تو کیا ان کی نوعیت و اہمیت میں کچھ کمی آسکتی تھی؟ معلوم ہوا کہ عین کو فن کے لبادے میں پیش کرنا اضافی ہے ورنہ اصلاً وہ ایک عین ہی ہے۔ نقل کے لبادے میں ہے مگر نقل نہیں ہے۔ ہاں، اس پر افسوس کیا جا سکتا ہے کہ ایسے انوکھے عین کو نقل وفن کے لبادے میں کیوں کر پیش کیا گیا یا اس پر خوش ہو سکتے ہیں کہ ایک کارآمد اصل کو زیادہ موثر اور مشتہر بنانے کی غرض سے نقل وفن کا سہارا لیا گیا۔ یہی وہ عین ہے جسے راقم الحروف مخلوق کے تصور کا پہلا پن قرار دیتا ہے۔ اسے ایسے فلسفے کا نام بھی دیا جا سکتا ہے جس کا تعلق سچائی سے ہے، سچائی کی نقل سے نہیں۔ چوں کہ

یہ ''اختراعی وانکشافی''، تصور ہی نقل کی اصل ہے چناچہ راقم الحروف کا تصور یہی ہے کہ تصور کا یہ پہلا پن ہی مابعد نقلوں یا تمام نقلوں کی اصل (سرچشمہ) ہے۔ (افلاطون کہتا ہے۔ ''سب سے پہلے تغیر ناپذیر ہیئت ہے جو غیر مخلوق اور بے فنا ہے۔ کوئی بھی حس اسے دیکھ یا محسوس نہیں کرسکتی۔ اور جس کا تصور صرف خالص تصور ہی کرسکتا ہے''۔ شعریات از شمس الرحمٰن فاروقی)

اس طرح یہ معلوم ہوا کہ کائنات میں اصل وحقیقت کا امتزاج انتہائی وسیع المفہوم مگر اظہر من الشمس ہے۔ آیئے، اب یہ معلوم کریں کہ موجودات کی جڑ میں ''تصور'' کی کارفرمائی سے کیا مراد ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ اللہ نے حکم فرمایا اور دنیائیں وجود میں آگئیں۔ پھر ایک مقررہ وقت کے بعد وہ حکم فرمائے گا اور دنیائیں فنا ہوجائیں گی، تو اس میں بھی کئی نکتے روشن ہوجاتے ہیں، مثلاً:۔

(۱) خالق کائنات نے کائنات کو ایک ایسی کتاب کے مصداق وجود پذیر کیا ہے جس کا ایک سرنامہ ہے، آغاز، عروج اور بالآخر ایک انجام واختتام ہے۔

(۲) حکم الٰہی کے ساتھ ایک بنیادی تصور یا نظریہ ہے۔ یعنی حکم بغیر نصب العین نہیں ہے۔

(۳) کائنات کی تخلیق وتسخیر کے بعد انجام تک پہنچنے میں خاصہ طویل وقفہ رکھا گیا ہے جو کہ ابھی جاری وساری ہے۔

(۴) دنیائیں کیا ہیں اور کیوں ہیں۔ بالآخر وہ کیوں فنا ہوجائیں گی اور اس کے بعد کیا ہوگا، جیسے سوالات اس کتاب کے اسرار ورموز ہیں جو اکثر وبیشتر پردہ غیب میں ہیں۔

اب اگر ہم صرف اس نکتے پر توجہ کریں کہ حکم الٰہی کے ساتھ ایک بنیادی تصور یا نظریہ ہے یعنی حکم بغیر نصب العین نہیں ہے، تو یہ نکتہ بہر طور روشن ہوجاتا ہے کہ کائنات کی کارفرمائی اور اس کی جڑ میں ایک تصور پنہاں ہے۔ دوسرے لفظوں میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں

کہ کائنات ازخود ایک تصور ہے اور بہ ایں معنی تصور محض ایک ''خیال'' نہیں رہ جاتا ہے جیسا کہ لغات میں مذکور ہے بلکہ یہ اصلِ عزم وعمل اور اصل اِسرار وامکانات کی بے شمار و لامحدود منزلوں سے گذرتا ہوا ازخود تحریکِ کل اور کارنامہ عظیم بن جاتا ہے۔ یعنی وہ جو ہمارے سامنے موجود ہماری دنیا کا حصہ ہے اور وہ جو ہمارے لئے ناموجود مگر دوسری دنیاؤں کے حصے ہیں سب کچھ مبنی بر تصور یعنی ازخود ایک تصورِ عظیم اور تصورِ کامل ہے۔ اس طرح میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ کائنات کی تمام نقلیں ایک ہی اصل کا حصہ ہیں۔ (صرف یہ نہیں کہ دنیا کی تمام چیزیں نقل ہیں جیسا کہ افلاطون سمجھتا ہے) اور نقل واصل کے تمام تر تضادات کے باوجود ان کا مرکز ومحور ایک ہی ہے۔ چوں کہ نقل واصل کے تمام تر تضادات اجزائے تصور ہیں، اس لئے ظاہر ہے، تصور کے بے شمار اقسام بھی ہوں گے۔ اس کی بے شمار جہتیں ہوں گی۔ تصور اور تصور میں فرق ہوگا۔ تصورِ عام اور تصورِ کامل میں بھی فرق ہوگا حتیٰ کہ تصورِ عظیم کا تصور آسان نہ ہوگا۔ البتہ تمام قسم کے تصورات میں ایک قدرِ مشترک اور ایک رشتہ ازلی کا ہونا فطری ہے۔ جس طرح سورج کی روشنی اور چراغ کی روشنی میں کوئی مقابلہ نہیں مگر روشنی دونوں میں موجود ومشترک ہے اس طرح آپ پائیں گے کہ کائنات کی تمام حقیقتوں میں، امور میں، اشیاء میں، کاوشوں، کارناموں یا نقل وفنون کی جڑ میں تصور یا کسی تصور کی کوئی جہت ضرور کارفرما ہے۔ صد افسوس کہ دنیا کے فلسفیوں اور دانشوروں نے تصور کو سمجھا کچھ اور سمجھایا کچھ۔ دنیا کے لغات دیکھ جائیں کسی تنگ ترین گوشے میں تصور کے نام پر تصور کی ٹکٹ سائز تصویرِ قدیم مل جائے گی۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو اہلِ یونان ویوروپ کو کیا پڑی تھی کہ وہ مثلاً ڈرامہ کو تصور کی ضد یا تصور کو عمل یا Performance کی ضد بتاتے۔

یہاں رک کر میں لغت نویسوں سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ جب عمل بغیر تصور ممکن ہی نہیں ہے تو یہ کیوں سمجھا گیا کہ تصور میں Action نہیں ہوتا یا تصور بغیر عمل ہوتا ہے۔ کیا

عمل یا حرکت کا مطلب صرف ہاتھ پاؤں چلانا ہوتا ہے؟ اگر نہیں تو تصور کا مفہوم صرف خیال یا سوچ کیوں؟ اسے عمل خیال، خیال عملی یا تصوراتی عمل کیوں نہ کہا جائے؟ اور اگر یہ تصوراتی عمل ہے تو برادرانِ ارسطو یہ کیوں کر کہیں کہ صرف اِسٹیج ڈراما ہی عملی میڈیا ہے، شاعری کیوں نہیں؟ افسانہ، داستان اور ناول بشمول نثر وغیرہ کیوں نہیں؟ اس نکتۂ حقیقی کی رو سے اسٹیج ڈراما کا مروجہ صنفی امتیاز محدود ترین ہو کر رہ جاتا ہے۔ اس لئے بھی کہ اسٹیج پر مشاعرے بھی ہوتے ہیں اور قصہ گوئی بھی۔ اور اس وقت کوئی ایک شخص بھی ایسا نہ ملے گا جو یہ مان لے کہ نوحہ خوانی، قصہ گوئی یا مشاعرہ میں بہروپ یا اداکاری نہ ہوتی ہو۔ جب صورت حال اتنی نازک اور خلط ملط ہو تو اداکاری یا عمل سازی کو صرف اسٹیج ڈراما ہی سے مختص کرنا غیر منطقی اور ایک قسم کی گمرہی ہے۔ یہاں میرا مدعا یہ ہے کہ لفظوں کو سمجھنے اور سمجھانے میں چوک ہوسکتی ہے اور ہوئی ہے۔ جس طرح تصور کو بے عمل بتایا گیا اسی طرح ڈرامہ کو با اسٹیج قرار دیا گیا۔ جب کہ یہ دونوں باتیں آج بھی محل نظر ہیں اور ان پر نظر ثانی کی ضرورت ہے۔ افلاطونؔ وارسطوؔ نے ڈرامے کے بارے میں جو کچھ کہا اس کا تعلق کس قدر اسٹیج سے ہے، یہ بھی صاف نہیں ہے۔ دانشورانِ ادب ڈراما اور اسٹیج کو لازم وملزوم ٹھہراتے رہے ہیں۔ انہوں نے کبھی اس پر غور نہیں کیا کہ افلاطونؔ وارسطوؔ مادہ سے اوپر اٹھ کر سوچنے والے فلسفی تھے۔ وہ اوصاف وادا کے قائل اور نظریہ ساز تھے۔ اجزائے المیہ وطربیہ یا جواز شاعری ان کا موضوع تھا۔ لوہے اور لکڑی کے مادی اسٹیج نہیں۔ چنانچہ کہا جاسکتا ہے کہ تابعین ومقلدین نے اوصاف فن کا اطلاق اسٹیج پر کیا یا فی زمانہ اسٹیج کو المیہ وطربیہ کے اوصاف پر منطبق ٹھہرایا تو یہ ان کی اپنی ضرورت وپسند ہوگی۔ میرا کہنا یہ ہے کہ اسٹیج اور ڈرامہ یا سوانگ اور منچ دو مختلف چیزیں ہیں جیسے مشروب اور جام۔ مشروب کو دوسرے برتن میں بھی پیش کر سکتے ہیں اور جام کا استعمال مشروب کے علاوہ بھی ہوسکتا ہے۔

Alexamenus of Toes کا عہد یا افلاطونی عہد آج کا الکٹرانک عہد نہ تھا اور اس وقت اسٹیج کی پیدائش کم وبیش ڈراموں کے لئے بھی ہو رہی تھی اس لئے یہ قیاس عہد قدیم ہی سے چلا آتا ہے کہ قدماء نے المیہ وطربیہ کہہ کر اسٹیج ہی مراد لیا ہو مگر ہمارے ناقدین مثلاً کلیم الدین احمد ارسطو کے متعلق فرماتے ہیں کہ:

''یہ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ وہ (ارسطو) شعری شاہکاروں سے بحث کر رہا ہے۔ اور یہ بھی وہ نہیں بتاتا کہ اس کے خیال میں اسکلیز زیادہ اچھا شاعر تھا کہ سوفوکلیز۔ ارسطو کی اہمیت تاریخی ہے۔ اس کا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے مغربی تنقید کی ابتدا کی اور تنقید کو دیدہ بینا دیا۔ اسے زبان بھی دی اور ادا بھی سکھائی''

میں آپ کی توجہ ایک بار پھر اس پر مبذول کرتا ہوں کہ افلاطون وارسطو نے اوصاف فن کے نظریات پیش کئے۔ مروجہ اسٹیج کے منیجر، کاریگر، منشی یا اداکار کے فرائض انجام نہ دیئے۔ اور اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اسٹیج اصل نہیں ہے، اصل ہے ڈرامہ۔ جیسے مشاعرہ اصل نہیں ہے اصل ہے شاعری۔ اسٹیج والے اسے اسٹیج کر سکتے ہیں پرنٹ والے چھاپ سکتے ہیں۔ چونکہ چھاپنا یا اسٹیج کرنا بھی ایک ہنر ہے لہذا فن کی شرطوں اور لوازمات کا لحاظ لازمی ہے۔ مگر شاعری سامعین کو ذہن میں رکھ کر ہی لکھی جائے یہ لازمی نہیں۔

بالفرض اگر ڈرامہ کے لئے مروجہ اسٹیج کی قید کو تسلیم کرلیں تو ''لب ولہجہ'' کا پرنٹ میں جواز کیا ہوگا؟ کہہ سکتے ہیں کہ لہجہ یا آہنگ کا اطلاق شعر خوانی پر ہی ممکن ہے جہاں آواز کے مخصوص زیر وبم کے ذریعہ شعر کے مخصوص آہنگ کی شناخت ہوگی۔ یعنی لہجہ کی شناخت کے لئے سماعت ناگریز ہے۔ لہجہ کے تعین کی یہ اولین منطق ہے جو اپنے آپ میں حقیقی ہے، فرضی نہیں۔ پھر تحریر میں لہجہ کا استعمال یا رواج چہ معنی دارد؟ مگر یہاں آپ کی دلیل یہ ہوگی کہ ہر لفظ چوں کہ اپنی مخصوص گونج اور معنوی خصوصیت رکھتا ہے۔ لہذا الفاظ وتحریر میں آواز کے زیر وبم کی معنویت موجود رہتی ہے اور آواز کی پہچان کے لئے

ہم نے لفظوں کو مقرر کر رکھا ہے۔ مثلاً جب ہم پڑھتے ہیں شور، تو ہم جانتے ہیں کہ شور کیا ہوتا ہے۔ کیوں کہ یا تو شور سن چکے ہوتے ہیں یا اسے سننے اور جاننے والوں کی کمی نہیں جو ہمیں بتا دیتے ہیں کہ شور کیا ہوتا ہے۔ اسی طرح جب ہم پڑھتے ہیں جسم، تو جسم اگر چہ لفظ میں موجود نہیں ہوتا یا لفظ سے باہر نکل کر ہمارے سامنے نہیں آتا لیکن ہم جانتے ہیں کہ جسم کیا ہے۔ اور جہاں نہیں جانتے یا جہاں ترجمانی کے لئے الفاظ ہی نہیں ملتے وہاں ہم الفاظ و تراکیب بنا لیتے ہیں اور ان کے مفاہیم طے کر لیتے ہیں۔ الغرض، اشیا اور اوصاف جن کی ترجمانی الفاظ کے ذریعہ ہوتی ہے تحریر میں رائج و مقبول ہے۔ اسی طرح لفظی ترجمانی کے ذریعہ اشیاء اور ان کے اوصاف کی صداقتوں کو تسلیم کیا جاتا ہے حتیٰ کہ اوصاف کے اقسام میں بھی یہی لفظی ذرائع مستند ہیں مثلاً اقبالؔ کے لب ولہجہ کا امتیاز۔

اب مجھے عرض یہ کرنا ہے کہ جب لفظی بنیادوں پر آواز، کیفیت، دیگر اوصاف اور کائنات کی تمام چیزیں سرتاپا فرض کی جاسکتی ہیں تو پھر ڈرامے میں ایسا کیا ہے جس کے لئے مروجہ اسٹیج لازمی ہے اور جسے لفظوں میں قبول نہیں کیا جاسکتا یا لفظوں میں قبول کی صلاحیت نہیں۔ آپ نے محسوس کیا کہ ڈرامہ جیسا کہ غلط طور پر مشہور ہے صرف اور صرف کر کے دکھانے کی چیز نہیں ہے۔ یہ کر کے دکھانے کی چیز شاید تب رہی ہوگی جب دوسرے ذرائع ابلاغ پیدا ہی نہ ہوئے تھے یعنی سائنسی (لسانیاتی) نظریہ کے مطابق جب زبان نہ تھی، تحریر نہ تھی، دوسرے ذرائع اظہار نہ تھے۔ انسان جسمانی حرکات یا رقص وغیرہ کے ذریعہ اپنا اظہار کرتا تھا۔ چنانچہ یہ امر انتہائی افسوسناک ہے کہ لوگ آج بھی ڈرامہ کو اسی عہد قدیم میں لے جا کر سوچتے ہیں۔ بہر حال، جو لوگ آج بھی اس فن کو مروجہ اسٹیج کی چیز سمجھتے ہیں یہ ان کی فہم و فراست یا ضرورت و مفاد کا معاملہ تو ہوسکتا ہے، ڈرامہ اور مروجہ اسٹیج کے لازم و ملزوم ہونے کا معاملہ بالتحقیق نہیں بنتا۔ اس احتساب و

استرداد و استنباط کے بعد صدیوں پرانی اس گمرہی و غلط فہمی کا خاتمہ ہو چکا کہ ڈراما بہ شرط مروجہ اسٹیج ہے۔ اس کے ساتھ ہی تصوراتی ڈراما ر"حالیہ" کی مکمل زبانی رکمل تحریری رکمیل ادبی حیثیت بحال ہو جاتی ہے۔ اس بحالی کے ساتھ ہی صدیوں سے پوشیدہ تصوراتی ڈراما ر"حالیہ" کا وجود بھی آئینہ ہو جاتا ہے۔ اور آج ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ عالم میں سب سے پہلے زبانِ اردو کو یہ شرف حاصل ہے کہ اس میں "حالیہ" کا ظہور ہوا ہے۔

اچھا، فرض کیجئے میں "آگرہ بازار" کا ناظر نہیں قاری ہوں۔ قاری کی حیثیت سے بھی میں نے آگرہ بازار کو ڈرامہ ہی محسوس کیا ہے۔ تو کیا تحریر میں ہونے کے سبب "آگرہ بازار" (حبیب تنویر) کو داستان یا ناول کی صف میں رکھا جا سکتا ہے؟ اگر اسے مروجہ طور پر اسٹیج نہ کیا جاتا یا نہ کیا جائے۔ اس کے صنفی کالم میں ڈرامہ نہ لکھا جائے۔ اگر لکھنے میں قوسین کا استعمال نہ ہو۔ پردہ اٹھتا ہے، پردہ گرتا ہے، سپاہی برابر الف، شاعر برابر ب، ڈگڈگی بجتی ہے، نقارہ گونجتا ہے، اسٹیج پر ایک جانب میلہ ہے، دوسری طرف دربار وغیرہ اسٹیج ہدایات درج نہ کئے جائیں تو کیا یہ ناول بن جائے گا؟ اگر "نراکار" (سلیم شہزاد) بحر و وزن میں مقفیٰ یا مردف عبارت میں یا نیم نثری، نیم منظوم ہیئت میں ہو تو وہ نظم یا شاعری کہلائے گا؟ آخر ہمارے صنفی امتیازات کیا ہیں؟ اس پر بھی غور فرمائیں کہ اگر ڈرامہ ہونے کے لئے مروجہ اسٹیج لازمی ہو تو پرنٹ میں اسے اتارنے کی غلطی کیوں اور یہ غلطی صدیوں کی ڈرامائی تاریخ پر محیط کیوں؟ مجھے اسٹیج کے لوگوں سے ہمدردی ہو سکتی ہے۔ اسٹیج سے اسٹیج والوں کے اپنے مفاد ہو سکتے ہیں۔ وہ تجار قسم کے اور معقول لوگ بھی ہو سکتے ہیں۔ ایسے لوگوں میں اکثر وہ ہیں جو ارسطوئی اسٹیج یا یورپی تھیٹر کی وکالت کرنے والے ہیں مگر وہی لوگ اپنے ڈرامے ادبی رسالوں، کتابوں میں شائع بھی کراتے ہیں۔ اگر ان حضرات کی نگاہ میں ڈرامہ برابر اسٹیج ہے تو ادب یا پرنٹ کی جانب ان کی چہل قدمی کے کیا معنی؟ کیا یہ سمجھا جائے کہ ادبی رسائل میں شائع ان کے ڈرامے

مروجہ اسٹیج کا اشتہار ہیں؟ کیا وہ کاغذی صفحات کو مروجہ اسٹیج سمجھتے ہیں؟ حالانکہ تحریر یا پرنٹ مروجہ اسٹیج نہیں ہے، یہ ان کے مطابق ان سے بہتر کون جانتا ہوگا۔ سو اسٹیج کی عقیدت میں ایمانداری کا تقاضہ تو یہی ہے کہ اسٹیج ڈرامے مروجہ اسٹیج کے سوا کہیں اور پیش نہ کئے جائیں۔ اگر ادب پیش کیا جارہا ہے تو ادبی شرطوں کے بجائے مروجہ اسٹیج کی شرطوں کا مذاق کیوں؟ یاد کرانے کی ضرورت نہیں کہ ادب جب تک زندہ وتابندہ ہے مروجہ اسٹیج کے مذاق کو ادب باہر ہونا ہی چاہئے حتیٰ کہ جب ذرائع ابلاغ کے بطور دیگر ترقی یافتہ میڈیا (الیکٹرانک میڈیا وغیرہ) کے سوا چارۂ کار باقی نہ رہ جائے تب بھی جیسا کہ اوپر مذکور ہوا ''اسٹیج'' کے کوزے کا اطلاق صرف اور صرف مروجہ اسٹیج پر ہو سکے گا۔ رہا تصوراتی ڈراما سو پہلے بھی تھا، آج بھی ہے اور کل بھی رہے گا۔ تصوراتی ڈرامہ کے بارے میں پہلے ہی عرض کر چکا ہوں کہ۔۔۔۔

''شاعری یا داستان وغیرہ تو اس کے اجزاء ہیں۔ نثر، شاعری یا فکشن میں سے کوئی بھی تنہا تصور کا نعم البدل نہیں ہو سکتا۔ ترسیل و ابلاغ ہی کو لیں۔ ان سے وابستہ تمام حرکات و سکنات، موقع ومحل، کیفیت وکلام یا موضوع واختتام وغیرہ میں بھی تصوراتی سرچشموں کے اجزاء موجود ہوتے ہیں۔ یعنی حقیقتوں اور ان کی مختلف شکلوں میں بھی تصوراتی جہتیں بدرجۂ اتم موجود ہوتی ہیں۔ خود تصوراتی ڈراما کی شکلیں تغیر پسند یا ارتقا پذیر ہوتی ہیں، مثلاً رشیوں، بھگوانوں، دشٹوں یا شیطانوں کے کردار اگر چہ کہ اپنے آپ میں کامل ڈرامائی ہونے کے سبب اپنے موضوع کا مرکز ومحور ہوتے ہیں مگر عہد بہ عہد کرداروں میں توصیف کے نئے زاویے بھی روشن ہوتے رہتے ہیں۔ یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ ظہورہ اور اس کے بعد کے وقوعوں کے عملی ارتقائی معنوں میں بھی تصوراتی ڈرامے کو کلیدی اور ممتاز حیثیت حاصل رہی ہے۔'' (غزل زمین میں تمثیل از مبین صدیقی)

اچھا، یونان ویورپ وہندوستان سمیت پوری دنیا میں کہیں کوئی ایسا اسٹیج کسی نے دیکھا

ہے جس میں سمندروں، صحراؤں، خلاؤں، زمین کے اندرونی اور بیرونی حصّوں، آسمان کے تہہ بہ تہہ گوشوں بشمول بلیک ہول اور تمام سیاروں کے رنگ رنگ نظاروں کو دکھایا جاتا ہو یا دکھایا جا سکتا ہو۔ ان کے علاوہ ایک سے بڑھ کر ایک حادثات و واقعات و آفات و بلیات ہیں۔ طوفان، زلزلہ، سیلاب، بجلیوں کی گھن گرج، دھند، ابر سیاہ، بارش ہے۔ کائنات میں بے شمار مخلوقات ہیں اور ان سب کی جدا جدا نفسیات کے علاوہ داخلی و خارجی کیفیات ہیں۔ نباتات، جمادات اور حیوانات ہیں۔ بعض طبیعات کی حد میں ہیں اور بعض کی سرحدیں مابعد الطبیعات کے بعد شروع ہوتی ہیں۔ جو طبیعات کے دائرے میں ہیں اگر صرف انہیں کی بات کریں تو ان میں بھی بیشتر چیزیں اتنی عجیب و غریب، ایسی تہہ دار، اتنی پر اسرار، دیو قامت اور نا قابلِ حصول ہیں کہ ان کی نقل اتارنا اور انہیں اسٹیج کرنا تو در کنار انہیں صحیح و سالم احاطۂ تصور میں لے آنا بھی جوئے شیر لانے سے کم نہیں ہے۔ پھر اس بات کے کیا معنی ہیں کہ۔

न स योगो न तत्कर्म नाटये स्मिन यन्न दृश्यते।

सर्व शास्त्राणि शिल्पाणि कर्माणि विविधानि च।।

(سبھی شاستر، سبھی شلپ اور مختلف کارنامے ناٹک میں ہوتے ہیں۔ وہ یوگ یوگ نہیں اور کام کام نہیں جو ناٹک میں نہ دکھائی دے)

اگر ناٹک کی مذکورہ تعریف درست اور مبنی بر حقیقت سمجھی جائے، مبنی بر مبالغہ نہیں (اور اگر تعریف کرنے والا کوئی ایرا غیرا نہیں بلکہ اپنے میدان کا سکندر اعظم ہے) تو ایسے ناٹک کا اطلاق دنیا کے کسی اسٹیج پر ممکن ہو یہ ناممکن ہے۔ پھر ایسی تعریف کا مطلب کیا ہے؟ مطلب صاف ہے۔ ''ناٹک'' کے بنیادی نظریے اور لامحدود Concept کو ''اسٹیج'' کی انتہائی محدود اوقات پر منتج نہیں کیا جا سکتا بلکہ اس تناظر میں ''اسٹیج'' بھی دوسرے شعبہ جات/اصناف اور ذرائع کی طرح 'ناٹک' کا ایک معمولی اور غیر لازمی جزہی ثابت ہوتا ہے۔ یعنی دنیا میں کہیں بھی جو اسٹیج موجود ہیں یا اسٹیج کی محدود شکلیں ہیں،

فی الحقیقت ڈراما کے لامحدود Concept کی متحمل نہیں ہیں اور نہ ہو سکتی ہیں۔ لیکن یہاں ایک اور سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر ایک طرف ناٹک کی ایسی تعریف بیان کی جائے اور دوسری جانب بیان کنندہ پوری عمر اسٹیج کے مینیجر یا چپراسی یا اداکار کے فرائض بھی انجام دیتا رہے یعنی عملی طور پر ڈراما اور متعلقہ اسٹیج کو لازم وملزوم بھی مانتا رہے تب؟ ظاہر ہے یہ کہا جائگا کہ بیان کنندہ کی کرنی اور کتھنی میں کوئی تعلق ہی نہیں بلکہ بڑا تضاد ہے۔ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ وہ نہیں جانتا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے یا بیان کنندہ ایسی بات کہہ رہا ہے جسے سمجھتا نہیں ہے اور جسے عملاً ثابت بھی نہیں کر سکتا۔ چنان چہ اس صورت حال میں اپنے میدان کا معمار اعظم بھی یا تو جاہل واحمق کہلائے گا یا confused۔ بہر حال مذکورہ تعریف مبالغہ یا ہنسی مذاق پر اگر منتج ہو تب بھی میرا Concept اور میری Theory یہی ہے کہ ڈراما کے لئے اسٹیج اختیاری یا فرضی ہے لازمی نہیں۔ اور جس طرح لفظی بنیادوں پر دیگر اصناف اور کائنات کی تمام چیزیں سرتاپا تسلیم کی جاتی ہیں ڈراما بھی تصور شدہ اور تسلیم شدہ ہے۔ البتہ ایسے ڈراما کو ''اسٹیج ڈراما'' کے نام سے یکسر مختلف ''تصوراتی ڈراما'' یا ''حالیہ'' کے نام سے مشہور کیا جانا چاہیے۔

ادبی تاریخ کا غالباً یہ سب سے بڑا المیہ ہے کہ بھرت منی اور ارسطو کے حلقہ بگوشوں نے فٹ اور فُٹ میں ''اسٹیج'' کو مقیّد کر کے قیدی اسٹیج کے محتاج ڈراموں (اسٹیج ڈراموں) کو ڈراما کا کُل اور اول قرار دیا ہے۔ اس Blunder کے انجام کے ذمہ دار وہ خود ہیں اور آج بہت حد تک انجام ان کے سامنے ہے بھی۔ جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائدار ہوگا۔

آج پوری دنیا میں ان کے اسٹیج دم توڑ رہے ہیں اور ان کے اسٹیج کو پامال کر کے الکٹرانک میڈیا نے زبردست مقبولیت، ترجیح اور برتری حاصل کر لی ہے۔ دراصل اسٹیج (بہ معنی تصور) اور ڈراما کو لازم وملزوم ٹھہرانے کا واحد طریقہ/راستہ/نظریہ/اصول یہی ہے

کہ۔۔۔۔۔۔لوگوں کی بصیرت، عقل و دانش اور دماغ کو اسٹیج تسلیم کیا جائے اور حسب موقع ومحل پوری کائنات کو ''اسٹیج'' اور کائنات کی ہر ایک شئے کو ''کردار'' تسلیم کیا جائے۔ راقم الحروف نے اسی کائناتی ڈراما کو تصوراتی ڈراما سے آگے بڑھا کر ''حالیہ'' کا نام دیا ہے۔

اب تک آپ کے ذہن ودل میں یہ اشتیاق بھی جاگا ہوگا کہ چلو ایک تصوراتی ڈراما بھی ہے جسے تسلیم کیے لیتے ہیں اور جسکا مطلب یہ ہے کہ یہ ایک غیر اسٹیجی ڈراما ہے اور اس Non-stage کا تعلق کسی بھی طرح مروجہ اسٹیج سے نہیں بلکہ خالصتاً تصور وادب سے ہے۔ یہاں تک تو ٹھیک ہے۔ پھر کیا افتاد آن پڑی کہ تصوراتی ڈراما کو تصوراتی ڈرامانہ کہہ کر اب ''حالیہ'' کہا جائے؟ یعنی حالیہ کی ضرورت اور جواز کیا ہے یا یہ کہ اسکی انفرادیت و شناخت کیونکر ممکن ہو؟ بات یہ ہے کہ مروجہ ''اسٹیج'' کی تردید کرتے ہوئے بطور نعم البدل ''تصور'' کو وضع کیا گیا اور ''اسٹیج'' ڈراما کے ردّوبدل کے بطور ''تصوراتی ڈراما'' کو قائم کیا گیا ہے۔ مگر یہ اندیشہ کہ اس نام کے سبب لوگ اسے صرف افسانہ نما، ناول نما، داستان نما جیسی چیز نہ سمجھنے لگیں، قائم رہتا ہے۔ ہمارے بعض فاضل قارئین تو اسے نظم نما بھی سمجھنے سے باز نہ آئیں۔ اسی طرح بعض اسے صرف ڈراما نما سمجھنے لگیں۔ غور وفکر کی عادت نہ ہونے کے سبب اپنے یہاں سہل پسندی بہت ہے اور سہل پسندی کے سبب کنفیوزن بھی بہت ہے۔ (ایسے بیشتر لوگ اس مقالہ کو پڑھنے کی ضرورت ہی نہ سمجھیں گے اور جنھوں نے کسی طور پڑھنے کی زحمت گوارا کرلی انہیں یہ توفیق نہ ہوگی کہ سنجیدگی سے غور وفکر کرنے کے بعد ایک صحیح نتیجہ اخذ کرنے میں کامیابی حاصل کرلیں۔ حالاں کہ اگر وہ غور کرسکیں تو اس مقالہ کا نصب العین اور اس کے مضمرات ونتائج بالکل صاف صاف، نہایت واضح اور شفاف آئینے کی مانند ان پر روشن ہوں گے) تو ایک جانب بعض سہل پسند اور کنفیوزڈ قارئین کی سمجھ کور کھئے۔ دوسری طرف اس بات پر بھی نظر رہے کہ

اظہارات و انکشافات و واقعات کو ''ہوتا ہوا'' (فکشن یا شاعری کا بنیادی وصف ''بتانا'' رائج ہے، ہونا یا دکھانا نہیں) پیش کرنے یا ثابت کرنے کیلئے کیا یہ ضروری نہیں کہ انہیں زمانۂ حال میں اسلوب کیا جائے؟ اور چوں کہ یہ ''ہوتا ہوا'' زمانۂ حال کا اسلوب ایک طرف فکشن اور شاعری کے عام اسلوب سے واضح طور پر الگ ہونے کے باوجود فکشن اور شاعری کی بہترین خوبیوں سے مالا مال ہے تو دوسری جانب یہ ''اسٹیج'' بھی نہیں بلکہ اسٹیج کا بھی نعم البدل ہے۔ اس اسلوب کو آپ کیا نام دیں گے؟ صرف ''تصوراتی ڈراما'' کہنے سے تو شاید بات نہ بنے۔ کیوں کہ زمانۂ حال کے اس اسلوب میں تصوراتی ہی سہی صرف ڈراما تو نہیں ہے۔ مگر یہ تو ہے کہ تصوراتی ڈراما کو بشرطِ زمانۂ حال ہی ہونا ہے۔ چوں کہ اسے صرف زمانۂ حال ہی میں ہونا ہے جبکہ ''تصور'' مختلف زمانوں میں ہوسکتا ہے، اس لئے اس ''تصوراتی ڈراما'' کو ''حالیائی ڈراما'' بھی نہیں بلکہ ''حالیہ'' ہی کہنا ہوگا۔ اسکی یہی شناخت اور انفرادیت اسے دوسروں سے ممیّز و ممتاز بناتی ہے۔ (اگرچہ ''تصوراتی ڈراما'' کی اصطلاح کو اس لئے وضع کیا گیا کہ اس سے غیر اسٹیجی یا خالص ادبی تحریری ڈراما کا نظریہ بحال اور روشن تر ہوسکے اور وسیع المفہوم ''تصور'' کی بے پناہ وسعت، اہمیت، افادیت اور نیرنگی کا زیادہ سے زیادہ اظہار اور بڑے سے بڑا استعمال ثابت ہوسکے)۔

اب فرض کیجئے، آپ ایک افسانہ لکھتے ہیں جو از اول تا آخر اپنے مشمولات کو ''ہوتا ہوا'' پیش کرتا ہے، اسے کیا نام دیں گے؟ (حالیائی افسانہ؟) کسی نے ایک ناول لکھا ہے جو سرتاپا زمانۂ حال میں ہے، اسے کیا نام دیا جائے (حالیائی ناول؟) کسی نے کچھ نظمیں رغزلیں لکھی ہیں جن کے تمام اشعار زمانۂ حال کے آئینہ دار ہیں، ہر مصرعہ کسی کردار کی صورت اپنے رول انجام دے رہا ہے، نمودار ہو رہا ہے، وقوع پزیر ہے۔ پوری نظم رغزل کے ماضی و مستقبل کا حال بس حال ہی حال ہے۔ آپ کیا کہیں گے؟ حالیائی نظم رحالیائی غزل؟ بے شک، انہیں حالیائی نظم رحالیائی غزل رحالیائی افسانہ رحالیائی

ناول ہی کہنا ہوگا۔لیکن اگر ان تمام مختلف حالیائی اصناف کو مخلوط و یکجا کردیا جائے تو ان مختلف حالیائی اصناف کے اشتراک وانضمام واجتماع کو آپ کیا کہنا چاہیں گے؟ حالیائی حمد، حالیائی نعت، حالیائی قصیدہ، مثنوی، تمثیل، محاکات، وقوعہ، مرثیہ، نوحہ، رباعی، قطعہ، خاکہ وغیرہ جیسے حالیائی اصناف کو بھی آپ شامل کرلیں۔اس طرح، ایک ایسی صنف جو ادب میں اسٹیج کا نعم البدل بھی ہو لیکن جس میں چیزیں ہوتی ہوئی، زندہ و متحرک محسوس ہوں اور جس میں تمام اصناف کا امتزاج بھی ممکن ہو مگر صنف واحد بھی جہاں زمانۂ حال ہی میں واقع ہو اس کا سب سے بہترین نام "حالیہ" ہی تو ہوگا۔

لفظ "حالیہ" میں دیگر رموز کے علاوہ کچھ چیزیں اور بھی ہیں۔مثلاً وہ حال جو جدید ترین حالات کا نچوڑ ہو اور جس کا اسلوب باریک ترین کیفیات کا محلول ہو۔وہ حال جو صاف طور پر قال کی ضد ہو۔جس میں صرف بات ہی بات نہ ہو، بیان ہی بیان نہ ہو بلکہ جذب وانجذاب کی کیفیات ہوں۔اعمال وانکشافات ہوں، مسلسل انہماک ہو، ابتلاء و القاء ہو، ورود و نزول ہو، دورہ ہو، استغراق ہو، ایک حالت خاص ہو، ایک کیفیت مخصوص ہو، موجودہ و موجود ہو، حاضر و ناظر ہو، زندہ و پائندہ ہو، تحرک و تغیر ہو، عشق و جنون ہو اور جاری و ساری ہو۔جس میں اب، ابھی، ابھی تک، اب تک، اب سے، ابھی سے، تازہ ترین، نچوڑ، محلول، محل، نتیجہ، عین موقع، عین عہد، عین وقت، حاصلِ حال، ابتک کا حاصل، مکمل ترین، سب سے قریب، ناگزیر، ضرورتِ عام وخاص، مجموعۂ احوال، سب سے نادر، بے نظیر و بے مثال، سب سے جدا، بے بدل، سب سے منفرد، سب میں ممتاز، سب میں اکمل، عظیم ترین، حاصل الحصول، مابعد دریافت، مابعد انکشاف، مابعد استنباط، وغیرہ وغیرہ بھی ہو۔ہمارے قارئین پر ابتک یہ بھی واضح ہوگیا ہوگا کہ اصطلاح "تصوراتی ڈراما" سے اگر کچھ غلط فہمی پیدا ہوسکتی تھی تو اس کے ازالے کیلئے بھی "حالیہ" کی اصطلاح کافی وشافی ہے۔حالیہ کی ہیئت و عظمت پر آئندہ بھی روشنی ڈالی جائیگی۔فی

الحال اتنی بات ذہن نشیں کر لینے کی ہے کہ نام نہاد مرحوم اسٹیج سمیت تمام دوسری صنفوں کے مابین سرچشمۂ اصناف ''حالیہ'' کی منفرد، یکتا اور عالم گیر شناخت بہ فضلہ تعالیٰ قائم و دائم ہو چکی۔ پس اسے کبھی عام شاعری یا عام فکشن کے ذیل میں نہیں رکھا جا سکتا۔

غالبؔ نے کس قدر بیش قیمت مصرعہ کہا ہے ''عالم تمام حلقۂ دام خیال ہے۔'' مگر حالیہ میں نہ صرف آرائش خیال بلکہ نظامِ عمل و لائحہ عمل بھی ہے۔ نظامیات، انتظامیات، اخلاقیات، دینیات، سماجیات، سیاسیات اور سائنسیات بھی۔ پلاٹ، شاعری، اداکاری، مناظر، تصادم، نقطۂ عروج، آغاز، انجام، تحریر، تحقیق، مکالمہ، تنقید، خطاب، بیان تقریباً سب کچھ۔ یعنی حالیہ بہ معنی سرچشمۂ اصناف / مجموعۂ اصناف۔۔۔ سرچشمۂ فنون / مجموعۂ فنون۔۔۔ مجموعۂ علوم اور مجموعۂ اعمال۔ اب یہ اس کے پیش کرنے والے پر منحصر ہے کہ وہ اسے کتنا اور کیسا پیش کر سکتے ہیں۔ ممکن ہے بعض حلقوں سے یہ سوال اٹھے کہ مثلاً رقص کو تحریر میں کیوں کر پیش کیا جائے؟ رقص کو میں نے بطور مثال پیش کیا ہے ورنہ وہ تمام چیزیں جو زندہ پیش کی جا سکتی ہیں الفاظ میں انکی عکاسی خوب تر ممکن ہے۔ رقص کو، از اول تا آخر جیسا مقصود ہو، ایک ایک ادا کی لفظی عکاسی کے ساتھ پیش کیا جا سکتا ہے۔ حالاں کہ مہارت و ذہانت کے مطابق کسی بھی رقص کی صرف ایک ادا یا ابتدائی ادا کا بیان کر کے معاملہ کو موثر انداز میں آگے بڑھایا جا سکتا ہے۔ پس کسی بھی واقعہ / کیفیت یا انکشاف کی پیش کش کیلئے ایک مخصوص اسلوب (عمل کے عکس کا اہتمام) کو اختیار کرنا ہوگا۔ یہ مخصوص اہتمام عکسِ عمل کیا ہے اور خاص طور سے یہ مسلمانوں کی ترجیحی ضرورت کیوں ہے، اس ضمن میں پہلے بھی اشارے کر چکا ہوں۔ ''اسٹیج کی جو انسائکلوپیڈیا ہے، اسلام میں اسکی مشروط ممانعت رہی ہے۔ اسٹیج پر مسلمانوں کی عکاسی تو ہو سکتی ہے مگر مسلمانوں کو اسٹیج کا نمائندہ نہیں سمجھا جا سکتا۔ اگر ایسا کیا گیا تو یہ ایک بڑا تضاد اور Blunder بن سکتا ہے۔ مسلمانوں کو اس پر انتہائی سنجیدگی سے غور کرنا چاہئے اور جہاں رکنے کی ضرورت ہے رک

جانا چاہئے" (غزل زمین میں تمثیل از مبین صدیقی)
آیئے، اسٹیج رنقل اور اسلام میں اسکی مشروط ممانعت کے بعض اسباب ادب میں تلاش کرتے ہیں:۔

(۱) A play for acting on stage, the dramatic art, the composition and presentation of plays firmly use. (Lesely Brown's: Oxford English Dictionary)

(۲) A composition in prose or verse, adapted toacted upon a stage in which a story is gesture, costume and seenery asinreal life, a play. (Vivan Ridler, The compact edition of the Oxford English Dictionary)

(۳) ناٹکم ۔۔نٹ + کم، سوانگ (اسٹیج پر نقل راداکاری، ناچ فحش کلامی) روپک کے دس بھیدوں میں پہلا۔ (سنسکرت ہندی کوش)

(۴) نوٹنکی ۔۔لوک ناٹک جو بھٹی، بہروپ، ناچ گانے، برجستہ فحش کلامی اور کسی عشقیہ لوک کہانی کی غیر فنی ڈرامائیت پر مشتمل ہوتا ہے، اسے تماشا بھی کہتے ہیں اور ہندوستانی دیہاتوں میں آج بھی اسے کسی میدان، بازار میں یالب دریا طویل مدت تک اپنا فن پیش کرتے دیکھا جاسکتا ہے۔ (فرہنگ ادبیات رسلیم شہزاد)

(۵) ڈراما۔۔ تمثیل، کھیل، ناٹک، Play مترادفات ہیں۔ ڈراما یونانی لفظ 'dram' یعنی "کچھ کرنے کی حالت" سے مشتق ہے۔ فکشن کے اظہار کی اس ہیئت میں فکشن کے واقعات اور کرداروں کی نقل اسٹیج پر اس طرح پیش کی جاتی ہے کہ گوشت پوشت کے زندہ کردار جو اداکار کہلاتے ہیں، فکشن کے کرداروں کی تمثیل بن جاتے اور اپنی حرکات وسکنات سے واقعات کو اسٹیج پر واقع ہوتا دکھاتے ہیں۔ (فرہنگ ادبیات)

(۶) ناٹک ۔۔ ہمارے ملک میں بھانڈوں اور نقالوں کا کام بہت ذلیل سمجھا جاتا ہے اور ہولی میں جو سوانگ بھرے جاتے ہیں وہ سوسائٹی کیلئے مضر خیال کئے

جاتے ہیں لیکن یورپ میں اسی سوانگ اور نقل نے اصلاح پا کر قوموں کو بے انتہا اخلاقی اور تمدنی فائدے پہنچائے ہیں۔ (مقدمۂ شعروشاعری از مولانا الطاف حسین حالیؔ)

(۷) ڈراما۔ ڈرامہ کا وصف یہی ہے کہ اس میں کردار اپنا حال اپنے اعمال کے ذریعہ ظاہر کرتے ہیں۔ اس کے برخلاف ناول یا افسانے میں مصنف کو قدم قدم پر کردار کی نقاب کشائی کرنی پڑتی ہے اور مسلسل رائے زنی کے ذریعہ کردار کے خدوخال نمایاں کرنے پڑتے ہیں۔ ڈرامہ میں مصنف کی شخصیت پردہ پوش رہتی ہے اور واقعات و اعمال ہی کے ذریعہ کردار کی شکل بندی ہوتی ہے۔ اس طرح ارسطو ڈرامہ خاص کر المیہ کے لاشخصی (Impersonal) کردار کا نظریہ پیش کرتا ہے۔ یہ نظریہ محض اس بات کو مستحکم نہیں کرتا کہ ڈرامائی مصنف تعصّبات اور ارادوں کو پس پشت ڈال کر کرداروں کو واقعات کے رحم و کرم پر چھوڑتا ہے بلکہ اس نکتہ کی طرف اشارہ بھی کرتا ہے کہ ڈرامہ دراصل ایک طرح سے حقیقت کی آزادانہ تخلیق ہے، کیوں کہ مصنف کی شخصیت معدوم ہونے کی وجہ سے ڈرامہ میں (Contrivance) کا احساس نہیں ہوتا اور اسٹیج پر پیش آنے والے واقعات محض واقعہ کی نقل نہیں بلکہ اصل واقعہ بن جاتے ہیں (شعریات؍شمس الرحمان فاروقی)

مذکورہ حوالوں کے بعد اب یہ سمجھنے میں دقت نہ ہونی چاہئے کہ اسلام میں نقل بالخصوص اسٹیج نقل، ناچ، بے جا نمائش، فحش موسیقی، فحش ادائی، اوباش گیری، عریانیت، برہنگی، مکرو فریب، تصنع و مبالغہ، غرور، نازونخرہ، مادہ پرستی، قوت پرستی، شخصیت پرستی، بغض، حسد، کینہ، ہوس پرستی، لواطت اور تمام قسم کی طوائف الملو کی ناجائز اور باطل ہے۔

چونکہ بت گری، تصویر کشی، پاٹ ادائیگی، فحش ادائی، موسیقی کی خرابیاں حتیٰ کہ وراء الورا کی نقل، تصویر کشی یا پاٹ ادائیگی بھی دوسرے مذاہب میں جائز و رائج ہے جب کہ اسلام ان چیزوں کی ممانعت کرتا ہے، ان پر نکیر کرتا ہے اور ان پر حدیں قائم کرتا

ہے۔ بت پرستی اور شخصیت پرستی کی ابتداء کے بارے میں مشہور ہے کہ مشرکین نے وحدہٗ لاشریک (ایک اللہ) کی عبادت کے مقبول ذرائع کے طور پر پہلے تو مخلوقات کی (نیک بندوں کی) یادگاریں قائم کیں۔ پھر بعد کے زمانہ میں بظاہر نظر نہ آنے والے اللہ کے بندوں ہی کی عبادت میں رفتہ رفتہ مشغول ہو گئے۔ پھر وہ وقت بھی آیا کہ اللہ وحدہٗ لاشریک کی ذات وصفات میں کھلے طور پر شرک کرتے ہوئے مخلوقات کے نئے نئے عبادت خانے باضابطہ تعمیر کرنے لگے اور اسکے لئے نئی نئی تاویلیں بھی گڑھنے لگے۔ چنانچہ مخلوقات (بشمول صالحین) کی ایسی یادگاریں، نذر و نیاز، نقل و بہروپ، تصور و مجسمہ سازی اور اسٹیج بازی وغیرہ شرک جیسے ناقابل معافی گناہِ عظیم وقدیم کا بنیادی ذریعہ رہی ہیں۔ یعنی شرک کا ان ہی چیزوں سے دیرینہ تعلق رہا ہے۔ اس تناظر میں بھی محض تحریری وادبی ڈراموں کی ضرورت مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ تھی۔ مگر افسوس کہ مسلمانوں کے تصنیف کردہ ڈرامے بھی قدیم اسٹیج کی شرطوں پر ناپے تولے جاتے رہے ہیں۔ بلکہ نام نہاد اسٹیج کی شراکت کے بغیر اردو ڈراموں پر کلام تک نہیں کیا جاتا اور یہ کرنے والے بھی مسلمان ہی رہے ہیں۔ جیسے واجد علی شاہ وغیرہ۔ مسلمان ڈراما نگاروں اور اسٹیج کاروں کے علاوہ ڈراما کے تمام مسلمان ناقدین وقارئین وناظرین نے بھی اسٹیجی نظریے کو خود پر حاوی رکھا۔ نہ کبھی اسکے شر کے پہلوؤں کو محسوس کیا اور نہ خیر کی حدوں کو سمجھنے سمجھانے کی کوشش کی۔ اور نہ نعم البدل کی ہی کوشش کی۔ واقعہ یہ ہے کہ جدیدیت اور تجربات کے نام پر ہی سہی یورپ کے غیر مسلموں کو Nonstage کی سوجھی لیکن پوری دنیا میں مسلمانوں کو اپنے بنیادی Concept اور Culture کے تناظر میں بھی قدیم Stage کو ترک کرنے کا خیال کبھی نہ آسکا بلکہ جیسا کہ میں نے عرض کیا قدیم اسٹیج کو خود پر مسلط رکھنا ہی ضروری سمجھا۔ یہ المیہ نہیں تو اور کیا ہے کہ جنھیں Nonstage کی ضرورت ہی نہ تھی بلکہ جنھوں نے خاطر شوق یا خیالِ خاطرِ احباب میں Nonstage کا

استعمال شروع کیا انہیں عالمی پزیرائی (عالمی ایوارڈ) حاصل ہوئی اور جن پر Nonstageہی لازم آتا تھا وہ اسٹیج میں مسلسل مبتلا ہی نہیں بلکہ اس کے کٹر حامی و مددگار اور پیروکار بھی رہے۔ دراصل مسلمانوں میں بھی بعض لوگ ایسی ذہنیت کے ہیں جو اپنی نادانی یا گمرہی کے سبب مضر اسٹیج کو سجانے میں اہل اسٹیج کو بھی پیچھے چھوڑ دینا چاہتے ہیں۔ انہیں لوگوں نے آزادئ اظہار، ارتقائے نقل وفن اور ارتقائے ادب کے فریب میں ہمیشہ نئے فتنوں کو فروغ دیا ہے جن کے تابعین میں بعض وہ جو صاحب تدبر تھے انہوں نے بھی ان کو روکنے ٹوکنے کا کبھی حوصلہ نہ کیا بلکہ دانستہ وغیر دانستہ ان کے وکیل اور آلۂ کار ہی رہے۔

بتایا جاتا ہے کہ ڈراما اپنی ابتدا میں (اور بہت بعد تک) منظوم ہی رہا ہے۔ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اصناف میں شاعری ہمیشہ پر کشش رہی ہے۔ زبان کی خوبیاں بیشتر شاعرانہ ہیں۔ شاعری کی قدر و قیمت ہر عہد میں زیادہ تر رہی ہے وغیرہ وغیرہ۔ ایسے خوبصورت تخیلی دعوے بہت ملتے ہیں لیکن دوسری صنفوں سے اس کا تجزیاتی و تحلیلی مقابلہ کہیں نہیں ملتا۔ کیوں کہ بعض صنفوں کے مقابلے شاعری بلا مقابلہ رہی ہے۔ ظاہر ہے، دینیات، عمرانیات، سائنس، ٹکنالوجی، تواریخ، سیاسیات، سماجیات، نظامیات وغیرہ سے جن کی ہیئت بالعموم نثر کی ہیئت ہوتی ہے، شاعری کا کوئی مقابلہ نہیں۔ پھر بھی اس خیالی پلاؤ کو اگر تسلیم کرنا ہی ہو کہ شاعری مثل حور ہے تو اردو میں اس فرق کے ساتھ کہ اردو کے دانشور اور شاعر اکثر ڈراما نگار نہیں ہوئے جب کے یونانی، یورپی، ہند آریائی وغیرہ کے بیشتر فلسفی و دانشور و شاعر کم وبیش ڈراما نگار ضرور ہوئے ہیں۔ اسی لئے اردو میں ڈراما بھی شاعرانہ ہی ہو، یہ میری نگاہ میں بھی احسن ہے۔ البتہ جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا یہی بات سنسکرت میں دوسری طرح سے مشہور ہے کہ کاویوں میں ناٹک ہی افضل ترین ہے۔

काव्येषु नाटंक रम्यम

یہ مسلمہ بعض قوموں اور ممالک کیلئے بشمول ہندوستان، تہذیبی بھی ہے۔ ظاہر ہے، یہاں شاعری سے مراد تک بندی نہیں ہے بلکہ شاعرانہ خصائص ہیں۔ لیکن معاملہ یہ ہے کہ ڈراما میں شاعری کے اعلیٰ اوصاف ہوں اس کیلئے بھی اس کا ادبی ہونا اور اس سے بڑھ کر اس کا بے اسٹیج ہونا لازمی ہے۔ اشاراتی وعلاماتی واستعاراتی ورمزیاتی انتہاؤں کے انجذاب کو بھی خالص ادبیت ہی لازم ہے۔ چنانچہ کسی ''حالیہ'' میں شاعری کی جملہ خوبیاں، فکشن کے اوصاف، تنقید کی تحلیل یا تحقیق کی گہرائی غرض حسنِ اصناف اگر حسنِ حالیہ کے بطور وہاں ہے تو جیسی ایک حیثیت شاعری کی ہے ویسی کئی حیثیتیں ''حالیہ'' میں موجود ہوتی ہیں۔ ''حالیہ'' میں تصور کامل ہے اور تصورِ کامل کی موجودگی میں ''حالیہ'' کی عظیم ہمہ جہتی بدرجہا سہل الحصول ہے۔ کیوں تصور ماورائے فنون بھی ہے، اندرون فنون بھی، برائے فنون بھی ہے، مقتضائے فنون بھی اور تصور بنیاد فنون بھی ہے۔ تصور میں عمل تو ہے ہی توصیف عمل بھی ہے۔۔۔ فرض کیجئے کہ تصور میں سب کچھ ہو رہا ہے مگر ظاہری طور پر نہیں یا ظاہری عمل میں نہیں۔ تو ثابت ہوا کہ تصور عمل سے قبل کی چیز ہے۔ یعنی تصور اول، عمل ثانی (؟) مگر جب ہم غور کرتے ہیں کہ خود تصور کیا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ ایک عمل اور اسی عملی معنی میں ایک ڈراما۔ یعنی تصور بعض معنوں میں عمل سے اول و افضل ہونے کے باوجود اپنے متصور ہونے میں مشترکہ عمل ہی ہے۔ یعنی جس کے بارے میں تصور کیا گیا، جو کچھ تصور کیا گیا اور جس کے ذریعہ متصور ہوا، عملِ مشترکہ کے معنی میں عناصر تصور ہی ثابت ہوتے ہیں۔ چناچہ تصوراتی ڈرامے اپنے تمام عناصر خواہ عمل میں خواہ تصور میں از خود موجود اور ماقبل ہوتے ہیں۔ انہیں نیرنگ خانوں میں بانٹ کر دیکھیں یا اکائی میں کوئی فرق نہیں پڑتا مثلاً ۔۔ لامسہ، شامہ، ، باصرہ، سامعہ، اور ذائقہ وغیرہ کے مرئی اور غیر مرئی کمالات، کائنات کی ہر شئے، ہر کیفیت، ہیئت، حالت،

صورت، بے صورتی یہاں تک کہ لایعنیت و مہملیت ولا وجودیت بھی عظیم ترین تصور۔ کے اجزاء ہیں اور اپنے آپ میں مکمل تصوراتی ڈرامے بھی۔ غور کرنے کا مقام ہے کہ تصوراتی ڈراما کے اجزاء واقسام کتنے لامحدود ہیں۔۔۔(۲) تصور کے اسکرین سے بڑا اور کامل پوری کائنات میں کہیں کوئی اسکرین واسٹیج نہیں ہے۔ اسی لئے یا اسی معنی میں ڈراما فرض کرنے کی چیز بھی ہے اور تصور کرنے کی چیز بھی۔ اپنے Drametic stream میں ذہن سے دیکھنے والی بھی، ذہن کو دکھانے والی بھی۔ لامحدود بھی، لامختتم بھی۔" (غزل زمین میں تمثیل از مبین صدیقی)

اندازہ کیجئے کہ تصور کی دنیا کتنی وسیع وعریض ہے۔ جس قدر میں بیان کر رہا ہوں اس سے کہیں زیادہ۔ تصور یعنی منبع رمزیات، تصور یعنی منبع علامات واستعارات، تصور یعنی منبع مجموعات اور سرچشمۂ کائنات از اول تا آخر جاری وساری! حیرت ہے کہ اس تصور کو لغات نے سرف خیال، شکل، تصویر، نمائندگی یا ترجمانی بتا کر تمام کر دیا ہے۔

"تصور" کو متذکرہ تازہ ترین / جدید ترین طور پر رائج کرنے کی ضرورت ہے۔ چنانچہ سب سے پہلے میں اپنی پہلی تصنیف "سائنٹسٹ" (مطبوعہ۔ علم وادب پبلی کیشنز، پٹنہ، ۱۹۹۸ء) میں "اسٹیج" کے لفظ کی جگہ "تصور" کو رکھنے کا اعلان کرتا ہوں۔ حالیوں کا دوسرا مجموعہ جس میں سائنٹسٹ بھی شامل ہے، 'سحر مبین' (مطبوعہ۔ ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، ۲۰۰۰ء) ہے، جس میں جدید تصورات اور حالیوں کی بدرجہا بڑی نمائندگی کی کاوش کی گئی ہے۔ میں نے "غزل زمین میں تمثیل" میں عرض کیا تھا کہ ڈراما یا ناٹک، اسٹیج یا منچ جیسے الفاظ کا بدل بھی ہماری بنیادی ضرورت ہے۔ آج میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ اسٹیج یا منچ کے بدل کے طور پر "تصور" سے بہتر لفظ میری ناقص دریافت میں نہیں ہے اور جیسے "حالیوں" کا میں خواہاں ہوں خصوصاً ان کے لئے ہر نقطۂ نگاہ سے "تصور" مثلِ آب حیات ہے۔ تصور کی اس نئی تعریف کے بعد ظاہر ہے، "حالیہ" کے

نئے قاعدے بھی سر اٹھائیں گے۔ تو ان کی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے نئے قاعدوں پر بھی کلام کیا جا رہا ہے۔

میں نے کہا ''تصور'' کی نئی تعریف کے بعد ''حالیہ کے لئے نئے قاعدے یا اجزائے ترکیبی کا تشکیلی اظہار بھی ضروری ہے۔ یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ قاعدے، فن پاروں کے ساتھ از خود آتے ہیں یا فن اپنے ساتھ اپنے قاعدے بھی لاتا ہی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

''نئی آمد اپنے ساتھ جو خداداد اور عظیم نشانیاں لاتی ہے جدت کے ستر پردوں میں ملبوس کر کے بھی انہیں قدیم ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ یہ امر بھی مسلم الثبوت ہے کہ ادبِ عظیم کے بطن سے ہمیشہ نئے معانی، نئی اصطلاحیں، نئی تعریفیں اور نئے زاویے روشن ہوتے ہیں۔ پہلی نظر میں یہ چیزیں اجنبیت اور بے توجہی حتیٰ کہ شدید مخالفت کا شکار بھی ہو سکتی ہیں لیکن رفتہ رفتہ ان کا رنگ غالب آ ہی جاتا ہے۔ پھر ان غالب رنگوں کے فیض سے نئی تنقید، نئی بوطیقا (نیا قاعدہ) اور اس کا نیا جہان وجود پذیر ہوتا ہے اور پھر انہیں رنگوں کے صدقے کتنے ہی لوگ بلبل تنقید بن کر چہکنے لگتے ہیں۔ بہ ایں ہمہ۔۔۔ ادبِ عظیم کا عالم اس ماورا کی طرح ہوتا ہے جو تعریف یا تنقیص کے برہنا ستروں کو موتیوں کی مالا بنا کر اپنے گلے میں ڈالتا اور ہنوز بلند اور ہنوز گہرا محسوس ہوتا چلا جاتا ہے۔ حالانکہ وہ بے نیاز جب چاہے تعریف یا تنقیص میں سے کسی کو بھی اپنے قدموں میں مخملی قالین کی مانند بچھا سکتا ہے۔'' (غزل زمین میں تمثیل از مبین صدیقی)

عرض کیا گیا کہ ہر قاعدہ اپنے فن کے ساتھ آتا ہے اور ہر نیا قاعدہ اپنے نئے فن کو ہی زیب دیتا ہے اگرچہ کسی قاعدہ کو قاعدۂ آخر بھی نہیں کہا جا سکتا مگر ہر قاعدہ اپنے فن کے ذریعہ خود کو رائج بھی کرا لیتا ہے۔ یہاں ''رائج'' سے مراد عام ہونا یا عام کرنا ہی نہیں بلکہ موجود و مخصوص ہونا بھی ہے۔ مثلاً مشکل اسلوب کے سبب بہت سے لکھنے والے کی تفہیم و

ترسیل وتقلید انتہائی مشکل ہوتی ہے اور متعلقہ اسلوب کی تفہیم وتقلید عام نہیں ہو پاتی۔ اس کے باوجود انہیں ممتاز و منفرد محسوس ہی نہیں تسلیم بھی کیا جاتا ہے۔ چنانچہ اپنے ''حالیوں'' کے واسطے بعض ''نئے قاعدے'' اور ''اجزائے ترکیبی'' ذیل میں پیش کرتا ہوں۔

(۱) پلاٹ کو یک رخا یا محدود نہیں ہونا چاہئے یعنی ہمہ جہت اور وسیع ہونا چاہئے اور اسی قدر واقعہ کو حقیقی یا قرین قیاس ہی نہیں بلکہ بعید از قیاس یا انکشافی بھی ہونا چاہئے۔

(۲) کردار کو انسانی ہی نہیں بلکہ غیر انسانی یعنی مخلوقاتی و موجوداتی بھی ہونا چاہئے۔ مثلاً ہری کونپلیں، شعلے، راکھ کے ڈھیر، بارش، طوفان، روشنی، تاریکی، صحرا، سمندر، درخت، میزائل، شمس وقمر وغیرہ۔ اسی طرح اداکاری یا ہمہ شکل اداکاری کو غیر متوقع یا محیر العقول بھی ہونا چاہئے اور ادائے خاص کا خاصہ یہ ہونا چاہئے کہ اس سے ''تصور'' کا پہلا پن ادا ہو جائے۔

(۳) مناظر میں کردار و مکالمہ کا احساس ہونا چاہئے۔ مناظر حیرت انگیز ہوں اور حسرت انگیز بھی۔ انہیں سحر انگیز ہونا چاہئے اور فطرت انگیز بھی۔ مناظر کی عظمت یہ ہے کہ ان کی بہترین ترتیب محض سے تصور، تصور کامل اور تصور عظیم کی تکمیل وقوع پذیر ہونے لگتی ہے۔ روشنی، تاریکی اور رنگوں کے امتزاج میں ایسی کدو کاوش ہونی چاہئے کہ دیگر اشیاء میں ویسا اختلاط و امتزاج تقریباً محال ہو جائے۔

(۴) مکالمہ کے لئے بہتر ہے کہ اس کی شان شاعرانہ ہو، حکیمانہ ہو، ادیبانہ ہو، دانشورانہ و فلسفیانہ ہو۔ مکالمہ کی حیثیت یہ ہے کہ بشمول سکوت کائنات میں سب کچھ مکالمہ ہی معلوم ہو۔ کیوں کہ خود سکوت بھی ایک عظیم منبعٔ مکالمہ ہی ہے۔ مکالمہ یا علامتِ مکالمہ میں موسیقی کو تجریدی واختراعی بھی ہونا چاہئے۔

(۵) تصادم کی اہمیت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ اس کی لہریں آخر تک ''حالیہ'' کی رگ وپے میں کوندتی رہتی ہیں۔ تصادم نہ ہو تو الفاظ اکہرے پن کا شکار

ہو جائیں۔ مثلاً لفظ سادہ سے جو سادگی ظاہر ہوتی ہے وہ غیر سادگی کی ضد ہے۔ اس طرح سادہ کے پس پردہ غیر سادگی کا تصادم موجود رہنا چاہئے۔ تصادم کی یہ غیر واضح اور باریک بیں سطح ہے۔ لفظ سادہ یا سادگی کے مقابلے میں جنگ، انکار، شور، وغیرہ میں تصادم کی کارفرمائی واضح اور شدید ہے۔

(۶) ابتدا و انتہا و اختتام کے بارے میں مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ یہ تصور کے مرکزی حوالے ہیں۔ ابتدا کہہ کے انتہا مراد لے سکتے ہیں اور اختتام بھی۔ مثلاً کوئی تصور شروع ہوتے ہی ختم ہو سکتا ہے یا چند لمحوں کے بعد۔ اس کا حجم دو چار لفظوں کا بھی ہو سکتا ہے اور مناسب ہو تو ایک لفظ بھی کافی ہے۔ اسی طرح لفظی اختتام کے باوجود ہم کہہ سکتے ہیں کہ جاری ابھی جاری ہے۔ اس ضمن میں خاص الخاص چیلنج یہ بھی ہے کہ (اب تک کی روایت کے برخلاف) فن پارہ رحالیہ اپنے انجام سے بھی شروع ہو کر آغاز پر اختتام کا احساس دلا سکے۔ اسی طرح نقطہ عروج، ابتداء و انتہا کے ''درمیان'' کی چیز نہ ہو کر ابتدا و انتہا میں سے کہیں بھی وجود پذیر ہو کر کہیں بھی ختم ہو سکتا ہے۔ (مثلاً ملاحظہ فرمائیں حالیہ ''چشم نوخیز'' اور ''شاہکار آمد'')

(۷) کرداروں کا نام نہاد تعارف (جیسا کہ رسم ہے) پیش کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اسلوب ہی اس پر دال اور فیصل رہے۔ اجزائے ترکیبی کے امتیازات کا تعین بھی اسلوب ہی کے حوالے ہو۔ حالیہ، نثر یا شاعری کسی بھی ہیئت میں ہو سکتا ہے اور بیک وقت کئی ہیئتوں میں۔ تصورات کی عکاسی حال کے صیغے میں اس طرح ہو کہ ڈرامائی عمل (مخصوص عکسِ اہتمامِ عمل) کی عکاسی بنیادی طور پر حال ہی میں واقع ہو۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ حالیہ تاریخی نہیں ہو سکتا یا مستقبل کی پیش کش یا پیشن گوئی اس میں نہ ہوگی۔ موضوع کے مطابق حالیہ کبھی بھی ہو سکتا ہے مگر ہیئتی لحاظ سے اسے قطعی طور پر حال ہی میں ہونا چاہئے۔ یعنی حالیہ میں ماضی بھی حال بن کر آئے اور مستقبل بھی حال ہی کی صورت

پیش ہو۔

''تصور''، جس طرح اسٹیج کے مناسب ترین بدل کے طور پر بھی پیش کیا گیا، لفظ ''ڈراما رناٹک'' کے بدل کے طور پر بھی ''حالیہ'' کو پیش کیا جارہا ہے۔ اصطلاحوں میں ایک لفظ ''تمثیل'' ہے۔ مگر اپنی محدود معنویت کے سبب یہ تصورِ کامل کا متحمل نہیں ہے۔ اسی طرح ہندی میں ''روپک'' کے متعدد روپ ہیں، مختلف زبانوں بشمول اردو و ہندی میں الگ الگ ناموں سے خاصے تجربے بھی ہوئے ہیں۔ سب کو ملا کر بھی ان پر حالیہ کا مکمل اطلاق مشکل ہے۔ چنانچہ بہت غور و فکر کے بعد لفظ ''حالیہ'' کا انتخاب کیا گیا ہے، جو انشاء اللہ جاری و ساری رہے گا۔ تصور کے ضمن میں عرض کر چکا ہوں کہ ادب، پرنٹ اور دیگر میڈیا کے علاوہ الیکٹرانک میڈیا کے تمام شعبوں میں بھی اس کا تعاون ناگزیر ہے۔ تصور کی صدفی صد عکاسی و ادائیگی کسی بھی میڈیا کے لئے اگر چہ ناممکن ہے مگر اس کی خوب از خوب نمائش میں میڈیاز ایک دوسرے پر فوقیت رکھتی ہیں۔ اظہر من الشمس ہے کہ اردو میں ''حالیہ'' (بشمول تمام حالیائی اجزا) کا وجود اور اسکی ایجاد و اختراع اسٹیج ڈراما کا بہترین نعم البدل ہے۔ البتہ اگر کوئی باکمال حالیہ نگار/اسٹیج کار ''حالیوں'' کو اسٹیج کرنا چاہے تو بدقت تمام اسٹیج بھی کر سکتا ہے۔ دراصل، کسی ایک حالیہ کو بھی اسٹیج کرنا اسٹیج کی دنیا میں ایک اضافہ کرنے کے مصداق ہوگا۔

تصور کی جیسی تعریف اوپر وضع کی گئی اس کی روشنی میں آپ کہہ سکتے ہیں کہ تصور کی شعریات کا اطلاق کسی ایک یا مخصوص ذریعہ اظہار و ابلاغ پر نہیں بلکہ تمام ذرائع اظہار و ابلاغ پر ہوتا ہے۔ اور ''حالیہ'' بے شک تصور کا افضل ترین نمائندہ ہے۔ ''حالیہ'' سنسنی خیز ہے، تہلکہ انگیز ہے۔ پر سکوت و بے نیاز اور بسیط و عمیق و متین ہے۔ اس کی ہمہ وصفی و ہمہ رنگی بے نظیر و جہانگیر ہے اور چوں کہ ذہن و قلب و نگاہ میں یہ وجود کی مانند پنہاں و رقصاں ہے۔ چنانچہ مجموعۂ فنون کا اعزاز بھی ''حالیہ'' ہی کو سونپتا ہوں۔ اب جس طرح شاعری

ونثر وغیرہ اجزائے حالیہ قرار پاتے ہیں اسی طرح ترقی یافتہ میڈیا کی جدید ترین تمام شکلیں بھی اجزائے حالیہ ہی قرار پاتی ہیں۔

عام طور پر ہوتا یہ ہے کہ ہمارے ادبا وفن کار جس چیز کا دعوٰی کرتے ہیں عملاً اسکی فنکارانہ مثال پیش نہیں کرتے بلکہ جیسی مثالیں پیش کرتے ہیں وہ ان کے دعووں کو پایۂ ثبوت تک پہنچانے میں مانع ومتضاد ثابت ہوتی ہیں۔ اس عام صورت حال بلکہ روایت کی بجائے (برعکس) حالیوں کی ایجاد واختراع کے بین بین جدید حالیائی فن پاروں کی منفرد شناخت اور ضرورت وجواز کو ثابت کرنے کی غرض سے اس مدلل ومفصل بیان کو بطور مقالہ پیش کیا گیا ہے۔ اگرچہ اس ضمن میں اس سے قبل بھی لکھتا رہا ہوں لیکن اس وقت اس مقالہ کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ قارئین زیادہ سے زیادہ مکمل طور پر اس سے استفادہ حاصل کرسکیں۔ چونکہ ادب میں یہ غلط فہمی بھی عام رہی ہے کہ ایک فن کار بالخصوص اپنے فن کے متعلق بہت کم جانتا ہے۔ ایک دانشور رنظریہ ساز رنقاد کی طرح اپنے افکاروفنون کی تفہیم و تشریح نہیں کرسکتا۔ وہ قادر الکلام یا ماہر فن تو ہوسکتا ہے مگر نظری تنقید اس کے بس میں نہیں ہوتی۔ یعنی فن کار کا عجز بیان اور اسکی لاعلمی مشہور زمانہ رہی ہے۔ پس میں نے اپنے طور پر یہ ادنیٰ سی کوشش کی ہے کہ لوگ خوب جان لیں کہ اس غلط فہمی کا اطلاق وانطباق تمام فن کاروں پر نہیں ہوسکتا کیوں فن کار فی الاصل اپنے فن کا اولین نظریہ ساز اور اولین پارکھ وناقد بھی ہوتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ اس کی نظر یا نظریہ یا فن واسلوب کے بارے میں اس سے زیادہ شاید ہی کوئی جان سکتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ اسے بیان کرنے یا جتانے میں گریز کرسکتا ہے، بے نیاز ہوسکتا ہے، لاپرواہ اور کوتاہ ہوسکتا ہے۔ لیکن ہمارے زمانے کے جو فن کار اپنی فکر اور فن کے بارے میں بے باکی اختیار کرتے ہیں، بالخصوص کوئی دعویٰ (محض دعوٰی) پیش کرتے ہیں انہیں چاہئے کہ عملی طور پر اسکی دلیل (فنکارانہ ثبوت) بھی پیش کریں۔ پھر متعلقہ دلائل اور اپنے دعووں میں تطابق کیلئے علمی ومنطقی طریقہ اختیار کرتے ہوئے اسکی تنقید

وتفسیر بھی پیش کریں۔ اس تناظر میں بھی مقالہ ''حالیہ کی شعریات'' ایک غیر معمولی نظری مقدمہ، نظری فلسفہ، تھیوری، کانسپٹ اور ایک یادگار سبق کی یادگار حیثیت رکھتا ہے۔

بالآخر اس کامل اکسیری مقالہ (مقدمہ) کے چند نکتے برائے یادداشت درج کئے جاتے ہیں:۔

نظریۂ اصل ونقل

(۱) کائنات کی تمام نقلیں ایک ہی اصل کا حصہ ہیں نہ یہ کہ دنیا کی تمام چیزیں نقل ہیں، جیسا کہ قدیم فلاسفہ سمجھتے تھے۔

(۲) بے شک، فنون نقل حقیقت ہیں۔ لیکن ہم کہہ سکتے ہیں کہ فنون وہ نقل حقیقت ہیں جو حقیقت ازلی میں شامل اور اس کا حصہ ہونے کے سبب عناصر حقیقت بھی ہیں۔

(۳) اختراعی وانکشافی تصور ہی نقل کی اصل ہے اور تصور کا پہلا پن ہی مابعد نقلوں یا تمام نقلوں کی اصل اور سرچشمہ ہے۔

(۴) نقل کی اصل حیثیت بالآخر یا بہر طور نقل ہی ہے۔ کیونکہ اصل کے موجود ہوتے ہی یا اصل کی موجودگی میں نقل کی تمام حیثیتیں ازخود ختم یا معدوم یا ثانوی ہو جاتی ہیں۔ یہ امر بھی ناممکن ہے کہ بہترین یا ترقی یافتہ نقل کبھی اصل کا درجہ حاصل کرلے۔

(۵) تمام موجودات میں اصل ونقل اور حقیقت ووہم کا باریک ترین امتزاج پایا جاتا ہے۔

نظریۂ تصور

(۱) تصور کسی بھی میڈیا کی بنیاد ہے۔

(۲) تصور منبعٔ رمزیات، منبع مجموعات، سرچشمۂ کائنات ازاول تا آخر جاری وساری ہے۔

(۳) تصور کے اسکرین سے بڑا اور کامل پوری کائنات میں کہیں کوئی اسکرین واسٹیج نہیں ہے۔

(۴) کائنات کی تمام حقیقتوں میں، امور میں، اشیاء میں، کاوشوں، کارناموں یا نقل و

فنون کی جڑ میں تصور یا کسی تصور کی کوئی جہت ضرور کارفرما ہے۔

(۵) کائنات بذات خود ایک تصور ہے۔ اور بہ ایں معنی تصور محض ایک خیال نہیں رہ جاتا جیسا کہ لغات میں مذکور ہے بلکہ یہ اصلِ عزم وعمل اور اصلِ اسرار وامکانات کی بے شمار ولامحدود منزلوں سے گذرتا ہوا ازخود تحریکِ کل اور کارنامۂ عظیم بن جاتا ہے۔

نظریۂ تصوراتی ڈراما

(۱) جس طرح لفظی بنیادوں پر دیگر اصناف اور کائنات کی تمام چیزیں سرتاپا تسلیم کی جاتی ہیں ڈراما بھی تصور شدہ اور تسلیم شدہ ہے۔ البتہ ایسے ڈراما کو ''اسٹیج ڈراما'' کے نام سے یکسر مختلف ''تصوراتی ڈراما'' کے نام سے مشہور کیا جانا چاہیے۔

(۳) لوگوں کی بصیرت، عقل ودانش اور دماغ کو اسٹیج تسلیم کیا جائے اور حسب موقع و محل پوری کائنات کو اسٹیج اور کائنات کی ہر شئے کو ''کردار'' تسلیم کیا جائے۔

(۳) کائناتی ڈراما ہی تصوراتی ڈراما ہے اور تصوراتی ڈراما غیر اسٹیجی ڈراما ہے۔ اس کا تعلق کسی بھی طرح مروجہ اسٹیج سے نہیں بلکہ خالصتاً تصور وادب سے ہے۔ Non-stage

(۴) چوں کہ ڈراما کیلئے مروجہ اسٹیج آج کے بعد لازمی نہیں رہا بلکہ اختیاری یا فرضی ہوگیا ہے اور ہمارے لئے مروجہ اسٹیج کی اختیاریت یا فرضیت غیر لازمی ثابت ہوچکی ہے۔ چنانچہ آج کے بعد مروجہ اسٹیج اور اسکی لازمیت کو ہمیشہ کے لیۓ منسوخ سمجھنا چاہئے۔

(۵) مروجہ اسٹیج کی تردید کرتے ہوئے بطور نعم البدل ''تصور'' کو وضع کیا گیا ہے اور اسٹیج ڈراما کے ردوبدل کے بطور ''تصوراتی ڈراما (حالیائی ڈراما) کو قائم کیا گیا ہے۔ ''حالیہ'' کا سرچشمہ تصور ہے۔ چنانچہ ''تصور'' کو اسٹیج کے بجائے بھی مستعمل سمجھنا چاہئے۔ مثلاً ''اسٹیج پر باغات'' کی بجائے ''تصور میں باغات''۔ جہاں ایک سے زائد منچوں کا ذکر مقصود ہو وہاں تصور کے ایک سے زائد گوشے مذکور ہوں گے۔ اسی طرح اسٹیج کے ایک

گوشہ کی جگہ تصور کا ایک گوشہ لکھا جائیگا۔

(۶) تصوراتی ڈراما کو بے شک اس لئے وضع کیا گیا کہ اس سے غیر اسٹیجی یا خالص ادبی وتحریری ڈراما کا نظریہ بحال اور روشن تر ہو سکے اور وسیع المفہوم ''تصور'' کی بے پناہ وسعت، اہمیت، افادیت اور نیرنگی کا زیادہ سے زیادہ اظہار اور بڑا سے بڑا استعمال ثابت ہو سکے۔

(۷) زمانۂ حال کے اس اسلوب میں تصوراتی ہی سہی صرف ڈراما نہیں ہے۔ مگر یہ ضرور ہے کہ تصوراتی ڈراما کو بشرطِ زمانۂ حال ہی ہونا ہے۔ چونکہ اسے صرف زمانۂ حال ہی میں ہونا ہے جبکہ ''تصور'' مختلف زمانوں میں ہو سکتا ہے اس لئے اس ''تصوراتی ڈراما'' کو ''حالیائی ڈراما'' بھی نہیں بلکہ صرف ''حالیہ'' ہی کہنا مناسب ہے۔ اسکی یہی معنویت اس کی شناخت اور انفرادیت ہے جو اسے دوسروں سے ممیز وممتاز کرتی ہے۔

نظریۂ حالیہ

(۱) ایک ایسی واقعاتی صنف جو ادب میں اسٹیج کا نعم البدل بھی ہو اور جس میں چیزیں زندہ ومتحرک محسوس ہوں۔

(۲) ایک ایسی صنف جس میں انسانوں یا حیوانوں کی طرح دیگر مخلوقات یعنی جانداروں کے علاوہ غیر ذی روحوں اور مظاہر فطرت مثلاً سورج، چاند، ستارے، درخت، سمندر، ہوا، طوفان، پانی، بارش، روشنی، تاریکی، آوازیں، احساسات وکیفیات وغیرہ کو بنیادی اور کلیدی کردار کی حیثیت حاصل ہو سکے۔

(۳) ایک ایسی صنف جس میں تمام اصناف کا امتزاج بھی حسب ضرورت ممکن ہو مگر صنف واحد بھی جہاں زمانۂ حال ہی میں واقع ہو۔ چنانچہ ماضی ومستقبل کو بھی زمانۂ حال میں پیش کرنے والے ''حالیہ'' کی ایک ہیئت کے اندر مختلف ومتعدد ہیئتوں کا انضمام ہو

سکتا ہے۔

(۴) ''حالیہ'' کیلئے اجزائے ترکیبی حالیائی روشنی میں طے ہوں گے۔ حالیہ کی اجزائے ترکیبی اندرون مقالہ ملاحظہ فرمائیں اور ذہن نشیں رکھیں کہ وہ حال جو جدید ترین حالات کا نچوڑ ہو اور جس کا اسلوب باریک ترین کیفیات کا محلول ہو، ''حالیہ'' ہے۔

(۵) ''حالیہ'' اپنی انتہائی منفرد خاصیت (Specialization) کے ساتھ سرچشمۂ اصناف رمجموعۂ اصناف ، سرچشمۂ فنون رمجموعۂ فنون، مجموعۂ علوم اور مجموعۂ اعمال بھی ہے۔

(۶) ''حالیہ'' کا جواز دیگر اصناف مثلاً مروجہ شاعری یا روایتی افسانہ وغیرہ کے جواز سے بہت زیادہ ہے۔

(۷) ''حالیہ'' طویل ترین ہوسکتا ہے اور محض چند الفاظ پر مبنی بھی حتیٰ کہ ایک جملہ بھی اس کے لئے کافی وشافی ہے مثلاً طویل ترین حالیہ ''سحر مبین'' اور یک جملہ حالیہ ''رنگ ہائے کیف'' وغیرہ۔ و ما علینا الا البلاغ!

☆☆☆

مقدمۂ دوم

”حالیہ“ کی ایجاد

کسی قوم کی تنزلی کے اسباب اگر یہ ہوں کہ وہ فنی طور پر قدامت و روایت کی اسیر ہو جائے اور فکری لحاظ سے اس کے خیالات سطحی و بازاری ہو جائیں تو یقیناً اس قوم کی ترقی کے اسباب یہ ہوں گے کہ تفکراتی سطح پر وہ بلند افکار اور فنکارانہ طور پر ندرت پسند، جدت پسند، اجتہاد پسند اور ایجادات پسند ہو جائے۔

جہاں تک اختراعِ ”حالیہ“ کی بات ہے، مظاہر قدرت اور مناظر فطرت کے مشترکہ اثرات کو جس طرح میں نے اپنے اندر جذب کیا، اس جذب و انجذاب اور کشف انکشاف کے نتیجے میں جو طرز فکر اور اسلوب نگارش پیدا ہوا، اسی نے میرے حالیوں کو وجود بخشا۔ اور اس طرح ،سب سے پہلا حالیہ ”ہری کونپلیں“ ماہنامہ شاعر ممبئی میں پہلی بار جون ۱۹۹۱ء کے شمارہ میں شائع ہو سکا۔ آیئے، ذرا اسکی تفصیل میں چلتے ہیں۔

اس میں کوئی مبالغہ نہیں کہ ابتدا ہی سے قدرتی مناظر و مظاہر میں میری گہری دلچسپی رہی ہے۔ یہاں تک کہ یہ میرے مزاج کا حصہ بن گئے ۔ بچپن ہی سے یہ میرے دل ،دماغ اور روح کی گہرائیوں میں اترتے، مجھے حیران و پریشان کرتے، میرے شوق و تجسس کو گدگداتے اور طبیعت کو گہراتے رہے ہیں ۔ مجھے یاد ہے ،میرے محلّہ قلعہ گھاٹ (شہر دربھنگہ) سے ہو کر ایک ندی باغ متی گذرتی ہے۔ جس میں نہانے کے

بہانے کئی کئی گھنٹوں اور کبھی پورے پورے دن ندی میں، ندی کے کنارے آم کے باغات اور متصل کھیتوں میں گھوما کرتا۔ ندی میں تیرتے ہوئے ندی کی ہیئت اور ہیبت سے لطف اندوز ہونا میرا پرانا مشغلہ تھا۔ کبھی سانس روکے رکھنے کے چکر میں ندی کی گہرائیوں میں اتر کر، آنکھیں کھول کھول کر پانی کے اندر کی عجیب عجیب چیزوں کو دیکھنے، سمجھنے، محسوس کرنے اور محظوظ ہونے کی کوششیں کرتا۔ اسی طرح، ندی کی لہروں پر کھیلنا، اس کے اچھلتے مچلتے پانی سے مکالمہ کرنا، جی ہاں، ندی سے مکالمہ کرنے کی دیوانگی بھی اچھی لگتی تھی ۔ کبھی تنہائیوں میں آم، لیچی، کھجور، امرود، املی، پپیتا، پیپل اور برگد وغیرہ کے درختوں سے، کبھی سورج اور اس کی تپش سے، کبھی اڑتے بادلوں اور برسات سے، کبھی ہواؤں سے، برف سے، کہاسہ اور شبنم سے ،کبھی فجر کے فرحت بخش خوشگوار روحانی لمحوں سے، کبھی رنگ برنگی چہچہاتی چڑیوں سے تو کبھی سکوت اور سناٹوں سے، رات کی گہری گہری تاریکیوں سے، آسمان کے حیرت ناک نظاروں سے، جگنو، چاند، ستاروں سے چپکے چپکے گفتگو کرنا، پہروں محو گفتگو رہنا اور انکی ہزارہا کیفیات کو روح کی گہرائیوں تک محسوس کرنا مجھے عزیز رہا ہے۔ مختصر یہ کہ شروع ہی سے میں فطرت کا دیوانہ قدرت پر فریفتہ رہا ہوں۔ لوگ اپنی کتاب کا انتساب اپنے عزیز و اقارب کے نام کرتے ہیں۔ میں نے اپنی پہلی کتاب ''سائنٹسٹ'' کو ایک سائنٹسٹ ''بوعلی سینا کے نام'' دوسری کتاب ''سحر مبین'' کو ''قدرت کے نام'' کر رکھا ہے۔ اسی طرح پہلی کتاب سائنٹسٹ کے ابتدائی صفحہ پر قرآن پاک کی آیات کا یہ ترجمہ لگایا کہ ''اور کیا تم غور نہیں کرتے ہم نے تمہارے لئے زمین میں نشانیاں چھوڑ رکھی ہیں''۔ دوسری کتاب ''سحر مبین'' کے اولین صفحہ پر قرآن پاک ہی کی آیات کا یہ ترجمہ میں نے لگایا ہے کہ ''اللہ

جانتا ہے جو کچھ بندوں کے مابین اور جو کچھ ان سے پوشیدہ ہے، مگر اللہ کے علم میں سے کسی بھی شئے کا احاطہ ناممکن ہے سوائے اس کے کہ کسی چیز کا علم (جسقدر اللہ چاہے) خود ہی ان کو عطا کردے''۔ میری تیسری تنقیدی کتاب ''اکسیر'' ناقدِ اول الطاف حسین حالی کے نام منسوب ہے جس کے ابتدائی حصے پر حدیث کا یہ ترجمہ موجود ہے کہ ''اللہ تعالیٰ نے کوئی بیماری نازل نہیں کی مگر اس کے لئے شفا نازل کی ہے...... جانتا اس کو وہ ہے جس نے جانا ہے اور جس نے نہیں جانا وہ اسکو نہیں جانتا'' اسی طرح اپنی چوتھی کتاب ''ایجادات'' (۲۰۱۸ء) کا انتساب میں نے ''عجائبات کائنات کے موجد اعلیٰ وبالا کے نام'' کیا ہے۔ قدرت سے میری جو ذہنی قربت اور قلبی وابستگی رہی ہے اس کی ایک اور مثال ملاحظہ فرمائیں،

اب سے کوئی تیس سال پہلے کی بات ہے۔ ایک جمعہ کو میں سورۂ کہف اور سورۂ لقمان کی تلاوت کر رہا تھا، جب ان آیات تک پہونچا تو چونک کر مجھے ٹھہر جانا پڑا۔ ترجمہ ''کہہ دیجئے کہ اگر میرے رب کی باتوں کو لکھنے کیلئے سمندر سیاہی بن جائے تو وہ بھی میرے رب کی باتوں کے ختم ہونے سے پہلے ہی ختم ہو جائے گا، چاہے ہم اسی جیسا اور بھی اس کی مدد میں لے آئیں'' (سورۂ کہف) ''روئے زمین کے تمام درخت اگر قلم بن جائیں اور سمندر سیاہی بن جائیں اور ان کے بعد (انکی مدد میں) سات سمندر اور آجائیں تو بھی اللہ تعالیٰ کے کلمات ختم نہیں ہونگے'' (سورۂ لقمان)۔ اس کی تفسیر یہ ہے کہ دنیا بھر کے سارے درختوں کے قلم بن جائیں اور دنیا کے سارے کے سارے سمندر اگر سب کے سب سیاہی بن جائیں تو بھی سارے قلم گھس جائیں گے اور ساری سیاہی ختم ہو جائیگی مگر اللہ تبارک وتعالیٰ کے کلمات اور اس کی حکمتیں ضبط تحریر میں

نہیں آپائیں گی ، کیوں کہ رب تعالٰی کی تعریفیں اور بڑائیاں، علم و عرفان، تخلیق وصنعت کے عجائبات اور اس کی عظمت وجلالت کے مظاہر بے شمار کا شمار ناممکن ہے ۔یہاں سمندروں کا سیاہی میں بدلنا ،سیاہی شکل بن جانا اور درختوں کا قلم روپ ہونا، قلم کردار بن جانا میرے تصور وتخیل میں کئی روز تک جگمگاتا رہا جیسے کوئی خزانۂ غیبی مجھے عطا ہو گیا ہو ۔اگرچہ قرآن پاک میں بڑی تعداد میں ایسی آیات موجود ہیں، جن میں جانداروں بشمول زندہ ومردہ انسانوں اور قسم قسم کے جانوروں کے علاوہ چھوٹی بڑی تمام اشیائے موجودات وکائنات کے کچھ سے کچھ بن جانے ،نیست ونابود ہوجانے ،شکل وشناخت اور خصائل وخصائص کے تبدیل ہوجانے ،ساکت چیزوں کے متحرک ہواٹھنے، متحرک چیزوں کے منجمد ہوجانے ،خاموشی میں زبان پیدا ہونے اور شور انگیزی کے خاموش رہ جانے کے جیسے ایک سے بڑھ کر ایک سبق آموز اور عبرت ناک واقعات وسانحات کی کردار سازی کی گئی ہے۔آتش نمرود کا گل وگلزار میں بدل جانا،عصا کی ایک ضرب سے سمندر کا پھٹ جانا اور راستہ کی شکل اختیار کر لینا اور ان جیسے بڑے بڑے معجزات کے علاوہ بڑی تعداد میں ایسے ارشادات موجود ہیں جن کے اندر قدرت کی بیش بہا اور زبردست نشانیوں اور فطرت کی لامختتم گہرائیوں اور باریکیوں کے حیرت انگیز نمونے تو موجود ہیں ہی مظاہر فطرت کی حیرت انگیز کردار سازی کا عرفان بھی ملتا ہے۔مثلاً:

''قسم ہے رات کی جب وہ چلنے لگے'' (سورۂ الفجر) ''جب آسمان پھٹ جائے گا اور اپنے رب کے حکم پر کان لگائے گا'' (سورۂ انشقاق) ''اور

جب آسمان کی کھال اتار لی جائے گی" (سورۂ التکویر) وغیرہ۔ یہاں مجھے باادب ہو کر یہ عرض کرنا ہے کہ قرآن پاک کے اسالیب سے میں اس درجہ متاثر رہا ہوں کہ اسکے فیض کا مسلسل آرزومند اور تمنائی رہا ہوں ۔ہمیشہ دعا گو رہا ہوں۔اس کے باوجود حقیر اس لائق بھی نہیں کہ یہ کہہ سکے کہ اس کے ادنیٰ ترین اسلوب بیان میں اگر کچھ دلکشی ہے تو وہ اسی اعلیٰ وبالاترین سرچشمۂ اسالیب بیان کے ادنیٰ ترین عکس در عکس کا ادنیٰ ترین عکسِ محض ہی ہوسکتا ہے ۔اس لئے کہ فرمایا، پوری کائنات کو دیئے گئے علمِ کُل کی حیثیت بس اتنی ہی ہے کہ جتنی سوئی کی نوک پر سمندر سے اٹھایا گیا ایک بوند یا چڑیا کی چونچ میں سمندر سے لیا گیا ایک قطرہ۔اور یہ بھی فرمایا کہ دنیا کے تمام ماہرین زبان وادب ایک ساتھ سر جوڑ کر بھی قرآن پاک کی آیتوں کے جیسی کوئی ایک آیت بھی نہیں بنا سکتے ۔قرآن پاک کے علاوہ احادیث نبویؐ میں ایسے حیرت انگیز واقعات موجود ہیں جو غیر انسانی کردار سازی کے بہترین نمونے ہیں۔ مثلاً مسجد نبویؐ کے ستون کا (جو خرمے کے تنے کا ایک ستون تھا) بچوں کی طرح بلک بلک کر رونا اور آپؐ کا اس روتے بلکتے ستون کو سینے سے لگا کر چپ کرانا، پہاڑوں اور درختوں کا آپؐ کو سلام عرض کرنا، آپؐ کا دو درختوں کو حکم دے کر اپنے ساتھ ساتھ چلانا، درختوں کو آپس میں جوڑ دینا، پھر انہیں الگ الگ کر کے ان کی جگہ پر ان کو واپس بھیج دینا، آپؐ کا ایک درخت کے خوشۂ خرمہ کو بلانا، خوشۂ خرمہ کا درخت سے اتر کر آپؐ کے پاس آنا اور آپؐ کے حکم کے مطابق واپس لوٹ جانا، اسی طرح ابوجہل کی مٹھی میں بند کنکریوں کا کلمہ پڑھنا، کھانوں سے تسبیح کی آواز نکلنا اور تمام مخلوقات کا اللہ کی حمد وثنا بیان کرنا اور عبادت میں مشغول رہنا وغیرہ۔

میری اس مختصر تمہید کا مقصد یہ ہے اور میں عرض یہ کرنا چاہتا ہوں کہ حالیہ ٔ اول ''ہری کونپلیں'' کی اشاعت سے قبل میرا ذہن و تصور مناظر فطرت اور مظاہر قدرت کے گونا گوں تجربات سے گذر کر ایک خاص حالیائی سانچے میں ڈھل کر تیار ہو چکا تھا۔ جس کے عملی اظہار کا اولین نمونہ ''ہری کونپلیں'' ہے۔ لیکن اکثر اہل اردو کو اس کا احساس کم سے کم ہو سکا۔ جبکہ ایک غیر اردو داں نے نہ صرف اسے زیادہ سے زیادہ محسوس کیا بلکہ اس کا بیان بھی کیا۔ پروفیسر نکھلیش جنھوں نے میرے حالیوں کو ہندی میں پڑھا، لکھتے ہیں، ''......اور سب سے اہم بات یہ کہ آپ کے حالیوں کے کیریکٹر تو قدرت ہی کے نمائندے ہیں اور مجھے کہنے دیجئے کہ نیچر کو آپ نے جس نئ بصیرت سے دیکھا ہے کیا اس سے آپ New man of Nature نہیں معلوم ہوتے ؟؟''۔ ''ہری کونپلیں'' کے سات سال بعد یعنی اولین مجموعۂ حالیہ ''سائنٹسٹ'' کی اشاعت کے بعد بھی میں ان سوالوں سے نبرد آزما رہا کہ جب کردار کی ادائیگی اور اداکاری صرف انسان ہی کے رگ و پے میں نہیں بلکہ ہر ذرۂ کائنات، تمام اشیائے موجودات اور کُل جزئیاتِ مظاہر فطرت میں موجود و مخصوص ہے تو پھر صرف مروجہ اسٹیج ہی پر اور صرف انسان ہی کے ذریعہ سے اس کے اظہار پر دنیا اتنی بضد کیوں ہے؟ انسانوں کے علاوہ دنیا بھر کے جانداروں اور غیر جانداروں کو بھی ذریعہ اظہار و کردار کیوں نہیں سمجھتے، اور اگر سمجھتے ہیں تو اس پر ایمان کیوں نہیں لاتے؟ ایسے دقیق سوالوں سے ایک زمانے تک الجھتا رہا ہوں بلکہ اس سے متعلق مختلف اقسام کے اپنے انکشافات سے بھی نبرد آزما رہا ہوں۔ تو کیا واقعی اہل ادب کے درمیان بہت اکیلا اور بہت مختلف

ہوں؟ ایسے ہی کچھ پریشان کن سوالوں سے ایک دن گھرا ہوا تھا کہ اچانک میرے ذہن کے راڈار سے ایک مصرعہ ٹکرایا۔

سکوتِ لالہ وگل سے کلام پیدا کر

مَیں ایکدم سے ٹھٹک گیا۔ غور سے اس دیو قامت مصرعہ کی طرف دیکھا۔ صاف محسوس ہوا کہ یہ تو میرے دیرینہ انکشافات کی کھلی تائید کر رہا ہے۔ میرے دل کے سمندر میں ولولوں کا ایک طوفان برپا ہونے لگا تو رفتہ رفتہ کچھ اور اشعار بھی میری طرف پنکھ پھڑ پھڑانے لگے۔ جیسے جیسے وہ اشعار میرے قریب آتے رہے، محسوس ہوتا رہا کہ یہ تو سب کے سب دنیائے ادب کے مایۂ ناز شاعر علاّمہ محمد اقبالؔ کے خیالات ہیں۔ آپ بھی ملاحظہ فرمائیں ۔

دیارِ عشق میں اپنا مقام پیدا کر
نیا زمانہ نئے صبح و شام پیدا کر
اٹھا نہ شیشہ گرانِ فرنگ کے احساں
سفالِ ہند سے مینا و جام پیدا کر
مرا طریق امیری نہیں فقیری ہے
خودی نہ بیچ غریبی میں نام پیدا کر
خدا اگر دلِ فطرت شناس دے تجھ کو
سکوتِ لالۂ و گل سے کلام پید اکر

اب میں آپ کو بتاؤں کہ مذکورہ خیالات اور اس پائے کے دوسرے بہت سے خیالات جو خود میرے دل میں کسی پھول کی مانند کھلتے رہتے تھے، خیال کی حد تک تو بڑے سہل اور سحر آفریں معلوم ہوتے تھے مگر

سکوتِ واقعی کو زبان بخشنے اور لالہ وگل کو حقیقی کرداروں میں ڈھالنے کی تدبیر کرنا پہاڑ کاٹ کر دودھ کی نہر نکالنے سے کم نہ تھا۔ اس کے باوجود کہ یہ ایک کارزیاں ہی تھا۔ بڑے گھاٹے اور نقصان کا سودا۔ اس لئے کہ اس پہاڑتوڑ کارنامہ کے باوجود کسی قسم کا انعام واکرام نہیں ملنا تھا۔ ظاہر ہے ایسے کاموں کو صرف ایک مجاہد، ایک عاشق، ایک دیوانہ یا ایک فقیر ہی انجام تک پہنچا سکتا تھا۔ مَیں نہ مجاہد تھا، نہ عاشق، نہ دیوانہ، نہ فقیر۔ پس یہ کہ میری تقدیر میں نیرنگیٔ فطرت سے عشق، فطرت کی جلوہ سامانیوں سے عشق، قوتِ نموئے فطرت سے عشق، جی ہاں، قوتِ نموئے فطرت سے عشق لکھا جا چکا تھا۔ پس اسی لئے میں نے بھی اسی جنون بھرے اجتہاد اور اجتہاد بھری دیوانگی کو پسند کیا اور سمندر بھر سوچنے کے بعد قطرہ بھر لکھ کر ہمیشہ کے لئے مطمئن ہو گیا۔ اسطرح، پھولوں کے باغات، آہنی توپوں کی گھن گرج اور برسات کے کردار کے علاوہ آہنی توپوں کے سر پر پھوٹتی ہری کونپلوں کے ایک آفاقی کردار (universal Charactor) پر مبنی میرا پہلا حالیہ ''ہری کونپلیں'' شائع ہو سکا۔ اسی طرح، سمندر (کردار)، سورج (کردار) اور تاریکی (کردار) کے درمیان تصادم کے موضوع پر میرا دوسرا حالیہ ''اے مصور'' ماہنامہ آج کل (1992ء) دہلی میں شائع ہوا تو ماہنامہ شب خون الہ آباد میں ''پارس'' وغیرہ، سہ ماہی مباحثہ پٹنہ میں ''خاک شد'' وغیرہ اور دیگر رسائل مثلاً زبان وادب پٹنہ اور ایوان اردو دہلی وغیرہ میں کئی حالیے شائع ہوئے۔ اسی طرح، ۱۹۹۸ء میں حالیوں کا پہلا مجموعہ ''سائنٹسٹ'' ادارہ سہ ماہی علم وادب پٹنہ بہار سے تو ۲۰۰۴ء میں حالیوں کا دوسرا مجموعہ ''سحر مبین'' ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی سے شائع ہو کر منظر عام پر

آیا۔ رسالوں میں شاعر (مدیر، افتخار امام صدیقی)، شب خون (مدیر، شمس الرحمٰن فاروقی) اور مباحثہ (مدیر، وہاب اشرفی) نے میرے حالیوں کو خصوصیت کے ساتھ شائع کیا اور اپنے اداریوں میں ان کا خصوصی ذکر بھی کیا۔ جبکہ سہ ماہی مژگاں کلکتہ (مدیر، ڈاکٹر نوشاد مومن) نے اپنے ضخیم نمبر ''نئی نسل نیا ادب نمبر'' میں ایک نئی صنف حالیہ کے متعلق ایک الگ باب قائم کیا اور اداریہ میں بطور خاص اسکا تذکرہ کیا۔ اسی طرح رسالہ جہانِ اردو، دربھنگہ (مدیر، ڈاکٹر مشتاق احمد، ''جہان اردو'' اکتوبر ۴ء تا مارچ ۵ء) نے بھی اپنے ''خصوصی مطالعہ'' کے تحت میرے حالیوں کو شائع کیا اور اداریہ میں نئی صنف کے طور پر حالیہ کا تعارف کرایا۔ یعنی آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ میرے انکشافات واختراعات ومحسوسات وتجربات میری ذات تک ہی محدود رہے ہوں، دنیائے ادب تک نہ پہنچے ہوں یا ادبائے کرام حضرات اسکی طرف متوجہ نہ ہوئے ہوں۔

جب تک میرے حالیے رسالوں میں شائع ہوتے رہے، ان پر کھٹے میٹھے ردعمل کا مسلسل اظہار ہوتا رہا اور جب ''سائنٹسٹ'' اور ''سحر مبین'' جیسے مجموعے شائع ہوئے تو تلخ وشیریں تبصروں، مضامین، تاثرات اور تذکروں کا ایک دور بھی چلا۔ اس طرح، آل احمد سرور اور شمس الرحمٰن فاروقی سے لے کر شکیل سلفی تک سینکڑوں ادبائے کرام نے اپنے تلخ وشیریں تاثرات، مضامین اور تبصروں سے ضرور نوازا۔ جن میں چند نام یہ ہیں، پروفیسر آل احمد سرور، شمس الرحمٰن فاروقی، پروفیسر وہاب اشرفی، پروفیسر قمر رئیس، پروفیسر وارث کرمانی، پروفیسر عتیق اللہ، پروفیسر عبدالصمد، پروفیسر علیم

اللہ حالی، مظہر امام، نیرؔ مسعود، جوگندر پال، سلام بن رزاق، اقبال مجید، سلیم شہزاد، انیس رفیع، شوکت حیات، سید امین اشرف، افتخار امام صدیقی ،ابراہیم یوسف، مسلم شہزاد، عبدالمنان طرزی، احمد سہیل، شاہد رزمی، منظر اعجاز، خورشید اکرم، ابرار رحمانی، مشرف عالم ذوقی، مظہر الزماں خان، صدیق عالم، جمال اویسی، عطا عابدی، خالد عبادی، کوثر مظہری، ابوبکر عباد، شمیم قاسمی، شہاب ظفر اعظمی، ترنم ریاض، احمد صغیر، نسیم احمد نسیم، مشتاق احمد، اقبال نیازی، عاصم شہنواز شبلی، نوشاد مومن، شکیل سلفی، احمد جاوید، عاقل زیاد، آفاق عالم صدیقی، خان محمد رضوان، مشتاق شمسی، سرفراز خالد، احمد وقاص، ایوب راعین اور پروفیسر ایس کے نکھلیش، وغیرہ۔ خود اس خاکسار نے ''حالیہ'' کی تفہیم میں ایک تفصیلی مقالہ (مقدمہ ''سحر مبین'') قلم بند کیا، تاکہ ''حالیہ'' کے رموز و نکات خاکسار کی جانب سے بھی روشن تر ہو سکیں۔ اس طویل مقالہ کو سب سے پہلے رسالہ ''شب خون'' ہی نے شائع کیا۔ بعد میں کچھ اضافوں کے ساتھ ''سحر مبین'' کے مقدمہ کے طور پر پیش کیا گیا۔ اس مقالہ میں ایک طرف ایک نئی طرز کے ایک نئے سانچے اور ایک نئی صنف کے بنیادی نظریات اور نظریۂ تصور کا انکشاف کرتے ہوئے اسے معرض وجود میں لایا گیا ہے تو دوسری جانب نظریہ ''حالیہ'' کے ساتھ ساتھ ''حالیہ'' کی ضرورت و اہمیت اور اس کے جواز پر کلام کرتے ہوئے ''حالیہ'' کے اجزائے ترکیبی تک کو بیان کیا گیا ہے۔ یہاں رک کر مجھے یہ عرض کرنے دیجئے کہ مجھے نہیں معلوم کہ نہ صرف ہندوستان میں بلکہ ادبیاتِ عالم کی دنیائے ایجادات میں ایسا کبھی ہوا ہو کہ کسی صنف کے موجد

نے اپنی ہی ایجاد واختراع کی نظری وضاحت کے لئے اجزائے ترکیبی کے ساتھ ایسا تفصیلی نظری مقدمہ بھی رقم کیا ہو۔ افسوس کہ اس کے باوجود بعض لوگوں نے نہ تو ان ''حالیوں'' کا مطالعہ ہی کیا، نہ کھلے دل سے ایک نئی صنف کا اعتراف واستقبال ہی کیا اور نہ یہ لوگ ''حالیہ کی شعریات'' ہی سے کچھ استفادہ کر سکے۔ بلکہ بعضوں نے بغیر پڑھے ہی ایسے ایسے کمنٹ کئے کہ مجھے کئی بار یہ خیال آیا کہ کاش! ہندوستان کی بجائے کہیں انگلستان میں ہوتا اور اردو کی بجائے انگریزی یا فرانسیسی وغیرہ میں لکھ رہا ہوتا تو اب تک اس کی تشریح وتفہیم اور قدر و منزلت کا عالم شاید کچھ اور ہوتا۔

ادھر بعض مخلصین نے اکثر یہ فرمایا ہے کہ چونکہ ''حالیہ'' کا مقدمہ ''حالیہ کی شعریات'' کچھ دقیق وطویل ہو گیا ہے، چنانچہ متعلقات حالیہ کی آسان لفظوں میں اور مختصراً وضاحت کر دوں۔ اگر چہ میں ایسی کوئی ضرورت محسوس تو نہیں کرتا لیکن مخلصین کا حکم ہے تو سر آنکھوں پر۔ اپنی حقیر وضاحت سے قبل عالی جناب شمس الرحمٰن فاروقی صاحب کے بیش بہا خیالات آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں۔ جناب فاروقی نے میری حالیہ نگاری کی جس بہترین پیرائے میں اور جیسی بہترین قدر افزائی کی ہے، یہ ان کے قلم کی عظمت اور شان کا ایک ادنیٰ سا نمونہ ہے۔ ملاحظہ فرمائیں، جناب فاروقی فرماتے ہیں:

''مبین صدیقی کے اس مجموعے کا سب سے دلچسپ پہلو یہ ہے کہ یہ تخلیقی فن پاروں کا مجموعہ ہونے کے ساتھ نظری تنقید اور خاص کر ڈرامے کی نظری تنقید اور اصناف سخن میں ڈرامے کی حیثیت اور مرتبے کے بارے

میں سوالات قائم کرتا ہے۔ یعنی اس مجموعے کا قاری اس سوال سے ہمیشہ دو چار رہتا ہے کہ یہ تحریریں ہیں کیا؟ ڈراما تو یہ نہیں ہیں، کچھ اور نہیں تو صرف اس وجہ سے کہ مصنف نے انہیں ڈراما نہیں کہا ہے۔ ان تحریروں میں افسانے کی فضا کہیں کہیں غالب ہے۔ لیکن عمومی حیثیت سے یہ تحریریں ''بتانے'' کی جگہ ''دکھانے'' کی کوشش کرتی ہیں، اور ہم جانتے ہیں کہ ڈرامے کا کام ''دکھانا'' ہے اور فکشن کا کام ''بتانا'' ہے۔ یعنی ڈرامہ واقعات کو آپ کے سامنے پیش کرتا ہے (یا دعوی کرتا ہے کہ جو کچھ اسٹیج پر پیش کیا جا رہا ہے وہ واقعات ہیں اور آپ انہیں ہوتا ہوا دیکھ رہے ہیں۔ اور اس میں کوئی شک بھی نہیں کہ ڈرامے کی ہر صورت میں آپ چیزوں کو ہوتا ہوا دیکھتے ہیں: کوئی داخل ہوتا ہے؛ دو شخص آپس میں بات کرتے ہیں؛ کوئی حادثہ پیش آتا ہے؛ قتل یا جنگ کا منظر ہمیں دکھایا جاتا ہے؛ وغیرہ۔ اس کے برخلاف افسانے میں آپ سے کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص داخل ہوا؛ دو شخصوں نے آپس میں بات کی اور یہ یہ کہا۔ یعنی ان کی بات آپ سے بیان کی جاتی ہے، خود وہ شخص آپ کے سامنے نہیں ہوتے۔ وغیرہ مگر مشکل یہ آپڑتی ہے کہ کسی چیز کو دکھانے کے لئے کوئی جگہ، یعنی کوئی اسٹیج چاہئے۔ اور مبین صدیقی اسٹیج کی ضرورت سے انکار کرتے ہیں تو پھر ان تحریروں اور ایسے افسانوں میں فرق کیا ہے جو زمانہ حال میں بیان کئے جاتے ہیں؟ راب گرئے (Robbe Grillet) کے کئی افسانے اس طرح کے ہیں۔ ہمارے یہاں مین رانے ایسے افسانے لکھے ہیں۔ انہوں نے فلم کی تکنیک میں بھی افسانے لکھے ہیں جن میں ہر جملہ آپ کو بتاتا ہے کہ اب یہ ہو رہا ہے۔ لہذا مبین صدیقی کی یہ

تحریریں جنہیں وہ ''حالیہ'' کہتے ہیں، ایک طرح کا افسانہ کیوں نہ کہی جائیں؟

دوسری طرف یہ بھی ہے کہ ان کے ایک ''حالیے'' (''پارس'') کو میں نے ''شب خون'' میں چھاپا تھا تو لکھا تھا کہ یہ سیموئل بیکیٹ (Samuel Beckett) کے ڈرامے Act Without Words کی یاد دلاتا ہے۔ سیموئل بیکیٹ نے اپنی اس تحریر کو ڈراما ہی قرار دیا ہے۔ کیونکہ وہ اس کے ڈراموں کے مجموعے میں شامل ہے۔ ظاہر ہے کہ مبین صدیقی کا جواب ہوگا کہ بیکیٹ کی تحریر کی پیشکش اسٹیج کی محتاج ہے (یا اسٹیج کا تقاضا کرتی ہے) اور میری تحریر اسٹیج کی محتاج نہیں۔

ایک دوسری چیز کوئی پانچ دہائی کچھ مدت کے لئے مغربی اسٹیج پر کچھ مقبولیت حاصل کر سکی تھی۔ اسے Happening کا نام دیا گیا تھا اور میں نے ''وقوعہ'' کے نام سے ان میں سے ایک دو کا ترجمہ ''شب خون'' میں شائع کیا تھا۔ ''وقوعہ'' میں اسٹیج تھا بھی اور نہیں بھی تھا۔ اس معنی میں کہ ''وقوعہ'' میں اداکار اور تماشائی میں کوئی فرق نہ تھا۔ سب ایک دوسرے میں مل جل کر اسٹیج، بلکہ کسی کھلی ہوئی جگہ پر جمع ہوتے تھے۔ اداکار جو کچھ کہتے یا کرتے اس میں تماشائی بھی ایک حد تک مداخلت کر سکتے تھے......... فی الحال تو یہ مسئلہ میرے لئے زیادہ دلچسپی کا موجب ہے کہ اس کتاب کی تحریریں ایک نئی صنف سخن کی آمد کا مژدہ سناتی ہیں .... خالص ادبی اقدار کی روشنی میں دیکھا جائے تو مبین صدیقی کی یہ تحریریں ارتکاز اور بصری تخیل کے اچھے نمونے پیش کرتی ہیں۔ ان میں شدت احساس اور قوت اظہار کا وفور بھی ہے۔ انہیں

جدید تحریروں کے کسی بھی مجموعے میں رکھا جائے ، وہ ممتاز معلوم ہونگی۔ مبین صدیقی جس وضاحت اور قوت کے ساتھ اشیا کو متصور کر سکتے ہیں ، اسی وضاحت اور قوت کے ساتھ وہ انہیں بیان بھی کر سکتے ہیں۔ان کے یہاں طنز کے بھی ابعاد گرم اور دلکش ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ ان تحریروں کی تجرباتی اور ادبی دونوں ہی حیثیتوں کو تسلیم کیا جائے گا اور قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔"

(شمس الرحمٰن فاروقی، الہ آباد، ۲۵ نومبر ۲۰۰۳ء)

میں عرض کر چکا ہوں کہ فاروقی صاحب نے میری ٹوٹی پھوٹی تحریروں کی جس قدر قدر افزائی کی ہے، نہ میں اس کا اہل ہوں نہ میری تحریریں، یہ تو سب ان کی اپنی عظمت اور بڑائی ہے۔ میرے لئے تو بس یہی بہت ہے کہ آں جناب نے میرے حالیوں کو "ایک نئی صنف سخن کی آمد کا مژدہ" قرار دیا، میں ان کا بے حد شکر گذار ہوں اور تہہ دل سے ممنون ہوں۔

جہاں تک "حالیہ" کو ایک قسم کا "افسانہ" سمجھنے کی بات ہے، میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ "حالیہ" ایک خاص قسم کا حالیائی افسانہ تو ہے مگر Robbe Grillet یا بلراج مین را یا کسی اور کا کوئی مجموعۂ افسانہ اس قسم کا نہیں ہوسکتا، جو زمانۂ حال میں رہتے ہوئے مظاہر فطرت و انسانی حالات کی مشترکہ کردار سازی کو "بتانے" کی بجائے صرف اور صرف "دکھانے" کا کام کر سکے۔ جزوی طور پر "دکھانے" والے الفاظ یا جملے یا اقتباسات کسی افسانے یا مجموعۂ افسانہ میں کہیں کہیں تو آپ کو مل سکتے ہیں، اور یہ کوئی نئی بات نہیں، مگر ایک ایسا پورا مجموعۂ افسانہ آپ نہیں پیش کر سکتے جو زمانۂ حال میں رہتے ہوئے اپنے پہلے لفظ سے آخری الفاظ تک آپ کو بتانے کی

بجائے صرف اور صرف ''دکھانے'' کا فریضہ انجام دے۔ دوسری طرف، کوئی ایک حالیہ بھی ایسا نہیں ہوسکتا، نہ ہے، جو ازاول تا آخر اپنے زمانۂ حال میں نہ ہو اور اپنے پہلے لفظ سے آخری الفاظ تک ''دکھانے'' کے ساتھ ساتھ ''بتانے'' کا کام بھی کرے۔ یہاں یہ خیال رہے کہ میرؔ یا غالبؔ یا اقبالؔ کے رنگ میں ایک آدھ شعر کہہ لینے سے جس طرح کوئی میرؔ و غالبؔ و اقبالؔ نہیں ہوسکتا اسی طرح لاشعوری طور پر ہی سہی حالیہ کی طرز میں ایک آدھ پیراگراف یا ایک آدھ جملہ لکھ لینے سے کوئی حالیہ نگار نہیں ہوسکتا اور نہ ایسی کوئی اتفاقی تحریر ہی ''حالیہ'' ہوسکتی ہے۔ محترم فاروقی صاحب نے Happening (وقوعہ) اور Surrialist Automatic writing یعنی سورریلسٹ خود کار تحریر کا کچھ ذکر فرمایا ہے۔ یہاں بھی مجھے بس یہی عرض کرنا ہے کہ کسی حالیہ کے اندر ایک سے زیادہ اصناف کا استعمال بھی کر سکتے ہیں، یہ حالیہ کی وسعت، قوت اور خصوصیت کی بات ہے۔ یہ اختیاری چیز ہے، لازمی نہیں۔ لیکن یہ لازمی ہے کہ ہر ایک ''حالیہ'' کو اپنے مناظر و مظاہر کی کردار سازی کے ساتھ ازاول تا آخر زمانۂ حال ہی میں اور دکھانے ہی کی طرز میں ہونا چاہئے۔ آپ چاہیں تو صرف ایک صنف میں مثلاً ڈرامہ کی ہیئت میں بھی حالیہ لکھ سکتے ہیں۔ میرا خیال ہے، حالیہ کی الگ شناخت اور انفرادیت کے متعلق اتنی وضاحت کچھ کم نہیں ہے۔ جہاں تک Samuel backett کے ڈارمے Actwithout words کا تعلق ہے، فاروقی صاحب نے بھی یہی فرمایا ہے کہ یہ اسٹیج کا محتاج ہے یا اسٹیج کا تقاضہ کرتا ہے جبکہ حالیہ کی ایجاد ہی اسٹیج کے نعم البدل کے طور پر ہوئی ہے۔ چنانچہ کسی بھی قسم کے حالیہ کو

کسی طرح کے اسٹیج کی کوئی محتاجی نہیں۔ کسی کی چاہت ہو تو اسٹیج سے کام لے ورنہ نہ لے۔

یہاں ایک اور اہم واقعہ مجھے یاد آتا ہے۔ ''سحر مبین'' کا مقدمہ ''حالیہ کی شعریات'' سے قبل میں نے مضمون ''تصور کی شعریات'' (مطبوعہ ماہنامہ شب خون الہ آباد) اور اس سے بھی قبل مضمون ''غزل زمین میں تمثیل'' (مطبوعہ ماہنامہ شاعر ممبئی) رقم کیا تھا۔ اس مضمون سے بہت پہلے لفظ خیال اور تصور کا ایک نیا تصور میرے ذہن میں آچکا تھا جسے بتدریج کچھ اضافوں سے گذار کر میں ''حالیہ کی شعریات'' تک پہنچا تھا۔ مگر حیرت ہے کہ اس مسلسل مشقت اور وضاحت کے باوجود بعض لوگ میری اختراع واجتہاد کے کھلے اعتراف واستفادہ سے بچتے رہے بلکہ اکثر تو تذبذب ہی میں رہے۔ دوسری طرف میں، کہ تصور کے تمام رائج لغوی معنوں سے نا مطمئن ہونے کے سبب اور بعض اہل ادب کے کنفیوژن کے باوجود اپنے مزاج اور منشا کے مطابق تصور کو متصور کرنے کے مرحلوں میں، ایک عالم استغراق کا دکھ جھیلنے میں مگن رہا۔ ''سحر مُبین'' کی اشاعت کے ایک ڈیڑھ سال بعد ایسی ہی کسی کیفیت میں ایک دن پھر مبتلا تھا، شاید ایک عالم استغراق میں کہ میرے ذہن کے اسکرین پر ایک مصرعۂ نادر ابھرا اور جگمگانے لگا۔

عالم تمام.........حلقۂ دام خیال ہے

میں حیران رہ گیا۔ سوچنے لگا کہ مجھ کم نصیب کے سوا یہ کون خوش نصیب ہے جو خیال کا اس قدر خیال کر رہا ہے۔ میرے سوا یہ خیال اور کس

کے خیال میں آسکتا ہے؟احباب کے مزاج کو دیکھتے ہوئے میرے لئے یہ غیر متوقع، نا قابل یقین، حیران کن اور تعجب خیز تھا۔میں نے سوچا، یا اللہ ہمارے شاعروں کو آپ نے یہ کیا کیا عطا کردیا ہے۔ مجھے تو لگتا ہے کہ خود غالبؔ یکتائے روزگار کو بھی یہ خیال نہ آیا ہوگا کہ کیسے کیسے نادرالخیال مضامین انکی شاعری میں درآئے ہیں۔ بہر حال مَیں پورے دن خوشی سے جھومتا رہا کہ چلو، بعض اہلِ ادبِ اردو نے مجھ افسردہ کو افسردہ کیا تو کیا، ایک غالبؔ یکتائے روزگار جو میرے تصور اعلیٰ وبالا کی تائید کررہا ہے تو یہی کیا کم ہے۔یوں میرے اس اجتہاد کی بھی تصدیق ہوگئی کہ:

''تصور کے اسکرین سے بڑا اور کامل پوری کائنات میں کہیں کوئی اسکرین وا سٹیج نہیں ہے۔ڈرامہ اسی لئے فرض کرنے کی چیز بھی ہے اور متصور کرنے کی چیز بھی۔ اپنے Dramatic Streem میں ذہن سے دیکھنے والی بھی، ذہن کو دکھانے والی بھی، لامحدود بھی، لامختتم بھی۔'' یا

''لوگوں کی بصیرت، عقل ودانش اور دماغ کو اسٹیج تسلیم کیا جائے اور حسبِ موقع ومحل پوری کائنات کو اسٹیج اور کائنات کی ہر شئے کو ''کردار'' تسلیم کیا جائے۔'' (مقدمہ سحرِ مُبین)

مَیں عرض کررہا تھا کہ لینے والا صرف الفاظ سے بڑے بڑے اسٹیج کا کام لے سکتا ہے۔دوسری بات یہ ہے کہ Surrialist Automatic writing ہو، Happening ہو، RobbeGrillet اور بلراج مین را وغیرہ کے افسانے ہوں یا کہ Samuel Backett کا Act without words، مجھے نہیں لگتا کہ ان میں سے کسی کے ذریعہ بھی انسانوں

اور جانداروں کے علاوہ غیر ذی روحوں اور مظاہر فطرت مثلاً سورج، چاند، ستارے، درخت، سمندر، پانی، ہوا، بارش، طوفان، تاریکی ،روشنی، آوازیں، احساسات و کیفیات یا لالہ وگل وغیرہ کی کردار سازی کی گئی ہوگی۔ جب کہ مظاہر فطرت و انسانی حالات کی مشترکہ کردار سازی ''حالیہ'' کی ایک مخصوص انفرادیت ہے۔ مثال ملاحظہ فرمائیں، ہری کونپلیں، ساز باز ناز راز، دربیان جاہلاں، سادھنامیں، سائنٹسٹ، آپریشن کوڈ نمبر ایک، اوقات نمبر ایک، چشم نوخیز، کھنڈر کھنڈر روشنی، اے مصور!، عجیب الخلوق، میں ماورا، ایجادات وغیرہ۔

مجھے لگتا ہے کہ ہر نئی صنف کو خواہ وہ کتنی ہی خوبیوں سے مالا مال ہو، مروجہ اصناف کے مقلدین کی جانب سے بے رخی، استہزا، نکتہ چینی یا بے جا اختلاف کا کرب جھیلنا ہی پڑتا ہے۔ موجد، اپنی ایجاد و اختراع میں خواہ کتنا ہی خالص و مخلص ہو، خون جگر سے اور غیر معمولی طور پر اپنی کاوش و اختراع کی تشکیل و تکمیل کرتا ہو اور اپنے وقت کا خواہ سب سے بڑا مجدد و مجتہد ہو، ہم اس کا استقبال ممنونیت کے پھولوں سے نہیں، ناشکری کے کانٹوں اور ناقدری کے پتھروں سے کرتے ہیں۔ ''حالیہ'' کا اسلوب تازہ بھی، اگرچہ اپنے اندر لاکھ دلکشی رکھتا ہو، اپنے ہی لئے کافی نقصاندہ ثابت ہوا ہے۔ دراصل، یہ اسلوب ہی کچھ ایسا البیلا اور انوکھا ہے کہ اسے دیکھنے والی نگاہ حیرانی اور حسد کا شکار ہوئے بغیر نہیں رہ پاتی۔ یعنی ہر دیکھنے والا اپنے تعصب و تحفظ کے ساتھ بھی دیکھتا ہے۔ دوسروں کی بہ نسبت اگر مختلف انداز میں محسوس کر بھی لے تو اپنے حسب خواہ یعنی اپنی خواہش اور پیمانۂ تخیل کے مطابق آزادانہ طور پر اس

کا بیان نہیں کر پاتا۔آپ دیکھیں، بعضوں نے ''حالیہ'' کو افسانہ، ڈرامہ اور شاعری تینوں کا ایک نیا سنگم سمجھا تو بعضوں نے اسے افسانہ وڈرامہ کا ملا جلا ایک نیا روپ۔ کسی کیلئے یہ ڈرامہ کی تاریخ میں ایک نیا تجربہ اور اضافہ ہے تو کسی نے اسے ایک نئے قسم کا افسانہ قرار دیا ہے۔ کچھ لوگ اسے ایک نئی قسم کی نظم بھی سمجھتے ہیں۔ مگر ایک آدھ لوگ ایسے بھی ہیں جن کی نظر میں ''حالیہ'' کی کوئی اہمیت ہی نہیں ہے۔ یقیناً یہی وہ لوگ ہیں جو اپنی کم فہمی وغلط فہمی کے باعث یہ سمجھتے ہیں کہ اگر ''حالیہ'' کی تقلید کرنا عہدِ موجودہ میں آسان نہیں ہے یا حالیائی طرز و اسلوب کا عوامی فروغ یا بیش از بیش استعمال ہو پانا اس وقت مشکل نظر آتا ہے تو یہ ''حالیہ'' کی ناکامی ہے، سراسر بے وقوفی اور بد دیانتی ہے۔ ذی علم حضرات جانتے ہیں کہ کسی ایجاد و اختراع کی تشکیل و تکمیل کی اہمیت اور خصوصیت (Merit) ایک چیز ہے اور اس ایجاد و اختراع کا فروغ اور Marketing ایک دیگر موضوع۔ اللہ کے فضل و کرم سے میں نے اب تک جو کچھ کیا ہے، ڈنکے کی چوٹ پر کیا ہے اور اس وقت بھی انتہائی خلوص کے ساتھ یہ عرض کرتا ہوں کہ دنیا کا کوئی بھی ایماندار اور ذی شعور شخص ''حالیہ'' کی ایجاد کو جسے بہ فضلہ تعالیٰ مَیں کامیاب ثابت کر چکا ہوں، ناکام ثابت نہیں کر سکتا۔ رہی کٹ حجتی، تو وہ اس خاکسار کو زیب نہیں ۔ چمگادڑ کی آنکھ میں ایک عظیم آفتابِ تازہ بھی اگر ایک رتی بھر نظر آئے تو اس میں قصور کس کا؟ چمگادڑ کی آنکھ کی اوقات یا بینائی کا یا سورج کی بڑائی کا ؟؟ ویسے اس موضوع پر بہت پہلے ایک مضمون ''مبصر المبصرین'' قلم بند کر چکا ہوں (مطبوعہ، مجموعۂ مضامین ''اکسیر'') ایک المیہ یہ بھی ہے کہ مروجہ ا

صناف کے تذکرے میں نئی اصناف کا تذکرہ نہیں کیا جا تا۔مثلاً جو لوگ ''حالیہ'' کوایک نئی صنف مانتے ہیں وہ بھی اپنے مقالات میں نئی صنف کے بطوراس کا خاطر خواہ تذکرہ نہیں کرتے اور نہ نئی اصناف کے ذکرِ خیر کیلئے کوئی تحقیقی کام ہی کرتے ہیں۔اسی طرح مروجہ اصنافِ ادب کی تاریخ تو ہمیشہ لکھی جاتی ہے مگر تاریخِ ایجاداتِ ادب یا تاریخِ موجدانِ ادب رقم نہیں کی جاتی۔تاریخ لکھنے والوں کومؤرخ کہلانے کا شوق تو بہت ہوتا ہے مگراکثر اہلِ قلم مؤرخ کہلانے کے لائق ہوتے نہیں ہیں۔وہ مرتب ہوا کرتے ہیں ۔کیونکہ مرتب اپنی پسند و ناپسند کے انتخاب سے کام لے سکتا ہے اور لیتا ہے ۔مگرایک ایماندار مؤرخ کے قلم کواپنے ذاتی اختلافات یا ناپسندیدگی سے مبرّا ہونا چاہئے۔ایک دیانتدار مؤرخ کے پیشِ نظر فنکار اوراس کے فن تک بہر صورت رسائی ہونی چاہئے اور اسے اپنے چہیتوں کے علاوہ پرایوں تک، دوستوں کے علاوہ دشمنوں تک اور 'معروف' کے علاوہ 'غیر معروف' تک بھی پہنچنا چاہئے۔مگر یہاں تو مؤرخین کا قلم نہ صرف اپنی ذاتی ناپسندیدگی اور اختلافِ رائے میں ڈوبا ہوتا ہے بلکہ اپنے دوستوں اور چہیتوں کی ناپسندیدگی اوراختلافِ رائے سے بھی بندھا ہوتا ہے۔اسی طرح مروجہ اصنافِ سخن پر تو سیمینار وکانفرنس ہوتے رہتے ہیں مگر اختراعات وایجادات پر بھی سیمینار وکانفرنس ہوتے ہوں، مجھے نہیں معلوم۔تواس وجہ سے بھی نئی اصناف پر گفتگو عام نہیں ہو پاتی اور لوگ نئی اصناف کے اسرار و رموز سے بالعموم ناآشنا رہتے ہیں اوراس سے خاطر خواہ استفادہ نہیں کر پاتے۔جبکہ ہونا یہ چاہئے کہ زبان وادب کے ذمہ دار اداروں کی جانب سے بھی نئی اصناف پر مقالے لکھوائے

جاتے اور اختراعات وایجادات پر متواتر سیمینار کرائے جاتے۔ اگر ایسا ہوا ہوتا تو مجھے یقین ہے کہ جناب وہاب اشرفی کو یہ لکھنے کے باوجود کہ:

''مبین صدیقی کی فنکاری کی دنیا وسیع بھی ہے اور عریض بھی اور فن اپنے امتیازات واوصاف کی وجہ سے نہ صرف قابل لحاظ ہے بلکہ اردو کے تجرباتی ڈراموں کی تاریخ میں ایک اضافہ ہے'' یا

''اگر مبین صدیقی یہ کہتے ہیں کہ انہیں ''حالیہ'' سے منسوب کیا جائے تو مجھے کیا اعتراض ہوسکتا ہے۔ اس لئے کہ خالق خود ایسی فکر رکھتا ہے کہ اسے اپنی تخلیقات کے لئے مروجہ اصطلاحیں ناموزوں اور ناکافی معلوم ہوتی ہیں.......... مبین صدیقی ''سحر مبین'' میں لفظ لفظ مجتہد ہیں، خون جگر سے اپنے فن کی تشکیل کرتے ہیں اور اس کی پرواہ نہیں کرتے کہ پڑھنے والوں کی جانب سے پھول آئیں گے یا پتھر۔ مجھے کہنا ہے کہ ان کی ذہنی سطح جس طرح سامنے آرہی ہے وہ خاصی اختراعی ہے'' پھر یہ لکھنے کی ضرورت نہ ہوتی کہ،

''مبین صاحب کی تخلیقات کی پرکھ کیلئے کسی مارٹن اسلن کی ضرورت ہے.......... سچی بات تو یہ ہے کہ ایسی تخلیق جو ڈرامہ اور افسانہ کے بیچوں بیچ چلتی ہوئی نظر آتی ہے اس کی تفہیم کیلئے مجھے کوئی واضح صورت نظر نہیں آئی، لہٰذا ایک اہم نام کی جانب میں نے اشارے پر بس کیا۔''
(ردعمل، سحر مبین ۲۰۰۴ء)

''سحر مبین'' پر تبصرہ کرتے ہوئے'' فرہنگِ ادبیات'' اور'' ویرگاتھا'' جیسی تصنیفات کے فاضل مصنف سلیم شہزاد لکھتے ہیں،

''An Experiment in Fiction کے ذیلی عنوان سے

''سحرِ مُبین''،مبین صدیقی کے ایسے ادبی اظہارات کا مجموعہ ہے جس پر ڈراماافسانہ اور شاعری تینوں کے اثرات صاف دکھائی دیتے ہیں........مُبین صدیقی کے دوسرے معروضات پر فلسفہ بیانی کا اثر نمایاں ہے۔اگر چہ وہ فن کی اصلیت واہمیت پر بات کررہے ہیں لیکن ''حقیقی اور تصوراتی لطف موصول'' جیسے ساختیوں اور جمالیات اور تصور کی دوسری تیسری نقلوں کے حوالے سے افلاطونیت کا ڈسکورس مُبین صدیقی نے تشکیل کردیا ہے۔پھر''اب میں آپ کو ایک واقعہ سناتا ہوں ،فرض کیجئے ایک شخص''۔۔۔بات کا یہ انداز بھی فلسفیانہ مکالمت کے تیور رکھتا ہے۔غرض ،مبین کے معروضات افلاطون اور سقراط اور قواعدئین کی گفتگو کا تناظر پیدا کرنے والے ہیں........قواعد،لغت اور فلسفے کے توسط سے مُبین نے ''تصور'' کے جولامحدود معنی بتائے ہیں وہ حالیہ یعنی موجودہ معنیاتی نہج پر سوچنے کی عمدہ مثال ہے.........''حالیہ'' بہ طور اصطلاح ابھی ایجاد بندہ کی ذیل میں آئے گا الّا یہ کہ اسے بہت سے فن کار زیادہ سے زیادہ استعمال کرنے لگیں۔رہے نام اللہ کا''۔

(سلیم شہزاد،سب رس،حیدرآباد،جنوری ۲۰۰۶ء)

جناب سلیم شہزاد کا بھی ممنون ہوں کہ انہوں نے بھی ایک تبصرہ''سحرمبین'' پر رقم فرمایا ہے۔اب جہاں تک حالیہ کے بیش از بیش استعمال اور فروغ ہنر کی بات ہے،کئی دوسرے ادبائے کرام نے بھی ایسی امیدوں کا اظہار فرمایا ہے۔کاش کہ ایسا ہو سکے مگر مزاجِ احباب کے پیش نظر

مَیں اس ضمن میں آج بھی بہت پُر امید نہیں ہوں۔ لہٰذا اس تعلق سے دو باتیں پیش کرنے کی اجازت چاہتا ہوں۔ایک بات تو یہ کہ ۱۹۹۱ء سے میرے حالیوں کی اشاعت ہورہی ہے اور ۱۹۹۸ء میں حالیوں کا پہلا مجموعہ شائع ہوا ہے۔گویا گذشتہ ۲۶ سالوں کے درمیان دنیائے ادب اردو میرے حالیوں سے جس قدر واقف ہوسکی، مجھے نہیں لگتا کہ حالیائی طرز و اسلوب سے متاثر نہ ہوئی ہو۔اور اسی لئے گذشتہ ۲۶ سالوں میں اردو کے فکشن پاروں یا شعر وشاعری میں کہاں کہاں حالیائی طرز کو اپنایا جاسکا ہے، یہ بڑی تحقیق کا موضوع ہے۔ مجھے یقین ہے کہ کچھ ڈرامہ نگار، افسانہ نویس اور نظم نگار حضرات جزوی طور پر ہی سہی حالیائی طرز کو ضرور اپنا رہے ہوں گے۔لیکن ایسے باحوصلہ فن کار کم از کم میری نگاہ سے نہیں گذرے جنہوں نے اپنے فن پاروں کو مکمل حالیائی طرز میں اور "حالیہ" کے عنوان سے پیش کیا ہو۔پھر یہ کہ خاکسار ایک چھوٹے سے شہر کا ایک معمولی سا شخص ہے، اور ہر شخص جناب عشرت رومانی (۱) کی طرح نہیں ہوتا کہ علی الاعلان اپنے متاثر ہونے کا اعتراف کرسکے یا مثلاً "حالیہ" کے فروغ کے حق میں "حالیہ" کی تقلید کرنا اپنے لئے باعث افتخار سمجھے۔دوسری بات یہ کہ جس طرح کسی شئے کے وجود

---

(۱) معروف ادیب جناب عشرت رومانی نے میرے ایک مضمون "فن اور تنقید کے مابین"، مطبوعہ استعارہ دہلی (تنقید نمبر) پر اپنے یادگار ردعمل میں فرمایا تھا "تخلیق اور تنقید کے رشتے کے حوالے سے مبین صدیقی نے بہت اچھی بات کہی ہے۔ جس سے مکمل طور پر اتفاق کیا جاسکتا ہے.......... جناب مبین صدیقی کی تقلید کرتے ہوئے میں اس مختصر جائزے میں "تخلیق" کی جگہ "فن" اور "تخلیق کار" کی جگہ "فن کار" لکھوں گا۔ (استعارہ دہلی، اپریل تا ستمبر ۲۰۰۲ء)

کے اثبات کیلئے اس کا وجود میں آجانا/ موجود ہونا ہی کافی ہے خواہ اس کا استعمال نہ ہو، نہ تو شئے کی اہمیت و عظمت ہی کم ہوسکتی ہے اور نہ اس کے وجود موجود سے انکار ممکن ہے۔ اسی طرح خدا نہ کرے، حالیہ کے کم استعمال یا عدم استعمال کے باوجود اب اس کے اختراعی وجودِ موجود کا اعتراف و استقبال جاری و ساری رہے گا، انشاء اللہ۔ یہاں ہم سب کی یہ اجتماعی ذمہ داری بنتی ہے کہ ایسی ہر ایک اختراع و ایجاد کے تعین قدر میں اپنی تنگ نظری اور تعصب سے اوپر اٹھ کر غائت سنجیدگی، باریک بینی، ہمہ دانی، وسیع القلبی، ممکنہ رہنمائی اور سچی قدردانی کا ثبوت پیش کریں تا کہ ہمارا ادب اختراعات و ایجادات کی ترقی سے سربلند ہوسکے نہ یہ کہ اس اہم مرحلہ میں تنزلی کا شکار ہو جائے۔

اب تک نئی ہیئت اور نئی صنف (صنف حالیہ) کے تعلق سے جتنی اور جیسی باتیں سامنے آئیں، میں سمجھتا ہوں اسکی صنفی تفہیم و تعریف کے ضمن میں کم نہیں ہیں۔ چنانچہ حالیہ کی فنی گفتگو کو سمیٹتے ہوئے اس کے چند نکات برائے یادداشت درج کرتا ہوں۔

۱۔ ایک نئی واقعاتی صنف کے طور پر ''حالیہ'' کی ایجاد ہوئی ہے۔

۲۔ ''حالیہ'' اپنے پہلے لفظ سے آخری الفاظ تک زمانۂ حال میں ہے اور از اول تا آخر اس کے الفاظ آپکو ''بتانے'' کی جگہ ''دکھانے'' کے فرائض انجام دیتے ہیں۔ یہ بھی ذہن نشیں رہے کہ جدید ترین حالات کے نچوڑ اور اس کی باریک ترین کیفیات کے محلول کو ''حالیہ'' کہتے ہیں۔

۳۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں کہ ایک ''حالیہ'' کے اندر کسی ایک صنف کی خوبی یا متعدد صنفوں کی خوبیوں کا استعمال کیا جائے۔ اسی طرح مجھے

کوئی اعتراض نہیں کہ ایک افسانہ جب حالیائی اسلوب میں لکھا جائے تو اسے حالیائی افسانہ کہا جائے یا کوئی ڈرامہ حالیائی انداز سے لکھا جائے تو اسے حالیائی ڈرامہ کہا جائے یا حالیائی طرز میں لکھی گئی شاعری کو حالیائی شاعری (مثلاً حالیائی نظم، حالیائی غزل وغیرہ) کا نام دیا جائے۔

۴۔ ''حالیہ''میں ہر ذرہ کائنات (ذی روح + غیر ذی روح) کے رول کی قوت ووسعت ہے، آپ حسب منشا کسی ایک یا متعدد کا استعمال ان کے ماحول، کیف وکم اور حس وسکوت کے اشتراک کے ساتھ کرسکتے ہیں۔

۵۔ اسٹیج کی قدیم روایت سے اجتہاد کرتے ہوئے قدیم اسٹیج کے وجود کے بدل کے طور پر انسانی ذہن وتصور کے وجود کو اسٹیج تسلیم کیا گیا ہے، لہٰذا اس تصوارتی اسٹیج پر ہر شئے خواہ جاندار ہو کہ بے جان کہ مناظر ومظاہر، فقط لفظوں سے تشکیل پاتے ہیں۔ یعنی ہر ایک شئے کا وجود خیالی وتصوراتی یعنی خالصتاً لفظی وادبی ہے۔

''حالیہ'' کے ضمن میں میری مذکورہ وضاحت کے بعد، مجھے یقین ہے کہ لوگ مجھ سے کہیں زیادہ بہتر طور پر اب ''حالیہ'' کی تعریف وتوصیف بیان کرسکیں گے۔ پھر بھی، اگر ایک جملہ میں'' حالیہ'' کی تعریف (Definition) مقصود ہو تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ، ایک ایسا تصوراتی کمال جس میں کائنات کے کسی ایک جاندار یا جانداروں، کسی ایک ذرہ یا ذروں بشمول مظاہر قدرت ومناظر فطرت کی ایسی مشترکہ کردار سازی جو اپنے پہلے لفظ سے آخری الفاظ تک صرف زمانۂ حال میں ہو اور صرف ''دکھانے'' ہی کی طرز میں

ہو، جدید ترین حالات کا نچوڑ اور ان حالات کی باریک ترین کیفیات کا محلول ہو، خواہ نثر میں ہو کہ کلام منظوم میں، خواہ طویل ترین ہو کہ مختصر ترین، ایک نئی واقعاتی صنف ''حالیہ'' ہے۔ ''حالیہ'' ایک طرز بھی، ایک صنف بھی۔

اب یہاں ایک فطری سوال یہ ہے کہ فن اور ہیئت پر ہم اتنی باریک اور گہری گہری گفتگو کیوں کر رہے ہیں۔ ہمیں اتنی ہی یا اس سے زیادہ بحث فکر پر کیوں نہیں کرنی چاہئے؟ خاص طور پر ایک ایسے وقت میں جب پوری دنیا مسائل و معاملات کی آگ میں جھلس رہی ہے، ہمیں سلگتے موضوعات اور سنجیدہ مسائل کو ادب کے قالب میں ڈھالنے کی بجائے، ذہن سازی اور ماحول سازی کرنے کی بجائے، تعمیری اور رہنما ادب لکھنے کی بجائے فن اور ہیئت کی گفتگو میں الجھنے کی کیا ضرورت ہے؟ لیکن اہل ادب اس کا جواب شاید یہ دیں کہ یہ سیاست یا سماج کی ذمہ داری ہے کہ وہ سلگتے مسائل پر گفتگو کرے یا اس کا حل نکالے۔ ہمارا کام تو ادب سازی ہے۔ سوال پھر پیدا ہوتا ہے کہ تو پھر ادب کیا ہے؟ سماج، سیاست، ملک و مملکت اور دنیا کے مسائل و معاملات سے الگ تھلگ کوئی شئے؟ ظاہر ہے اس کا جواب نفی میں ہوگا۔

اب سوال اٹھتا ہے کہ جب ادب کسی نہ کسی مسئلہ یا معاملہ کی پیداوار ضرور ہوتا ہے خواہ مسئلہ ذاتی نوعیت کا ہو کہ کائناتی نوعیت کا، مسئلہ محبت کا ہو کہ جنگ کا، مسئلہ فراریت و بے نیازی کا ہو کہ نیاز مندی و غم گساری کا، موضوع یا مواد کی ضرورت واہمیت پر خاطر خواہ گفتگو کو نظر انداز کر کے اہل ادب، فنی و ہیئتی گفتگو میں الجھ کر کیوں رہ جاتے ہیں؟ ادب کو صرف ذریعہ تفنن طبع یا ذہنی عیاشی کا سامان کیوں سمجھا جاتا ہے؟ چونکہ فن اور موضوع کے متعلق گفتگو ابھی مقصود نہیں ہے، ورنہ یہ ابتدائے ادب کی ایسی بحث ہے اور آج

تک اس پر اتنا کچھ لکھا جا چکا ہے کہ صرف منتخب حوالہ جات پر بھی گفتگو کی جائے تو یہ مضمون ایک کتاب میں تبدیل ہو جائے۔ مختصراً میں یہ عرض کرتا ہوں کہ فن پارہ ایک ایسے پھول کے مصداق ہے جسکی خوشبو تو موضوع یا Content ہے مگر خود پھول (یعنی فن) اس کا ذریعہ اظہار ہے۔ اسی طرح فن اس جسم کی مانند ہے جسکی روح تو موضوع و مسئلہ ہے، جو کہ ظاہر ہے بنیادی چیز ہے اور پیرایہ فن کا سبب بھی ہے، مگر مسائل کو موثر طریقہ سے پیش کرنے کیلئے ایک دل نشیں، اثر آفریں، خوبصورت اور پرکشش ذریعہ اظہار تو فن ہی ہے۔ اس طرح معلوم ہوا کہ کسی فن پارہ کی بنیاد پر بحث لازماً ہونی ہی چاہیے۔ مثلاً حالیہ ''سحر مبین'' یا ''شاہکار آمد'' کے Content یا موضوع کی اہمیت و افادیت پر گفتگو ہونی چاہئے۔ اسکی بلند فکری یا پست فکری پر، اس کے پیغام، مقاصد اور نصب العین کی درجہ بندی پر گفتگو لازماً ہونی چاہئے۔ اس کے بعد اس کے اندازِ پیشکش یا پیرایہ فن یا ہیئت صنفی پر گفتگو ہو تو بہتر ہو۔ یعنی میں یہ عرض کر رہا ہوں کہ '' ساز باز ناز راز'' یا ''میں ماورا'' یا ''عجیب الخلوق'' یا ''ایجادات'' کو وجود میں لانے کا مقصد کیا ہے؟ اس کی فکر کس درجے کی ہے؟ اس کا پیغام کیا معنی رکھتا ہے؟ اس بنیادی نقطہ نظر پر گفتگو ہونی چاہئے، نہ کہ ہمارا مقصد صرف فنی و ہیئتی گفتگو میں الجھ کر رہ جانا، ہونا چاہئے۔ لیکن افسوس کے ساتھ لکھنا پڑتا ہے کہ کسی فن پارہ کے بنیادی نقطۂ نظر کو، آج کل نظر انداز کرنے کا ایک مزاج سا بنتا جا رہا ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ ادبی اختراعات و ایجادات پر گفتگو کرتے ہوئے سب سے زیادہ اور سب سے ہلکی اور غیر سنجیدہ گفتگو ہیئت پر کی جاتی ہے۔ اسے سلجھانے کی بجائے اس حد تک الجھا دیا جاتا ہے کہ متعلقہ فن پارہ کے فنی خصائص تو نظر انداز ہوتے ہی ہیں، اس کی روح یعنی اس کا

نصب العین بھی کہیں دور جا پڑتا ہے۔ جہاں تک مجھے یاد ہے ''سحر مبین'' کے حالیوں پر اپنے تاثرات کا اظہار فرمانے والوں میں فقط دو تین صاحبوں نے بطور خلاصہ موضوع کا کچھ بیان کر دیا ہے۔ جناب شمس الرحمٰن فاروقی فرماتے ہیں،

''ان کے حالیے عہد حاضر کی گھناؤنی سچائیوں، ظلم، استحصال اور دیانت کے فقدان کے خلاف احتجاج ہیں..........اس میں شک نہیں کہ مبین صدیقی کا احتجاج اس وقت بہت پر زور اور ان کی برہمی بہت پر شور ہے''

جناب پروفیسر عتیق اللہ کے بقول،

''سحر مبین کو خواہ آپ کچھ نام دیں کتاب ایک ہے لیکن اس میں کئی افسانے اور کئی ڈرامے حل ہو گئے ہیں۔ اگرچہ آپ نے ایک انضمامی صنف سے متعارف کرانے کی کوشش کی ہے۔ لیکن صنف کے روایتی تصور پر غور کئے بغیر بھی سحر مبین میں بڑی قوت ہے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ تکنیک نامانوس اور نئی ہونے کے باوجود Readability میں کوئی فرق نہیں پڑا۔ یہ آپ کی تحریر کی بڑی خوبی ہے۔ آپ نے موجودہ لہو رنگ اور دہشت آگیں حالات کے جو منظر نامے خلق کئے ہیں وہ بے حد ڈراؤنے اور ظلمت آگیں ہیں۔ ان سے اکراہ کا جذبہ پیدا نہیں ہوتا بلکہ اپنے آپ سے نفرت ہونے لگتی ہے''۔

انگریزی کے پروفیسر اور ہندی نظم کے وِدوان شاعر پروفیسر شیو کمار نکھلیش لکھتے ہیں:

''شاہکار آمد'' کو میں آپ کی سب سے شاہکار تخلیق مانتا ہوں، جو ٹی ایس الیٹ کے the west land، نرالا کی بہترین شعری تخلیق ''رام کی شکتی پوجا'' اور مکتی بودھ کی شاہکار نظم ''اندھیرے میں'' کی مانند کال جئی (فاتح زمانہ)

ثابت ہوگی۔شاہکا آمد کے سماقدّ میں Milton کے شیطان سے بھی زیادہ شیطانیت ہے، وہ اگر زمین سے ہزاروں فٹ اوپر آسمان میں محیط ہوکر خیر کی راہ کسی کوہ بلند کی مانند روک سکتا ہے تو چھوٹی سے چھوٹی شکل اختیار کر، اپنے نہ ہونے کا وہم پیدا کر، کسی باریک ترین Virus کی مانند خیر میں مخل ہوکر اسے کھوکھلا بنا سکتا ہے۔اس میں اپنے جیسی بے شمار صورتوں کو خلق کرنے کی حیرت انگیز صلاحیت ہے.................دراصل آپ کے ناٹکوں کا محور کل (نصب العین) ایسے آفاقی (Universal) مسلمات سے متعلق ہے کہ ان کا کال جئی ہونالازمی ہے''۔

اب میں آپ کو بتاؤں کہ جن مختلف ومتعدد پیغامات ومسائل کو میں نے اپنے حالیوں میں پیش کیا ہے انہیں سمجھنے اور سمجھانے کی زیادہ ضرورت اس لئے بھی تھی کہ ادب اردو میں اس سے قبل ایسے بعض پیغامات ملتے ہی نہیں، اور بعض اس انداز کے نہیں ملتے۔ میرے حالیوں کی ابتدا کو کوئی ۲۷ سال گذر گئے ،لیکن آج تک مجھے انتظار ہی ہے کہ کوئی اللہ کا بندہ آیگا اور پیرایۂ فن کے ساتھ ساتھ موضوعات و پیغامات کو بھی سمجھنے اور سمجھانے سے میرے حالیوں کی تفہیم کی ابتدا کرے گا۔اس لئے کہ،

کسی قوم کی تنزلی کے اسباب اگر یہ ہوں کہ وہ فنی طور پر قدامت و روایت کی اسیر ہوجائے اور فکری لحاظ سے اس کے خیالات سطحی و بازاری ہوجائیں تو یقیناً اس قوم کی ترقی کے اسباب یہ ہوں گے کہ تفکراتی سطح پر وہ بلند افکار اور فنکارانہ طور پر ندرت پسند، جدت پسند، اجتہاد پسند اور ایجادات پسند ہوجائے!!

☆☆☆

مشاہیر کی آرا

(۱) آل احمد سرور

امید کہ آپ لکھتے رہیں گے۔خون جگر رنگ تو لایا ہے۔

(۲) شمس الرحمٰن فاروقی

☆اس کتاب کی تحریریں ایک نئی صنف سخن کی آمد کا مژدہ سناتی ہیں۔

☆ان کے حالیے عہد حاضر کی گھناؤنی سچائیوں، ظلم، استحصال اور دیانت کے فقدان کے خلاف احتجاج ہیں۔

☆اس میں شک نہیں کہ مبین صدیقی کا احتجاج اس وقت بہت پرزور اور ان کی برہمی بہت پرشور ہے۔

☆مبین صدیقی کی یہ تحریریں جنہیں وہ ''حالیہ'' کہتے ہیں، ایک طرح کا افسانہ کیوں نہ کہی جائیں؟

☆راب گرئے (Robbe Grillet) کے کئی افسانے اس طرح کے ہیں۔ ہمارے یہاں مین را نے ایسے افسانے لکھے ہیں۔

☆یہ تخلیقی فن پاروں کا مجموعہ ہونے کے ساتھ نظری تنقید اور خاص کر ڈرامے کی نظری تنقید اور اصناف سخن میں ڈرامے کی حیثیت اور مرتبے کے بارے میں سوالات قائم کرتا ہے۔

☆خالص ادبی اقدار کی روشنی میں دیکھا جائے تو مبین صدیقی کی یہ تحریریں ارتکاز اور بصری تخیل کے اچھے نمونے پیش کرتی ہیں۔ان میں شدت احساس اور قوت اظہار کا وفور بھی ہے۔انہیں جدید تحریروں کے کسی بھی مجموعے میں رکھا جائے، وہ ممتاز معلوم ہونگی۔

(۳) پروفیسر وہاب اشرفی

☆ مبین صاحب کی تخلیقات کی پرکھ کیلئے کسی مارٹن اسلن کی ضرورت ہے۔

☆ سچی بات تو یہ ہے کہ ایسی تخلیق جو ڈرامہ اور افسانہ کے بیچوں بیچ چلتی ہوئی نظر آتی ہے اس کی تفہیم کیلئے مجھے کوئی واضح صورت نظر نہیں آئی، لہٰذا ایک اہم نام کی جانب میں نے اشارے پر بس کیا۔

☆ مبین صدیقی کی فنکاری کی دنیا وسیع بھی ہے اور عریض بھی اور فن اپنے امتیازات و اوصاف کی وجہ سے نہ صرف قابل لحاظ ہے بلکہ اردو کے تجرباتی ڈراموں کی تاریخ میں ایک اضافہ ہے۔

☆ اگر مبین صدیقی یہ کہتے ہیں کہ انہیں ''حالیہ'' سے منسوب کیا جائے تو مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ اس لئے کہ خالق خود ایسی فکر رکھتا ہے کہ اسے اپنی تخلیقات کے لئے مروجہ اصطلاحیں ناموزوں اور ناکافی معلوم ہوتی ہیں۔

☆ .. مبین صدیقی ''سحر مبین'' میں لفظ لفظ مجتہد ہیں، خون جگر سے اپنے فن کی تشکیل کرتے ہیں اور اس کی پرواہ نہیں کرتے کہ پڑھنے والوں کی جانب سے پھول آئیں گے یا پتھر۔ مجھے کہنا ہے کہ ان کی ذہنی سطح جس طرح سامنے آرہی ہے وہ خاصی اختراعی ہے۔

(۴) پروفیسر وارث کرمانی

آپ کی کتاب ''اکسیر'' کا شکریہ۔ نئی آواز اور غالب کی طرح روش عام سے کٹ کر علیحدہ چلنے اور سوچنے کے انداز کا احساس ہوا۔

(۵) پروفیسر قمر رئیس

مبین صدیقی کی اکثر تحریروں میں افہام و تفہیم اور تلاش و تعبیر کے نئے زاویے ملتے ہیں۔ انہوں نے ایک مضمون میں اسٹیج ڈرامہ کے متبادل کے طور پر ایک تصوراتی ڈرامہ کا خیال پیش کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ جس طرح شاعری مشاعرہ سے الگ اپنا آزاد وجود رکھتی ہے اسی طرح یہ تصوراتی ڈرامہ ہے جسے وہ ''حالیہ'' کا نام دیتے ہیں۔

(۶) مظہر امام

☆ ''اکسیر'' پاکر بہت خوشی ہوئی۔ واقعی خوشی ہوئی۔ کئی مضامین پڑھے اور تمہاری ادبی اور شعری بصیرت کی داد دیتا رہا۔ عرفان صدیقی پر تمہارا مضمون تو شاہکار ہے۔ تم بہت اچھی زبان لکھتے ہو۔

☆ تمہیں ڈرامے کی صنف سے خاصہ شغف ہے اور تم اس میں اپنے طور پر تجربے کرتے رہتے ہو۔

(۷) پروفیسر عبدالصمد

☆ نئے تجربوں کی تاریخ میں ان کا نام تو امر ہو ہی گیا ہے۔

☆ مبین صدیقی اس لئے بھی قابل مبارک باد ہیں کہ انتہائی نامساعد حالات میں گھرے رہنے کے باوجود انہوں نے اپنی سوچ کی ہری کونپلوں کو کبھی مرجھانے نہیں دیا اور اپنے لئے ایک ایسی تخلیقی راہ کو خلق کیا جہاں دور دور تک ان کا کوئی ہمسر نہیں ہے۔

(۸) نیر مسعود

☆ آپ نے فکشن اور ڈرامے کو مخلوط کر کے اچھی چیزیں لکھی ہیں۔

(۹) سلام بن رزاق

☆ آپ کی سحر آفرینی نثر کا میں ہمیشہ قائل رہا ہوں۔ آپ اختلافی بات کو بھی مؤثر طریقہ سے پیش کرنے کا ہنر جانتے ہیں اور یہ ہنر کم لوگ جانتے ہیں۔

☆ آپ کے قلم میں زبردست فشار ہے اور آپ کی قوت تخیل بے محابا ہے۔

(۱۰) اقبال مجید

☆ آپ کے یہاں ندرت ہے اور اسی کے ساتھ تازگی بھی۔

(۱۱) سلیم شہزاد

☆ An Experiment in fiction کے ذیلی عنوان سے ''سحر مبین'' مبین صدیقی کے ایسے ادبی اظہارات کا مجموعہ ہے جس پر ڈراما، افسانہ اور شاعری تینوں کے اثرات صاف دکھائی دیتے ہیں۔

☆ ''سحر مبین'' اسم با مسمیٰ ہے۔ یہ ڈرامے Abstract رنگوں میں بھی تاثرات کن ہیں۔

☆ ''حالیہ'' بطور اصطلاح ابھی ایجاد بندہ کی ذیل میں آئے گا۔

(۱۲) پروفیسر عتیق اللہ

☆ ''سحر مبین'' کو خواہ آپ کچھ نام دیں، کتاب ایک ہے لیکن اس میں کئی افسانے اور کئی ڈرامے حل ہو گئے ہیں۔ اگر چہ آپ نے ایک ''انضمامی صنف'' سے متعارف کرانے کی کوشش کی ہے لیکن صنف کے روایتی تصور پر غور کیے بغیر بھی متعلقہ کتاب میں بڑی قوت ہے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ تکنیک نامانوس اور نئی ہونے کے باوجود Readability میں کوئی فرق نہیں پڑا، یہ آپ کی تحریر کی بڑی خوبی ہے۔

☆ آپ نے موجودہ لہو رنگ اور دہشت آگیں حالات کے جو منظر نامے خلق کیے ہیں، وہ بے حد ڈراؤنے اور ظلمت آگیں ہیں۔ ان سے اکراہ کا جذبہ پیدا نہیں ہوتا بلکہ اپنے آپ سے نفرت ہونے لگتی ہے۔

(۱۳) پروفیسر علیم اللہ حالی

☆ مبین صدیقی مجھے بہت عزیز ہیں۔ اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ وہ غیر معمولی اختراعی ذہن کے مالک ہیں۔ ان کی تحریر میں بے باکی ہے۔ اظہار و بیان پر انہیں حیرت انگیز دسترس حاصل ہے۔ ان کا انداز فکر اچھوتا منفرد اور اجنبی ہے۔ ان میں بے پناہ جرأت و بیباکی ہے۔ ان کی ساری دوستی و دشمنی کا مدار شعر و ادب اور نقد و بصر ہیں۔ ان کا ذہن غیر اتباعی اور مجاہدانہ ہے۔ ان کی شخصیت فرسودہ اور روایتی اقدار سے پاک ہے۔ ادب کے حوالے سے ان میں ایک درویشانہ اور مجذوبانہ کیفیت کا احساس ہوتا ہے۔ چنانچہ اس مکمل اخلاص اور انہماک کی بناء پر ان کی کئی باتوں سے اختلاف کے باوجود وہ مجھے بہت عزیز ہیں۔

(۱۴) جوگیندر پال

☆ یہ ڈرامہ (رت جگے) مجھے بڑی کارگر 'مخصوصیات' Specifics کے باعث یاد رہے گا۔ موضوع اور برتاؤ ہر دو اعتبار سے اے ون ہے۔

(۱۵)انیس رفیع

☆ Signals یا سنکیت میں کہنے کا فن بڑا کٹھن فن ہے۔ مجھے لگا کہ آپ نے اس فن پر قابو پا لیا ہے۔

☆ ''سائنٹسٹ'' پڑھ کر ہیئتی تازگی کا احساس ہوا۔ آپ نے ڈرامے کی ایک چونکانے والی تکنک کا استعمال کیا ہے۔ کہیں کہیں تو مکالمہ آمیز جدید افسانے کا گمان گذرتا ہے۔

(۱۶)شوکت حیات

☆انہوں نے سکہ بند ڈراموں کی روایت سے برأت کرتے ہوئے تکنیک، اسلوب اور فکری سطحوں پر ڈراموں کے نئے افق دریافت کیے ہیں۔

☆ان کے ڈراموں کی کثیر الجہتی ،مختلف اور متضاد منظر ناموں کی ہم آہنگی ،اثر پذیری اور جز میں کل کو محیط کرنے کی تخلیقی قوت ان کے ڈراموں کے شناختی امتیازات کی حیثیت رکھتے ہیں۔

(۱۷)سید امین اشرف

☆مضمون بعنوان ''شاعر شیریں مقال'' غضب کا مضمون ہے۔آپ نے نہایت ایمانداری، گہرائی اور ادبی بصیرت سے کام لیا ہے۔ایسے مضامین رسائل میں خال خال نظر آتے ہیں۔ممکن ہے کہ آپ شاعری نہ کرتے ہوں مگر ایسی نثر وہی لکھ سکتا ہے جو Critic ہونے کے ساتھ ساتھ شاعر بھی ہو۔آپ ایک بحر ذخار سے آبدار موتی نکال کر لائے ہیں۔آپ نے عرفاںؔ کا مطالعہ صحیح Perspective میں کیا ہے۔ایسے خوبصورت مضمون کے لئے دلی مبارکباد۔

(۱۸)احمد سہیل

☆اسلوب کا بیانیہ اچھوتا اور نئی فکری دریافتوں کا انکشاف کرتا ہے۔

(۱۹)منظر اعجاز

☆مبین صدیقی کے تصور و تخیل نے افسانویت اور ڈرامائیت کے امتزاج سے تخلیقیت کی سطح پر عصری صداقتوں کو جس رنگ سے منظر کیا ہے، اسے ''سحر مبین'' قرار دینا خلاف واقعہ نہیں ہے کہ یہاں روح عصر کی بے چینیاں بصیرتوں کے چراغ روشن کرتی دکھائی دیتی ہیں۔البتہ ''سحر مبین'' کی صنفی حیثیت تجدید کے نئے شاخسانے کا اشاریہ ہے۔

(۲۰) خورشید اکرم

☆ ان کی جدت طرازی کو بالعموم تسلیم کیا گیا ہے۔

☆ بنیادی طور پر ہر بندھے ٹکے تصور سے ان کا ذہن نبرد آزما ہو جاتا ہے۔

☆ ایسے لوگ بآسانی قبول نہیں کئے جاتے جو لیک سے ہٹ کر چلتے ہوں۔ مبین تو اپنی راہ پر چلنے کی کوشش کرتے ہیں جس پر پہلے کوئی چلا ہی نہ ہو۔

☆ کچھ تو دیوانے کی دیوانگی کو بھی تسلیم کرنا ہی پڑتا ہے چاہے نفی میں سر جھٹک جھٹک کر ہی۔

(۲۱) مشرف عالم ذوقی

☆ یہ ایک تصوراتی ڈرامے ہیں، مختصر ترین۔ اور آپ ایک نئی صنف کے موجد کی حیثیت سے سامنے آنا چاہتے ہیں، بہتر............ وجراس میں بیٹھے، حروف جھرنوں سے جھر جھر بہنے والے دوست، یقیناً ایک دن تمہاری باتیں زمین سے نکل کر آسمان تک پہنچیں گی۔

(۲۲) صدیق عالم

☆ چونکہ میرا تعلق کسی حد تک ڈراموں سے بھی ہے اس لئے یہ ڈرامے (میں انہیں ذہن کے اسٹیج پر کھیلے جانے والے ڈرامے سمجھتا ہوں) میری دلچسپی کو مہمیز کرتے ہیں۔ اور چونکہ میں بنیادی طور پر افسانہ نگار کے ساتھ شاعر بھی ہوں، مجھے ان میں شاعری کے امکانات بھی نظر آتے ہیں۔

☆ آپ نے تنقید کے میدان میں اپنے لئے ایک بالکل ہی منفرد راہ نکالنے کی کوشش کی ہے۔

(۲۳) مظہر الزماں خاں

☆ آپ نے ڈراما کو ایک نئی آواز اور نئی صورت دی ہے اور اس بوسیدہ عمارت کو توڑ دیا ہے۔ جس کی تقریباً چیزیں فرسودہ ہو چکی تھیں۔ مگر یہ کتاب (سحر مبین) تو سر والوں کے لئے ہے اور سر والے ہیں کہاں؟ آپ دیکھیں دور دور تک آپ کو دکھائی نہیں دیں گے۔

(۲۴) جمال اویسی

☆ یہ اردو نثر میں ایک نئے دبستان کے بانی ہیں۔

☆ کیا آپ نے ایسی کوئی کتاب پہلے پڑھی ہے؟

☆ جس وقت امیر خسرو نے کچھ تخلیقی اور فنی تجربے کئے تھے تو اس وقت صرف امیر خسرو تھے۔ آج بھی مبین صدیقی اکیلے ہیں اور انہوں نے کسی سموئل بیکٹ، بریخت وغیرہ کو پڑھنے کے بعد یہ چیز نہیں لکھی ہے۔ بلکہ مبین صدیقی نے کسی بڑے فنکار سے اثر قبول کئے بغیر لکھا ہے اور یہی ایک ایسی حقیقت ہے، جو مبین صدیقی کو معاصر ادبی زندگی میں بے حد ممتاز بناتی ہے۔

☆ میں ان تخلیقات (سحر مبین) کو شاعری اور ڈراما کی ملی جلی شکلیں تصور کرتا ہوں۔ ان تخلیقات کا بیانیہ بے حد جادوئی ہے۔ یہ قصہ گوئی کی طرح قاری کو پکڑے رکھتا ہے۔ تأثر آفرینی مختصر نظم اور مختصر افسانہ جیسی ہے اور تصور میں جو خاکے ڈوبتے ابھرتے ہیں ان کا تعلق ڈرامائی دنیا سے ہے۔ لہٰذا کہہ سکتے ہیں کہ مبین صدیقی کی ان تحریروں میں تخلیقیت کے چار عناصر اس طرح حل ہو گئے ہیں کہ ایسی جاندار تخلیق کا علیحدہ سے صنفی نام تجویز کیا جانا چاہئے۔

☆ مبین صدیقی نے فنون لطیفہ پر عالمانہ نظر دوڑائی ہے اور فنون لطیفہ سے متعلق تمام باتوں کو عالمانہ انداز میں پیش بھی کیا ہے۔

☆ مبین صدیقی نے جن تخلیقی تجربوں کا بغیر صنفی اظہار کا سہارا لئے بیان کر دیا ہے وہ تخلیقی تجربے اپنی موجودہ صورت میں بھی لافانی رہیں گے۔

☆ جب کوئی تخلیق اتنی توانا ہو تو اس کے لئے صنف اور فارمیٹ کی تلاش بے معنی ہو جاتی ہے۔ اور بعض انگریزی ناموں کے حوالے بھی بے معنی ہو جاتے ہیں۔

(۲۵) ابرار رحمانی

☆ فکشن کی اس نئی اصطلاح ''حالیہ'' کی ایجاد کا سہرا بے شک مبین صدیقی کے سر بندھتا ہے۔

☆ ایک نئے تجربہ، ایک نئی اصطلاح اور ایک نئی صنف کے لئے مصنف کو بہت بہت مبارک باد

(۲۶) ترنم ریاض

☆ ادب کی کئی اصناف کو یکجا کر دیا ہے آپ نے اور وہ بھی فنکارانہ انداز میں۔

(۲۷) عطا عابدی

☆مبین صدیقی کا فکری و تخلیقی سفر صداقتوں کے حسن و جمال کو تصویر بنانے، حسن و خیال کی صداقتوں کو الفاظ سے نوازنے اور مناظر احوال کو قوت گویائی دینے کے اجتہادی فن کارانہ عمل کے مترادف ہے۔

☆ہیئتی و صنفی اجتہاد کا یہ غیر مصنوعی سفر روایت کی خوبصورت توسیع کے علاوہ فکری و موضوعی اہداف کو اجاگر کرنے کا سفر بھی ہے۔

☆دراصل آپ نے ان ڈراموں کے ذریعہ اس اسٹیج کی جانب پیش رفت کی ہے جو کمپیوٹر تکنیک کے ذریعہ اسکرین پر نہ صرف آراستہ کیا جاسکتا ہے بلکہ آپ کے ذریعہ پیش کردہ مناظر و ماحول کو تاثیر و کیف کی نئی لذتوں سے بھی ہمکنار کر سکتا ہے۔

☆ تجرباتی تنوع کے باوجود مبین صدیقی نے جس فکر و موضوع کو پیش کیا ہے، وہ ہماری آپ کی دنیا کی ایسی سچائیاں ہیں جو جس زبان، جس اسلوب یا جس لہجے میں ادا ہوں، ہمیشہ سر چڑھ کر بولتی ہیں۔

(۲۸) خالد عبادی

☆ایجاد و اختراع کے تحت ''ایک نئی صنف حالیہ کی ایجاد'' اپنی نوعیت کا ایک یادگار مقالہ ہے۔ مبین صدیقی نے اردو میں جس ''حالیہ'' کی بنیاد ڈالی ہے وہ معنویت اور اہمیت کے لحاظ سے انتہائی دلچسپ اور غیر معمولی ہے۔ صنفی ایجاد کی تاریخ میں موجد حالیہ کی حیثیت سے مبین صدیقی کا یہ گراں قدر کارنامہ ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔

☆وہ بے شک ایک کامیاب نثار ہیں اور انہوں نے بیانیہ سائیکی اور ایمائی حقیقت نگاری کی سطح پر انور سجاد اور بلراج مین را کے اسلوب کو تخلیقی سطح پر آگے بڑھانے کی سعی مشکور کی ہے۔

(۲۹) ڈاکٹر کوثر مظہری

☆میں پوری طرح اس کتاب (سائنٹسٹ) پر رائے زنی کرنے کا اہل نہیں ہوں۔ البتہ یہ عرض کرتا چلوں کہ آپ کی یہ تحریر بہت ہی دلکش، دل پذیر، دل نشیں، جاں فزا، پر کیف، نشہ آور، سرور آمیز اور جذبات انگیز

ہے۔ پڑھئے تو بس دل کی زمین پر جیسے کیف و سرور کی فصلیں لہلہانے لگتی ہیں...... مگر ڈراما جسکا تعلق نوے فیصد اسٹیج سے ہے یا پھر دس فیصد ریڈیو سے، یہ تحریر مذکورہ دونوں زمروں سے باہر ہے۔ بلکہ ایک نئی صنف لطیف ہے۔

(۳۰) ڈاکٹر ابوبکر عباد

☆ ڈرامے کے روایتی تصور سے بغاوت اور اسٹیج میں جدت کے خیال پر مبارک باد دیتا ہوں۔ یہ دیکھ کر خوشی اور حیرت ہوئی کہ آپ نے بغیر انسانی کردار کے ڈرامے لکھے (یا ڈرامے کے تمام تر کردار محض نباتات اور غیر ذی روح بھی ہو سکتے ہیں)۔

(۳۱) شمیم قاسمی

☆ سحر مبین بلاشبہ اردو فکشن کے باب میں ایک تجربہ پسند مگر خوبصورت تخلیقی اظہار یہ ہے جسکی جڑیں بیک وقت ہمارے ماضی حال اور مستقبل سے پیوستہ ہیں۔

☆ اردو ادب میں ایسا پہلی بار ہوا ہے کہ ایجاد و اختراع کے جواز پر اس کے خالق نے اس قدر طویل ترین نظری مقدمہ اور مفروضہ قائم کیا ہو۔

☆ صنفی اعتبار سے زیر مطالعہ کتاب ڈرامہ اور فکشن کے درمیان کی ایک invisible کڑی ہے۔

☆ میں سمجھتا ہوں کہ دنیا کی بڑی زبانوں بالخصوص انگریزی زبان میں ''سحر مبین'' اگر منتقل کیا جاتا تو پھر اس کے خالق کا قدری گراف مایہ ناز طور پر دیکھنے سے تعلق رکھتا۔

☆ مبین نے مسائلِ حیاتِ روز و شب پر تو بظاہر سرسری نظر ڈالی ہے مگر جڑوں کی تلاش پر پورا تخلیقی فوکس (Focus) ڈال دیا ہے۔ جس میں ان کی تخلیقی خلوت پسندی کا بھی بڑا دخل ہے

☆ ''سحر مبین'' اپنے سیاق و سباق میں دراصل ایک Complete creative fantacy ہے۔ جہاں الفاظ مروجہ معنوں سے ہٹ کر جہانِ معنی کی ایک الگ ہی دنیا خلق کرتے نظر آتے ہیں۔

☆ یہ تو طے ہے کہ ''سحر مبین'' Fiction اور AntiFiction کا خوبصورت سنگم ہے۔

☆ مبین صدیقی کو اپنے اسٹائل کی ممتاز اختراعی تصنیف اور ایسے غیر معمولی تخلیقی تجربے (جسے انہوں نے ''حالیہ'' کا نام دیا ہے) کی پیش کش پر مبارکباد

(۳۲)ڈاکٹر شہاب ظفر اعظمی

☆مبین صدیقی ''سائنٹسٹ'' اور ''سحر مبین'' کے ذریعہ اردو ادب میں اپنی تخلیقی ذہانت، فکری انفرادیت اور اختراعی قوت کا اعتراف کرا چکے ہیں۔ انہوں نے سکہ بند ڈراموں کی روایت سے انحراف کرتے ہوئے تکنیک اسلوب اور فکر کی سطح پر ڈرامے کے نئے افق دریافت کئے ہیں اور ایک نئی صنف ''حالیہ'' کی بشارت دی ہے۔

☆مبین صدیقی کی یہ پہلی تنقیدی تصنیف (اکسیر) ہے۔ اور اس پہلی ہی تنقیدی کاوش کو جتنی اور جیسی پذیرائی حاصل ہو رہی ہے اس کی مثال ادب میں خال خال ہی ملتی ہے...... یہاں مصنف کی فکر، اختراعی قوت اور لطیف ذہانت کا احساس ہر سطر میں ہوتا ہے۔

(۳۳)نسیم احمد نسیم

☆''سحر مبین'' کے فن پارے در اصل بنت اور باخت کے اعتبار سے افسانے ہی ہیں۔ استعارے اور علامات کی غیر معمولی تہہ داری کے باوجود مصنف نے عالمی سطح پر ہمیں تمام سفید و سیاہ صورت حال کا جستہ جستہ ادراک کرا دیا ہے۔ مصنف کا کہنا صحیح ہے کہ انہوں نے سمندر بھر سوچا ہے تب جا کر قطرہ بھر لکھا ہے۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ اردو کے بیشتر ناقدین ان کے فن کی بلندی تک اپنے ذہن کو نہیں پہنچا سکتے۔ یہ ایک سنجیدہ اور خالص ادیب کے ساتھ ناانصافی ہے۔

(۳۴)ڈاکٹر مشتاق احمد

☆مبین صدیقی نئی نسل کے پختہ شعور فنکار ہیں۔ وہ شاعر بھی ہیں اور سخن فہم نقاد بھی۔ اردو میں ایک نئی نثری صنف ''حالیہ'' کے موجد ہیں۔

☆انہوں نے تنقیدی مضامین بھی لکھے ہیں اور اپنی فکر نو سے قارئین ادب کو ذہنی آسودگی بھی بخشی ہے۔

☆وہ دن دور نہیں کہ جب مبین صدیقی رہِ ادب میں ایک سنگ میل کی صورت نظر آئیں گے۔

(۳۵)شاہد رزمی

☆روایتی اور مروجہ شعریات کی نفی کرتے ہوئے کوئی فن پارہ تصنیف کرنا، اپنے آپ میں جگرے کا کام ہے...... ان ڈراموں پر Skit اور ٹیبلو (Tableau) کا گمان گذرتا ہے۔

(۳۶) سہیل اختر

☆اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ بہترین مضامین ہیں مثلاً معاصرین شعراء وناقدین پر آپ نے جو گوہر پارے تصنیف کئے ہیں...... آپ کی اپنی منفرد رائے اور سوچ ہے۔ آپ میں جو Originality ہے اس کا تو قائل ہونا ہی پڑتا ہے۔

(۳۷) عاقل زیاد

☆موجد حالیہ کا مقالہ حاصل شمارہ ہو گیا ہے۔ بے شک مبین صدیقی موجودہ اردو فکشن کے سب سے منفرد اور مجتہد فنکار ہیں۔ اگر کسی نے ان کے صرف دو حالیائی افسانے ہی پڑھے ہیں مثلاً 'سحر مبین' اور 'شاہکار آمد' تو بھی کسی کو اس اعتراف میں کوئی تأمل نہ ہوگا کہ اس صاحب طرز فکشن نگار نے موجودہ فکشن میں جس طرح کے اہم ترین موضوعات کا اضافہ کیا ہے اس میں آج ان کا کوئی ہمسر و ثانی نہیں ہے۔ اس لحاظ سے بھی وہ آج کے سب سے بڑے فکشن نگار تسلیم کئے جانے کے مستحق ہیں۔

☆ میں نے ''سحر مبین'' کو دیکھا ہے اور یہ بھی دیکھا ہے کہ ادب کی مروجہ روایات سے الگ ایک ایسی فضا اور اس فضا کی مناسبت سے اپنے کرداروں کو آپ نے جس تخلیقی قوت سے تراشا ہے، اس کی مثال حقیقت نگاری، ترقی پسندی اور اس کے بعد جدیدیت سے لے کر اب تک کے ادب عالیہ میں دور تک دکھائی نہیں دیتی۔ مجھے یقین ہے کہ ''سحر مبین'' کا جادو ایک دن اہل ادب کو آپ کی جانب ضرور متوجہ کریگا اور اسکی وساطت سے آپ کے اکسیری مضامین پر بھی اہل نظر رشک کریں گے۔

☆مبین صدیقی نے ایک فرد واحد کی حیثیت سے بہت اوپر اٹھ کر یوں کہیں کہ ایک دبستان (School Of Thought) کی حیثیت سے ''حالیہ'' کے نظریات و تعریفات ہی نہیں، اس کی اجزائے ترکیبی تک کی تشکیل و تعمیر از خود کی ہے۔

☆ 'شاہکار آمد' ہی نہیں 'سحر مبین'، 'میں ماورا'، 'عجیب المخلوق' اور 'ایجادات' جیسے متعدد حالیے نہ صرف یہ کہ دنیائے ادب میں عدیم المثال ہیں بلکہ اردو ادب کے شاہکار کا درجہ رکھتے ہیں۔

☆۱۹۸۰ء کے بعد کے اہم ترین ادبی کارناموں میں اختراع حالیہ اولین اختراعی کارنامہ ہے۔

(۳۸) ڈاکٹر آفاق عالم صدیقی

☆ڈاکٹر مبین صدیقی نئی نسل کے ایسے فلسفہ پسند زیرک فنکار اور ناقد ہیں جو علم و ادب کی جگمگاتی شاہراہ سے گذرتے ہوئے روشنی کی ایک واضح لکیر چھوڑ جاتے ہیں۔ایسی لکیر جو گمراہوں کو سیدھی راہ اور کور بینوں کو بینائی عطا کرتی ہے۔اور اپنے فنی وفکری تفاعل پر از سر نو غور وفکر کرنے کی دعوت دیتی ہے۔اب تک ان کی تین کتابیں ''سائنٹسٹ، سحر مبین اور اکسیر'' شائع ہو چکی ہیں۔ان کی کتابوں نے نہ صرف یہ کہ عام قارئین کو چونکایا ہے بلکہ ادب کے ثقہ حضرات کو بھی مبہوت کیا ہے۔یہی وجہ ہے کہ فاروقی صاحب اور وہاب اشرفی صاحب سے لے کر سید امین اشرف صاحب تک نے مبین صدیقی کی فنکارانہ مہارت اور تنقیدی بصیرت و بصارت کی دل کھول کر داد دی ہے۔اور یورپ کے اہم فنکاروں اور دانشوروں کو یاد کیا ہے۔مبین صدیقی نے حالیہ کی شعریات کی جس بصیرت سے اردو دنیا کو روشناس کرایا ہے اور فن وتنقید کو اکسیریت بخشی ہے اس سے واضح ہے کہ وہ ایک خود کفیل ناقد اور فنکار ہیں۔

(۳۹) مشتاق شمسی

☆وہ محفلوں میں بھی تنہا رہتے ہیں، اگر چہ دوستوں سے الگ رہنے کا مزاج نہیں ہے پھر بھی سوچ اور فکر ان کی الگ ہوتی ہے۔یہ ''حالیہ'' ان کی الگ سوچ وفکر کا ہی نتیجہ ہے......وہ عام لوگوں سے کم ملتے ہیں اور تنہا رہنا زیادہ پسند کرتے ہیں۔ان کی تنہائی اور انکی فکر نے ہی انہیں ایک نئی صنف کا موجد بنایا ہے اور انہوں نے اسے ہی اپنا مقصد بنالیا ہے۔

(۴۰) شکیل سلفی

☆اچھے شاعر اور بہترین نقاد ہیں۔زبردست اختراعی قوت کے مالک ہیں۔انہوں نے فکشن میں ایک نیا تجربہ کیا ہے اور ایک نئی صنف ''حالیہ'' کے موجد ہیں۔

(۴۱) احمد وقاص (خورشید عالم)

☆آپ کی تحریریں بڑی غیر متوقع ندرت کا احساس کراتی ہیں.......آپ نے انتہائی پرکشش اور قوی تر انداز اور بالکل اختراعی اسلوب میں باطل روایتی طلسمات کو توڑ کر خاص قسم کا انکشافی ادب خلق کیا ہے، جو اپنے قائدانہ اوصاف سے مملو بھی ہے۔

(۴۲) پروفیسر ایس کے نکھلیش

☆جب کہیں کسی تخلیق میں ایک خاص نہج کے تجرباتی اسلوب کو اختیار کیا جاتا ہے تو متعلقہ صنف وادب کو اک نئی سمت فراہم ہوتی ہے اور مخصوص اسلوب کے موجد دنیائے ادب میں یگ پُرش کہے جاتے ہیں۔

☆سب سے اہم بات یہ کہ آپ کی تخلیقات کے کیرکٹر تو قدرت ہی کے نمائندے ہیں۔اور مجھے کہنے دیجئے کہ نیچر کو آپ نے جس نئی بصیرت سے دیکھا ہے کیا اس سے آپ The New Man Of Nature نہیں معلوم ہوتے؟؟

☆''شاہکار آمد'' کو میں آپ کی سب سے شاہکار تخلیق مانتا ہوں، جو ٹی ایس الیٹ کے The West Land، نرالا کی بہترین شعری تخلیق ''رام کی شکتی پوجا'' اور مکتی بودھ کے طویل شاہکار'' اندھیرے میں'' کی مانند کال جئی (فاتح زمانہ) ثابت ہوگی۔

☆دراصل آپ کے ناٹکوں کا محورکل (نصب العین) ہی ایسے Universal مسلمات سے متعلق ہے کہ ان کا کال جئی ہونا لازمی ہے۔

☆آپ کا قوی تر اور اثر آفریں اظہار جس وسیع تر فنتاسی (Fantasy) کا احساس کراتا ہے وہ دنیائے ادب میں کمیاب ہی ہے۔

☆آپ کے Free Verse میں اظہار کے لافانی امکانات موجود ہیں اور ان میں ایسی روانی کہ جو ندی کے گلکل کی مانند دلکش ہے۔الفاظ کے انتخاب میں آپ کا احتیاط ہر ہر جملے میں محسوس کیا جاسکتا ہے۔

☆منتخب Diction میں شبنم کے قطروں کی فلسفیانہ سفیدی ہوتی ہے جو قرینے سے بجی ہونے کے سبب خاص قسم کی خوبصورتی اور انتہائی کشش کا احساس کراتی ہے۔

☆آپ کی تخلیقات میں موجود فنتاسی کے وسیع تر تخلیقی پھیلاؤ کی بنیاد پر اگر یہ کہا جائے کہ اردو ادب میں آپ فنتاسی (Fantasy) کے بادشاہ ہیں تو کچھ بے جا نہ ہوگا۔

(۴۳) ڈاکٹر ایوب راعین

☆اپنے ادبی اوشکار کو ڈاکٹر مبین نے نہ صرف ایک نئی صنف ''حالیہ'' کا نام دیا ہے بلکہ حالیہ کے سدّھانت، درشٹانت، درشن اور پنچ تو کا از خود سرجن بھی کیا ہے......کال جئی رچنا کار اور اپنی ادویتیہ (بے مثال) شیلی کے جنک ڈاکٹر مبین صدیقی......!

(۴۴) سرفراز خالد

☆موضوع کو معروض کی سطح پر پیش کرنے کی جیسی کوشش مبین صدیقی نے کی ہے ویسی کوشش اردو ادب میں خال خال بھی نظر نہیں آتی۔

(۴۵)ڈاکٹر خان محمد رضوان

☆جناب مبین صدیقی ایک صاحبِ فکرونظر اور صاحبِ طرز ادیب ہیں۔

☆موجدِ حالیہ ڈاکٹر مبین صدیقی کا بے مثل و بے مثال مقالہ ''ایک نئی صنف حالیہ کی ایجاد'' دیکھ کر حیران ہوں۔بات یہ ہے کہ اردو میں ایجاد واجتہاد کے تعلق سے عموماً ایک جملہ بھی ہم برداشت نہیں کر پاتے۔مشاہدہ تو یہی ہے کہ جس کسی نے بھی اردو میں ایجاد واجتہاد کی کاوش کی وہ شہید ہوگیا۔ہم تو یہ مان ہی کے چلتے ہیں کہ اردو میں کوئی عظیم اجتہاد نہیں ہوسکتا اور اگر ہوا ہے تو اس کی ناقدری بھی ہوئی ہے۔مبین صاحب موضوع واسلوب کے ہر دو اعتبار سے اپنے حالیوں میں ایسی دانشوری اور ایسے کمالات رکھتے ہیں کہ یقیناً اپنے وقت کے سب سے بڑے فکشن نگار معلوم ہوتے ہیں۔مگر ایسی شخصیتوں کا بھی مخلصانہ استقبال کرنے والوں اور انہیں سمجھ کر سمجھانے والوں کی ہمارے یہاں ہمیشہ سے کمی رہی ہے۔چنانچہ مبین صدیقی صاحب کا یہ فرمانا حق بجانب ہے کہ اردو میں اختراعی کاوشوں پر سیمینار نہیں کرانا،مقالات نہیں لکھنا،مضامین میں ان کا تذکرہ نہیں ہونا،اپنی ترجیح میں انہیں شامل نہیں کرنا ہم اردو والوں کے حق میں افسوس ناک ہے۔

☆تخلیقی عمل کسبی نہیں ہے یہ وہبی عمل ہے۔جسے ہم علم لدنی بھی کہہ سکتے ہیں،لیکن یہ توفیق ہر ایک کو نہیں ملتی۔موجد حالیہ ڈاکٹر مبین صدیقی نابغہ روزگار ادیب اور ایک مفکر نقاد ہیں۔گزشتہ تین دہائیوں سے مسلسل غور وفکر اور فیکلس فائنڈنگ کے بعد اپنی سعید کاوشوں کو انجام تک پہنچایا ہے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں سرخ رو بھی کیا ہے۔

مبین صاحب کی کتاب ''اکسیر'' ہو یا مجموعہ حالیہ ''سحر مبین''،ان کے مضامین وتخلیقات کا مطالعہ جس قدر مجھے نصیب ہوسکا ہے،ان کے اختراعی ذہن وافکار اور گراں قدر خدمات کا شدید احساس کراتا ہے۔واقعی رشک ہوتا ہے کہ وہ اپنی تخلیقی اور اختراعی قوت اور تخیلات کی بلند پروازی کو بروئے کار لاکر جس انداز سے اپنے کرداروں کو تراشتے ہیں،جس پر کشش مناسبت کے ساتھ ان کی فضا آفرینی کرتے ہیں،جتنی خوبصورت اور جیسی فصیح وبلیغ زبان استعمال کرتے ہیں وہ اپنی مثال آپ ہے۔اردو کی ایسی مایۂ ناز شخصیت کو اللہ تعالیٰ سربلند رکھے،آمین۔

ے ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

☆☆☆

تعارف

مصنف ایک نظر میں

نام	:	محمد مبین صدیقی
قلمی نام	:	مبینؔ صدیقی
والد	:	جناب حافظ عبدالعزیز مرحوم
تاریخ پیدائش	:	۱۵/دسمبر ۱۹۶۵ء
جائے پیدائش	:	قلعہ گھاٹ کالونی، دربھنگہ
موجودہ پتہ	:	محلہ الف گنج، شیودھارا، دربھنگہ۔846004 (بہار)
تعلیم	:	ایم اے، پی ایچ، ڈی (اردو)
مشغولیت	:	درس وتدریس
مطبوعات	:	☆غزلیں، نظمیں، قطعات، افسانے، حالیے اور مضامین۔ ☆تنقیدی مضامین کا ایک مجموعہ "اکسیر" ۲۰۰۸ء۔ ☆حالیوں کا پہلا مجموعہ "سائنٹسٹ" ۱۹۹۸ء ☆حالیوں کا دوسرا مجموعہ "سحر مبین" ۲۰۰۴ء ☆حالیوں کا تیسرا مجموعہ "ایجادات" پیش نظر!
انعام	:	"اکسیر" (تنقیدی مضامین کا مجموعہ) پر بہار اردو اکیڈمی کی جانب سے پروفیسر عبدالمغنی ایوارڈ برائے سال ۲۰۱۲ء
مطبوعات آئندہ	:	(۱) "اکسیر شعروشاعری" (ہم عصر شعراء پر مضامین) (۲) "اکسیر واقعہ" (ہم عصر فکشن نگاروں پر مضامین) (۳) "اکسیر نقد وتنقید" (ہم عصر ناقدین پر مضامین) (۴) "تاریخ ایجادات اردو" (اردو ادب میں ایجاد واختراع کی تاریخ) (۵) "تفہیم حالیہ" (حالیوں سے متعلق تاثرات ومضامین کا مجموعہ)

☆☆☆

IJADAAT

(Collection of Haliyas)

A New Genre in Urdu Fiction

by : Mobin Siddiqui

اب سے ستائیس برس پہلے یعنی ۸۰ء کے بعد دنیائے فکشن میں ایک نئے اسلوب اور ایک نئی صنف "حالیہ" کی بنیاد پڑی تھی۔ حالیوں کا یہ تیسرا مجموعہ "ایجادات" آج آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ "حالیہ" کی اختراع اپنی بلندیٔ فکر اور ندرتِ اسلوب کے لحاظ سے نہ صرف عالمی سطح پر ایک گراں قدر کارنامہ ہے بلکہ تاریخ ایجادات ادب میں ممتاز ترین ایجاد کا درجہ رکھتی ہے۔ آیئے، اسے دلائل کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں:

(۱) "ایجادات" میں شامل اکثر حالیوں کے اندر عالمی سطح کے بڑے اور بنیادی موضوعات مثلاً کلوننگ بین المخلوقات (انس وجن وحیوان) اور کلوننگ بین الماحولیات کے ساتھ باریک ترین دجالی آثار کے تہہ بہ تہہ انکشافات ادب عالیہ میں عموماً اور کسی نئی صنف میں خصوصاً ہمیں ڈھونڈنے سے بھی نہیں مل سکتے۔

(۲) جانداروں کے علاوہ غیر ذی روحوں اور مظاہر فطرت کی ایسی مشترکہ کردار سازی جو زمانہ حال کی عکاسی کرتی ہوئی ماضی و مستقبل کا احساس وادراک کراتی ہو، "حالیہ" کی ایسی خاصیت وانفرادیت ہے جس کی نظیر دنیائے فن وادب میں تلاش وتحقیق کے باوجود ہمیں نہیں مل سکتی۔

(۳) ایسی مثال بھی ہمیں شاذ ہی مل سکتی ہے کہ کسی نئی صنف کے Concept اور Definition پر مقدمات حالیہ جیسے دقیق وطویل مقدمات خود موجد نے قائم کیے ہوں اور اجزائے ترکیبی کی تشکیل وتکمیل کے دبستانی فرائض بھی خود موجد ہی نے انجام دیے ہوں۔

(۴) ابتدا سے تا حال، ایجاداتِ اصناف ادب کی تاریخ کا اگر آپ جائزہ لیں تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ ایک "حالیہ" کے اندر مختلف ومتعدد صنفوں کا جیسا باریک سنگم پایا جاتا ہے ایسے انوکھے انضمام کی نظیر بھی کہیں اور نہیں مل سکتی۔ آپ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ "حالیہ" کو جس عظیم پیرایۂ اظہار اور خوبصورت ترین زبان میں کاڑھا گیا ہے وہ افسانہ وڈراما کی تاریخ کے لئے بھی بے مثل وبے مثال ہے۔ حالانکہ طرزِ نگارشِ حالیہ کو رائج ڈرامائی، رائج افسانوی، رائج منظوم اسالیب بیان کا دلکش مرقع سمجھنے والوں کے مطابق بھی یہ صنفی اختراع کی تاریخ کا ممتاز ترین طرزِ نگارش ہے۔ ماننے والے یہ بھی مانتے ہیں کہ موجدِ حالیہ جناب مبین صدیقی نے بیک قلم افسانہ، ڈراما اور شاعری جیسی متعدد صنفوں میں نہ صرف اختراعی کاوشوں کو سرانجام دیا ہے بلکہ مختلف ومتعدد صنفوں کے مابین ایک حسین امتزاج اور تطابق پیدا کر کے اپنے کمالِ فن سے انہیں یکجا ویکجان کر ڈالا ہے۔ چنانچہ انسائیکلوپیڈیا کی تاریخ میں "حالیہ" "صنفی کلوننگ" (Cloning) کی عمدہ ترین مثال کے طور بھی ہمیشہ یاد رکھی جائے گی۔

اگر عالمی سطح پر موجودہ ادب اردو سے کسی ایک گراں قدر اختراعی کارنامہ کا سوال کیا جائے تو یقیناً اس کا سب سے عمدہ اور بہترین جواب کارنامۂ حالیہ ہوگا۔ اس لحاظ سے بھی، تاریخ ایجادات ادب کے لیے یہ بڑے فخر وافتخار کا موقع اور خوشخبری ہے!!

ناشر

ISBN 978-93-88356-21-3

EDUCATIONAL PUBLISHING HOUSE
New Delhi , INDIA